سیرة النعمان

یعنی

امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری حصہ اول و دوم

اِس کتاب کے پہلے حصے مین امام ابو حنیفہ کا نام و نسب۔ ولادت و سن رشد۔ تعلیم و تربیت۔ شیوخ حدیث۔ درس و افتا۔ بقیہ زندگی اور دربار کے تعلقات۔ وفات۔ عام اخلاق و عادات۔ مناظرات و فتاوی۔ ذہانت و طباعی۔ اِس قسم کے حالات نہایت تفصیل سے مذکور ہیں

دوسرے حصے مین امام صاحب کے اصول اور مسائل سے جو علم کلام اور فن حدیث سے متعلق ہین تفصیلی بحث ہی اور واقعات و اسانید کے ساتھ ثابت کیا گیا ہی کہ فن حدیث مین اُن کا کیا پایہ تھا۔ فن فقہ پر تفصیلی ریویو ہی جسمین تدوین فقہ کے تاریخی حالات کے ساتھ وہ تمام خصوصیتین تفصیلاً بیان کیگئی ہین جنکی وجہ سے فقہ حنفی کو اور ائمہ کے فقہون پر ترجیح حاصل ہی خاتمہ مین امام صاحب کے نامور اور ممتاز شاگردون کے مختصر حالات ہین

مؤلفہ مولٰنا محمد شبلی نعمانی صاحب مہتم

باجازت سید ظہور الحسن (مالک اخبار قومی رفیق و کارخانہ احسن التجارت دہلی کٹرہ نظام الملک) نے سید صاحب مہتم اتحاد لکھنو

قومی پریس دہلی مین چھاپی سنہ ۱۹[illegible]ع

قیمت مجلد عہ	تعداد (۱۰۰۰)	رجسٹری شدہ

مختصر فہرست کتب کارخانہ احسن التجارت دہلی زیر جامع مسجد

شمائل شریف مترجم - یہ شمائل شریف بہت خوش خط اور نہایت جانفشانی اور محنت سے تیار ہوئی ہے اور نیز اسکی صحت مین بہت ہی جانکاہی کی گئی ہے امید ہے کہ مسلمان اسے دیکھکر خوش ہون گے اس سے بہتر اور سستی شمائل دوسری جگہ نہین ملیگی قیمت مع جلد نقرئی عہ

سفرنامہ روم و مصر و شام شمس العلما مولنا شبلی کا سفرنامہ جسمین قسطنطنیہ بیت المقدس قاہرہ وغیرہ کے چشم دید حالات و واقعات ترکون اور عربون کے اخلاق و عادات درج ہین یہ کتاب قابل دید ہے عمدہ چکنے ولایتی کاغذ پر چھاپی گئی ہے قیمت فی جلد عہ

تاریخ بابل و نینوا - شہر بابل و نینوا کے حیرتناک واقعات انکی تباہی و بربادی کے عبرتناک حالات درج ہین یہ قدیم تاریخ آجتک نہین چھپی تھی مترجمہ مولوی محمد علی خانصاحب عرشی قیمت فی جلد عہ

المامون مصنفہ مولانا مولوی شبلی اس کتاب کے دو حصے ہین پہلے مین تمہید - ترتیب خلافت مامون رشید کی ولادت تعلیم و تربیت - ولیعہدی - تخت نشینی خانہ جنگیان فتوحات ملکی وفات کے حالات - دوسرے حصے مین اُن مراتب کی تفصیل ہے جنسے اُس عہد کے ملکی حالات اور مامون الرشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہوسکتا ہے نیز اون کارنامون کی تفصیل ہے جنکی وجہ سے مامون الرشید کا عہد عموماً شاہان اسلام کے عہد سے علمی حیثیت سے ممتاز تسلیم کیا گیا ہے مع رسالہ الجزیہ قیمت فی جلد عہ

الہارون یعنے سوانح عمری خلیفہ ہارون الرشید اعظم مع نقشہ سلطنت عباسیہ دار الخلافہ بغداد عہ

مقدس نازنین یا پوپ ایگنس نہایت عجیب و غریب ناول ہے مصنفہ شرر لکھنوی قیمت عہ

فردوس بریں نہایت ہی حیرت انگیز ناول ہے جسمین جی ملا راعلی کا سفر اور جنت الفردوس کی سیر اور لطف یہ کہ بالکل تاریخی مضامین فرقہ قرامطہ و باطنیہ کی تاریخ فی عہ

فلورا فلورنڈا نہایت دلکش اور دلپر اثر کرنے والا ناول اسپین کے عیسائیون کا مجنونانہ تعصب اور اسلامی خلافت کی معدلت پروری قیمت عہ

فہرست مضامین کتاب سیرۃ النعمان



تمت بالخیر

ھو المستعان

سیرۃ النعمان

یعنی

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری

کا

حصہ اوّل

مؤلفہ

مولانا محمد شبلی نعمانی

قومی پریس دہلی میں سنہ ۱۹۰۴ء ۱۳۲۲ھ چھپا

بسم اللّٰه الرحمن الرحیم

حمد و ستایش که بعنوان نوشت — نعت همانگو نه همانسان نوشت

شیفتگان نسیم و پیمبر پرست — سجده اگر نیست زمین بوس هست

تا بخودی پایه نگهدار باش — دم ز شریعت زن و هشیار باش

هر چه نه زین است و زکم باز دان — سجده و تعظیم ز جسم باز دان

هر ره الفت که بود هیچ هیچ — پا چو نهی - بر تو نگیرم هیچ

من که درین دائره از دیر باز — پائے ز خلوت نه نهادم فراز

بار برانم که درین دادرسے — دل برم از خلق با فسونگرے

خواستم طرح دگر ریختن — شعبدهٔ تازه برانگیختن

بزم دگر هست و تماشا دگر — باده دگر آرم و مینا دگر

زمزمہ تازہ بساز افگنم — غلغلہ در حلقہ راز افگنم

بادہ فرستم بحریفان دگر — از می دوشین قدحے تشنہ تر

زخمہ کہ بر تار سخن میزنم — بانگ بتاراج فن میزنم

قاعدۂ سحر طرازیست این — نیک نگہ کن کہ چہ بازیست این

پاچہ درین سحر کہ افشردہ ام — پایۂ فن تا بکجا بردہ ام

ق

حسرت این کار نگہداشتن — نامہ بہ لعل و گہر انباشتن

کار من است این نہ ہر خام نیست — این بود آن مے کہ بہر جام نیست

دست اگر سوے قدح بردہ ام — جائے غضب بخت دل افشردہ ام

کان معانی ہمہ کاویدہ ام — کین گہرے چند فرا چیدہ ام

غارت بتخانۂ چین کردہ ام — تا صنمے چند گزین کردہ ام

خاک در میکدہ تا بیختم — کین می صافی بقدح ریختم

وایہ اگر از دگران خواستم — چارہ نہ زر بود ازان خواستم

فن سخن گرچہ بود دلپذیر — نیست ور و خود ز روایت گزیر

گرچہ متاع از دگر آوردہ ام — قطرہ ز بود م گہر آوردہ ام

گرچہ مرا شیوۂ فن این نبود — حرف بہ آورد زدن آئین نبود

پیشتر از گرم طلب بودہ ام — بادیہ پیمائے عرب بودہ ام

بزم چو آن فرہ و آن ساز داشت — ساغر من بادۂ شیراز داشت

لیک چو آن مطرب و ساقی نماند — بوئے ازان میکدہ باقی نماند

بزم جز و گر آراستم		خوشتر ازان نیز کہ میخواستم	
گرچہ سر و برگ سخن دیگرست		شمع ہمانست ۔ لگن دیگرست	
بادہ گوارا بہ عزیزان تمام		بادۂ گلگون بہ سفالینہ جام	

ناموران اسلام" جس کا ایک حصہ المامون چھپکر شائع ہو چکا ہے ۔ اول اول جب مجھکو اس کا خیال پیدا ہوا تو نہایت وسیع بنیاد پر ہوا ۔ جس طرح مین نے خلافت و سلطنت کے مختلف خاندانون سے ہیرو انتخاب کیئے ۔ ارادہ تھا کہ اسی طرح علوم و فنون کے جدا جدا خاندان قائم کیئے جائین اور جو لوگ ان خاص خاص فنون مین اپنا نظیر نہین رکھتے تھے انکو اس سلسلہ کا ہیرو قرار دیا جائے ۔ مگر اتنا بڑا کام تنہا میرے بس کا نہ تھا مجبوراً حیثیت حکومت کی قید لگا کر مین نے اس وسیع خیال کو بہت کچھ محدود کر دیا ۔ بلکہ سلسلہ حکومت سے بھی بہت سے خاندان چھوڑ دئے ۔ تاہم یہ خیال دل سے نہ گیا کہ فرصت ہو تو اہل کمال کا دربار بھی سجایا جائے کہ السیف و القلم توامان ۔

المامون کے بعد مین نے الفاروق لکھنی شروع کی تھی اور ایک معتدبہ حصہ لکھ بھی لیا تھا ۔ لیکن بعض مجبوریون سے چند روز کے لئے اس کی تالیف سے ہاتھ اٹھانا پڑا ۔ اس پر کوتاہ بینون نے عجیب عجیب بدگمانیان کین ۔ حالانکہ بات اتنی تھی کہ بعض نادر کتابین جو اس تصنیف کے لئے نہایت ضروری ہین ۔ اور یورپ مین چھپ رہی ہین ابھی تک پوری چھپکر نہین آئی ہین اس زمانہ انتظار مین بیکار بیٹھنا تو مشکل تھا ۔ خیال ہوا کہ کسی اور نامور کی لائف شروع کر دون لیکن یہ دیکھکر کہ الفاروق ناتمام ہے ۔ طبیعت رک جاتی تھی اور اس میدان مین قدم آگے نہ بڑھ سکتا تھا ۔ ادھر یہ خلش چین نہ لینے دیتی تھی کہ علمی نام آورون کے کارنامے دکھانے بھی ضرور ہین کیونکہ اسلام مین تیغ و قلم کا ہمیشہ ساتھ رہا ہے ۔

آخر یہ خیال غالب آیا اور چند روز کے لئے خاندان حکومت کو چھوڑ کر علمی سلسلہ کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ فقہ حدیث۔ ادب۔ منطق۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ مختلف خاندان سامنے تھے بعض وجوہ سے فقہ کو ترجیح دی اور امام ابو حنیفہ کو جو فقہ کے بانی ہین اُسکا ہیرو قرار دیا۔ امام ابو حنیفہ کے اجتہادی مسائل قریباً بارہ سو برس سے تمام ممالک اسلامی مین پھیلے ہوئے ہین۔ بڑی بڑی عظیم الشان اسلامی سلطنتون مین اُن ہی کے مسائل قانون سلطنت تھے اور آج بھی ہیں۔ اسلامی دنیا کا غالب حصہ اُن ہی کے مسائل کا پیرو ہے۔ عربی۔ فارسی ترکی۔ بلکہ یورپ کی زبانون مین۔ آنکی متعدد سوانح عمریان لکھی گئین۔ ظلم تھا۔ اگر اُنکی لائف خود اُردو مین نہ لکھی جاتی جو بلحاظ غالب اُن ہی کے پیرو ون کی زبان ہے۔

امام ابو حنیفہ کو اسلام مین جو رتبہ حاصل ہے اُسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس کثرت سے آنکی سوانح عمریان لکھی گئین کسی کی نہین لکھی گئین مسلمانون مین علم رجال کو جو ترقی ہوئی دنیا مین اُسکی کوئی نظیر موجود نہین۔ تراجم۔ طبقات۔ قرون۔ وفیات۔ اعیان۔ سنین۔ وغیرہ کے نام سے جدا جدا عنوان قائم ہوئے۔ اور ایک ایک عنوان کے ذیل مین اس کثرت سے کتابین لکھی گئین۔ کہ انکا شمار بھی مشکل ہے۔ لیکن خاص سیرت (لائف) کے فن کو چنداں ترقی نہین ہوئی۔ علما۔ شعرا۔ قضاۃ۔ حکما۔ مین سے بہت کم ایسے خوش قسمت ہین جنکے حالات مستقل تصنیفون مین لکھے گئے۔ جہانتک ہمکو معلوم ہے صرف امام ابو حنیفہ ایک شخص ہیں جنکے واقعات زندگی کے ساتھ معمول سے زیادہ اعتنا کیا گیا۔ نہایت کثرت سے آنکی سوانح عمریان لکھی گئین اور اون ناموروں نے لکھین جو خود اس قابل تھے کہ اُنکی مستقل سوانح عمریان لکھی جائین۔ اس خصوصیت مین اگر کوئی شخص امام ابو حنیفہ کا ہمسر ہے تو صرف امام شافعی ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے حالات مین جسقدر کتابین لکھی گئین اُنمین سے جسقدر ہم تحقیق کر سکے حسب ذیل ہین

نام کتاب[1]	نام مصنف	کیفیت
عقود المرجان	امام احمد بن محمد طحاوی المتوفی سنہ ۳۲۱ھ	امام طحاوی حدیث و فقہ کے مشہور امام اور صرف ایک واسطہ سے امام شافعی کے شاگرد ہیں ان کی تصنیفات میں سے معانی الآثار چھپ گئی ہے۔
قلائد عقود الدرر والعقیان المرقصۃ العالیۃ لابی حنیفہ	امام احمد بن محمد طحاوی	یہ عقود المرجان کا خلاصہ ہے۔
مناقب النعمان	،، امام محمد بن احمد بن شعیب المتوفی سنہ ۳۵۷ھ	امام محمد بن احمد حدیث میں حاکم کے استاد ہیں یہ کتاب تین جزون میں ہے۔ (الجواہر المضیئۃ ترجمہ محمد بن احمد)
مناقب النعمان	شیخ ابو عبد اللہ الصیمری حسین بن علی	قاضی صیمری بڑے فقیہ اور فن حدیث میں دارقطنی کے شاگرد تھے مورخ خطیب نے ان سے روایت کی ہے۔ قاضی ابو الولید باجی نے انکو امام الحنفیۃ کہا ہے ۴۳۶ھ میں وفات پائی۔ یہ تصنیف ایک ضخیم کتاب ہے اور امام ابو حنیفہ کی متعلق تصنیفات کا زیادہ تر ماخذ یہی کتاب ہے (الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیہ)

[1] یہ فہرست زیادہ تر کشف الظنون سے ماخوذ ہے بعض کتابوں کے نام یا مصنفین اور ان کے زمانہ حالات اور کتابوں سے لئے گئے ہیں اور وہاں خاص تصریح کر دی گئی ہے

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
مناقب النعمان	ابو العباس احمد بن الصلت الحمانی المتوفی سنہ ۳۰۸	نہایت مفصل کتاب ہے صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ خطیب بغدادی نے ابو العباس کی تضعیف کی ہے۔ جیسا کہ حنفیون کی نسبت انکی عام عادت ہے۔
شقائق النعمان فی مناقب النعمان	علامہ جار اللہ زمخشری المتوفی سنہ ۵۳۸	زمخشری ایک نامور مصنف ہیں۔ تفسیر کشاف انکی مشہور کتاب ہے۔
مناقب النعمان	موفق الدین بن احمد المکی الخوارزمی المتوفی سنہ ۵۶۸	یہ کتاب چالیس بابون مین ہے۔ موفق الدین علامہ زمخشری کے شاگرد ہین۔ فقہ و ادب مین کامل تھے۔ حافظ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ مین انکا ذکر کیا ہے۔
کشف الآثار	امام عبداللہ بن محمد الحارثی	مشہور محدث ہین۔ ابن جوزی نے ابو سعید سے روایت کی ہے کہ حدیثین اون کا اعتبار نہیں۔ مگر صاحب جواہر المضیۃ فرماتے ہین کہ امام عبداللہ کا رتبہ ابن جوزی و ابو سعید دونون سے بڑھکر ہے۔
مناقب النعمان	امام ظہیر الدین المرغینانی المتوفی سنہ ۵۰۶	مشہور فقیہ ہین۔ جواہر المضیۃ کے مصنف نے لکھا ہے کہ قاضی خان انہین کے شاگرد تھے
مناقب النعمان	امام محمد بن محمد الکردری	گیارہ بابون مین ہے ایک مین امام کے حالات

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
	المتوفی سنہ ۹۲۸ھ	کے ساتھ آنکے مشہور تلامذہ یعنی قاضی ابو یوسف امام محمد عبداللہ بن المبارک۔ امام زفر داؤد الطائی۔ وکیع بن الجراح۔ حفص بن غیاث۔ یحییٰ بن زکریا۔ حسن بن زیاد کے حالات بھی جدا جدا بابون مین لکھتے ہین۔ یہ کتاب روم مین بہت متداول ہے سلطان مراد ثانی کے حکم سے محمد بن عمر نے ترکی زبان مین اس کا ترجمہ کیا۔
مناقب النعمان	ابوالقاسم بن کاس	عقود الجمان مین اس کتاب کے اکثر حوالے ہین۔
کتاب الانتہار فی مناقب الثلاثۃ الفقہاء	قاضی بن عبدالبر المتوفی سنہ ۴۶۳ھ	امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی کے حالات ہین۔ علامہ ابن خلکان نے قاضی ابو یوسف کے ترجمہ مین اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ قاضی بن عبدالبر بہت بڑے محدث اور امام ہین۔ آنکی کتاب الاستیعاب صحابہ کے حالات مین ایک مشہور اور مستند کتاب ہے۔

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
مناقب النعمان	ابوالقاسم عبداللہ بن محمد احمد المعروف بابن ابی العوام	
مناقب ابی حنیفہ	علامہ ذہبی	علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین لکھا ہے کہ مین نے امام ابوحنیفہ کے مناقب ایک جداگانہ رسالہ مین لکھے ہین۔ علامہ ذہبی بہت بڑے محدث تھے اس فن مین اُنکے بعد کوئی اس رتبہ کا نہین ہوا میزان الاعتدال و کاشف و عبر و دول الاسلام و تذکرۃ الحفاظ اُنکی مشہور کتابین ہین۔
المواہب الشریفہ		اُس کا ترجمہ ہوگیا ہے جس کا نام تحفۃ السلطان فی مناقب النعمان ہے۔
البستان فی مناقب النعمان	شیخ محی الدین عبدالقادر القرشی المتوفی ۷۷۵ھ	الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ انہین کی تالیف ہے۔ حدیث مین حافظ تقی الدین سبکی کے شاگرد ہین۔
تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ	حافظ جلال الدین سیوطی	مشہور مصنف ہین۔
عقود الجمان فی مناقب النعمان	محمد بن یوسف ابن علی الدمشقی	زیادہ تفصیل آگے آئیگی۔

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
الخیرات الحسان فی مناقب النعمان	حافظ ابن حجر مکی مصنف صواعق محرقہ	مشہور مصنف ہیں
قلائد عقود العقیان		مؤلف کا نام معلوم نہیں۔ دیباچہ سے معلوم ہوا کہ یمن کا کوئی عالم ہے۔
مناقب النعمان	شمس الدین احمد بن محمد السنوآی	ترکی میں ہے اور نظم ہے
مناقب الامام الاعظم	شیخ ابو سعید	فارسی زبان میں ہے
رسالہ فی فضل ابی حنیفہ	عتیق بن داؤد الیمانی	
نظم الجمان	شیخ صارم الدین ابراہیم بن محمد بن دقماق المتوفی [illegible]	تین جلدوں میں ہے۔ امام ابو حنیفہ و قاضی ابو یوسف و امام محمد۔ ہر ایک کے حال میں الگ الگ جلد ہے۔
مناقب الامام اعظم	مولانا محمد کامی آفندی قاضی بغداد المتوفی ۱۱۳۶ھ	ترکی میں ہے۔
مناقب الامام اعظم	مستقیم زادہ سلیمان سعد الدین آفندی	ضخیم کتاب ہے ۱۱۶۸ھ میں تالیف ہوئی ترکی زبان میں ہے

افسوس ہے کہ یہ کتابیں ہمارے ملک میں ناپید ہیں۔ میرے پاس عقود الجمان والخیرات الحسان موجود ہیں۔ اور قلائد العقیان کا ایک عتیق نسخہ نظر سے گزرا ہے۔ الخیرات الحسان اگرچہ اس وجہ سے کہ ابن حجر مکی کی طرف منسوب ہے زیادہ مشہور ہے۔ لیکن وہ خود کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ تمامتر عقود الجمان کا خلاصہ ہے اور خود مصنف نے دیباچہ کتاب میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ قلائد العقیان کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ تر قاضی ضیمری کی تصنیف سے ماخوذ ہے۔ عقود الجمان جو نہایت جامع اور مفصل کتاب ہے اور میری تالیف کا عام ماخذ وہی ہے۔ حافظ ابوالمحاسن محمد بن یوسف بن علی الدمشقی الصالحی نزیل برقوقیہ کی تصنیف ہے۔ حافظ ابوالمحاسن۔ جلال الدین سیوطی کے شاگرد اور فن حدیث میں ممتاز ہیں۔ یہ کتاب جیسا کہ خود مصنف نے خاتمہ میں تصریح کی ہے ربیع الثانی ۹۳۹ھ میں تمام ہوئی۔ دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ کے حالات میں بہت سی کتابیں دیکھی ہیں جنہیں سے موفق بن احمد خوارزمی کی تصنیف سب سے عمدہ تر اور جامع ہے۔ کتاب کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ "میں نے اس بحث میں جس قدر کتابیں دیکھیں اگر ان سے لکھنا چاہتا تو یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں تیار ہوتی۔"

امام ابوحنیفہ کے حالات میں مستقل تصنیف تو مجھکو ایک ہی مل سکی۔ لیکن رجال و تاریخ کی مستند کتابیں جنمیں امام کا ذکر ہے اکثر میری نظر سے گزریں جنمیں تاریخ صغیر بخاری۔ معارف ابن قتیبہ۔ مختصر تاریخ خطیب بغدادی۔ انساب سمعانی۔ تہذیب الاسماء واللغات للنووی۔ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی۔ دول الاسلام للذہبی۔ عبر فی اخبار من غبر للذہبی۔ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال للعلامہ صفی الدین الخزرجی خاصۃً قابل ذکر ہیں کیونکہ یہ وہ کتابیں ہیں جن پر آج فن رجال کا مدار ہے۔ اور محدثوں کی تنقید کے لئے

زیادہ تر انہیں تصنیفات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

میری کتاب کا پہلا حصہ جسمین امام ابو حنیفہ کے عام حالات ہیں انہین تصنیفات سے ماخوذ ہے۔لیکن دوسرا حصہ جسمین امام صاحب کی طرز اجتہاد و اصول استنباط سے بحث ہے اسکے لیئے یہ تمام دفتر بیکار تھا۔کیونکہ قدیم زمانہ مین سوانح عمریون کا یہ ڈہنگ ہی نہ تھا کہ حالات زندگی کے ساتھ اُس شخص کی تصنیفات یا مسائل سے بھی بحث کرتے۔مناظرہ اور مذہبی حمایت کے پیرایہ مین البتہ ایسی کتابین لکھی گئی ہین کہ اُن سے مسائل اور تصنیفات پر تفصیلی ریویو لکھا جا سکتا ہے۔مثلاً ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے مسائل پر جو اعتراضات کئے اور ثابت کیا کہ وہ حدیث کے مخالف ہین۔قاسم بن قطلوبغا المتوفی ۸۷۹ھ نے اُس کا مفصل جواب لکھا۔شمس الائمہ کردری نے منخول کے جواب مین ایک مستقل کتاب لکھی۔اسی طرح ترجیح مذہب ابی حنیفہ کے نام سے شیخ اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی المتوفی ۷۸۶ھ اور شیخ ابو عبداللہ محمد بن یحییٰ الجرجانی المتوفی ۳۹۷ھ نے مستقل کتابین لکھین۔مورخ سبط ابن جوزی نے ایک ضخیم کتاب دو جلدون مین لکھی جس کا نام الانتصار لامام ائمۃ الامصار ہے۔اسی مورخ کی ایک اور تصنیف ہے جو تیس بابون مین ہے اُس مین تفصیلاً امام ابو حنیفہ کے مسائل کی عمدگی ثابت کی ہے۔صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ "یہ کتاب اپنے باب مین بے نظیر ہے" اسی مضمون پر عمر بن محمد سید الموصلی کی ایک تصنیف ہے جس کا نام الانتصار و الترجیح ہے سب سے مفصل کتاب۔الابانۃ ہے جو قاضی ابو جعفر احمد بن عبداللہ بن القاسم کی تصنیف ہے اور چھ بابون پر منقسم ہے۔پہلے باب مین ثابت کیا ہے کہ امام کا مذہب اصول سلطنت سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔دوسرا باب اس بحث مین ہے کہ اُنکے مسائل حدیث و آثار سے ثابت ہین چھٹے باب مین اُن مسائل کا ذکر ہے جن پر مخالفون نے اعتراض کیئے ہین۔کیسے نہایت

تفصیل کے ساتھ اُنکے جواب دیے ہین - جواہر مضیئہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ مین نے یہ کتاب دیکھی ہے نہایت عمدہ کتاب ہے اور جو دعوے کیا ہے اُس کے ثبوت مین بہت سی مثالین دی ہین "

بے شبہ اس قسم کی تصنیفات سے بہت بڑی مدد ملسکتی تھی لیکن مین مصنف کشف الظنون کی سی قسمت کہان سے لاتا کہان نایاب تصنیفات پر دسترس پا سکتا - بڑی تلاش سے شمس الائمہ کردری کا رسالہ ہم پہنچا کہ اس ناداری مین وہ بھی غنیمت ہے - بعض بعض باتین اس رسالہ سے لین باقی میرا تتبع اور تحقیق ہے - جسکے لئے خوش قسمتی سے حدیث و فقہ کا بڑا ذخیرہ میرے پاس مہیا تھا -

یہ بات بھی لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ امام ابوحنیفہ کی زندگی کی مختلف حیثیتین ہین ولادت نشو و نما - طریقۂ معاش - طرز معاشرت وغیرہ - اس قسم کے حالات تاریخی پہلو رکھتے ہین - روایت ہین اُن کا ثقہ ہونا نہ ہونا محدثانہ بحث ہے - اُن کے مسائل و طریقہ اجتہاد پر رائے قائم کرنی مجتہد کا کام ہے - اس لئے جو کتاب ان تمام حیثیتون پر شامل ہوگی ضرور ہے کہ مختلف بحثون مین خود اُس کی حیثیتین بھی بدلتی جائین - اُس کا طرز تحریر کہین مورخانہ ہوگا - کہین محدثانہ اور کہین دونون پہلوؤن سے الگ مجتہدانہ روش ہوگی - اس کتاب مین مین نے ان مختلف حیثیتون کا لحاظ رکھا ہے - جو حالات تاریخ سے متعلق ہین اُن مین وہ شہادتین کافی سمجھی ہین جو عام مورخون کے نزدیک مسلم ہین - جو حصہ محدثانہ پہلو رکھتا ہے اُس مین زیادہ تر تدقیق کی ہے اور تمام تر اُن اصول سے کام لیا ہے جو محدثین نے اخبار و روایت کے لئے قرار دیے ہین عام ناظرین کو شاید اُن بحثون مین مزا نہ آئے مگر ایسے ضروری حصہ کو مین کیونکر چھوڑ سکتا تھا عام تاریخی واقعات مین گو رواۃ حدیث کی طرح بال کی کھال نہین نکالی ہے تاہم کوئی ایسا

واقعہ نہین لکھا جس کی سند موجود نہ ہو۔ ساتھ ہی اس کا التزام کیا ہے کہ ایسی کتاب کا حوالہ نہ دیا جائے جو خود میری نظر سے نہ گزری ہو کیونکہ نقل در نقل ہوکر اکثر روایتین اپنی حالت پر قائم نہین رہتین۔ ان احتیاطون کے ساتھ بھی ممکن بلکہ ضرور ہے کہ مجھسے مسامحات اور غلطیان ہوئی ہون۔ لیکن مین اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا۔ وقال اللہ تعالےٰ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا۔

امام ابوحنیفہ کا نام و نسب و ولادت

نعمان۔ نام۔ ابوحنیفہ کنیت۔ امام اعظم لقب۔ شجرہ نسب یہ ہے نعمان بن ثابت بن زوطی ابن ماہ۔ یہ امر جیساکہ خود ناموں کی ترکیب سے ظاہر ہے عموماً مسلم ہے کہ امام صاحب عجمی النسل تھے۔ البتہ اس مین اختلاف ہے کہ کس نسل سے تھے اور عرب مین کیونکر آئے خطیب مورخ بغدادی نے امام کے پوتے اسمعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ "مین اسمعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہون۔ ہم لوگ نسل فارس سے ہین اور کبھی کسی کی غلامی مین نہین آئے۔ ہمارے دادا ابوحنیفہ ۸۰ھ مین پیدا ہوئے۔ ثابت بچپن مین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت مین حاضر ہوئے تھے انھون نے انکے اور انکے خاندان کے حق مین دعائے خیر کی تھی۔ ہمکو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہین رہی"۔ اسمعیل نے امام صاحب کے دادا کا نام نعمان بتایا اور پردادا کا نام مرزبان حالانکہ عام طرح پر زوطی اور ماہ مشہور ہے۔ غالباً جب زوطی ایمان لائے۔ تو ان کا نام نعمان سے بدل دیا گیا۔ اسمعیل نے سلسلۂ نسب کے بیان مین زوطی کا وہی اسلامی نام لیا اور حمیت اسلام کا مقتضا بھی یہی تھا۔ زوطی کے باپ کا اصلی نام غالباً کچھہ اور ہوگا اور ماہ اور مرزبان لقب ہون گے۔ کیونکہ اسمعیل کی روایت سے اسقدر اور بھی ثابت ہے

سلہ تاریخ بغداد لابن خزلہ۔ ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲

کران کا خاندان فارس کا ایک معزز اور مشہور خاندان تھا۔ فارس مین رئیس شہر کو مرزبان کہتے اسی لئے نہایت قرین قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہین امام۔ حافظ ابوالمحاسن نے قیاس لگایا ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہونگے "انھون نے قیاس کہا کیونکہ وہ فارسی زبان نہین جانتے تھے۔ لیکن مین یقیناً کہتا ہون کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان کے ایک معنی ہین ماہ دراصل وہی مہ ہے جسکے معنے بزرگ اور سردار کے ہین۔ مشہور مصرع ہے ؎
نہ کرا منزلت ماند نہ مہ را۔ عربی لہجہ نے مہ کو ماہ کر دیا ہے۔

بعض مورخون نے زوطی کی نسبت لکھا ہے کہ کابل سے گرفتار ہوکر آئے اور قبیلہ بنی تیم اللہ کی ایک عورت نے خریدا۔ کچھ دنون غلامی مین رہے پھر اسنے آزاد کر دیا اسی لئے امام کا خاندان مولیٰ بنی تیم اللہ کہلاتا ہے" مخالفون نے جنکو امام کی تنقیص مین مزا آتا ہے اس روایت کو زیادہ چمکایا ہے حالانکہ اس قسم کی غلامی ثابت بھی ہو تو کسر شان کی کیا بات ہے۔ زمانہ نے خاندان کسریٰ پر اس لقب کا داغ لگایا ہے۔ ہمارے علما حضرت ہاجرہ کو کنیز تسلیم کرتے ہین (گو توریت سے ثابت نہیں) اسلام کے قریب تر زمانہ مین اکثر وہ لوگ حدیث و روایت کے امام نظر آتے ہین جن پر اس قسم کی غلامی کا اطلاق ہو چکا تھا۔ امام حسن بصری ابن سیرین۔ طاؤس۔ عطا بن یسار۔ نافع۔ عکرمہ مکحول۔ جو اپنے زمانہ کے مقتدائے عام تھے خود۔ یا انکے باپ دادا غلام رہ چکے تھے۔

زوطی کا غلام ہونا بھی ثابت ہو تو کچھ عار نہین لیکن تاریخی شہادتین اسکے خلاف ہین امام کے نسب مین اور بھی اختلافات ہین ابو مطیع نے انکو نسل عرب شمار کیا ہے اور سلسلہ نسب یون بتایا ہے۔ نعمان بن ثابت بن زوطی بن یحییٰ بن زید بن اسد بن راشد الانصاری۔ حافظ ابو اسحق نے شجرہ نسب کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے نعمان بن ثابت بن کاؤس بن ہرمز

بن بہرام زوطی کے مقام سکونت میں بھی اختلاف ہے اور یہ اختلافات ضرور ہونے چاہئیں تھے۔ زوطی اول اول جب عرب میں آئے ہوں گے تو برسوں تک اُن کی حالت بیگانگی کی حالت رہی ہوگی۔ لوگوں کو اُن کے حالات کے ساتھ چنداں اعتنا نہ ہوگا اور ہوگا تو زبان کی اجنبیت کی وجہ سے صحیح حالات نہ معلوم ہو سکے ہوں گے۔ معاشرت کی ضرورتوں نے زوطی کو مجبور کیا ہوگا کہ وہاں کے رہنے والوں سے دوستانہ تعلق پیدا کریں۔ یہ طریقہ عرب میں عام طور پر جاری تھا اور اس قسم کے تعلق کو ولا کہتے تھے جس کا مشتق موالے ہے۔ موالے غلام کو بھی کہتے ہیں۔ اس طرح لفظی مشارکت سے بعضوں نے زوطی کو غلام سمجھ لیا اور رفتہ رفتہ یہ خیال روایت کی شکل پکڑ کر کسی قدر عام ہوگیا جس کی وجہ سے اسمٰعیل کو دفع دخل کرنا پڑا "واللہ ہمارا خاندان کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آیا"۔ اسمٰعیل نہایت ثقہ اور معزز شخص تھے اس وجہ سے دقیقہ سنج مورخوں نے اس بحث میں اُن ہی کی روایت پر اعتماد کیا ہے کہ صاحب البیت ادریٰ بما فیہا۔ قاضی صیمری نے جو بڑے پایہ کے مصنف ہیں صاف تصریح کی ہے کہ زوطی بنی تیم اللہ کے حلیف یعنی ہم قسم تھے[1]۔ اس روایت کا جسمیں زوطی کی غلامی کا ذکر ہے ایک حصہ یہ بھی غلط ہے کہ وہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے۔ زوطی کے باپ دادا کے نام فارسی زبان کے ہیں خود امام ابوحنیفہ کی نسبت ثابت ہے کہ وہ خاندانی حیثیت سے فارسی زبان جانتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ کابل کی زبان فارسی نہ تھی۔

زوطی کی نسبت ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ خاص کس شہر کے رہنے والے تھے۔ مورخوں نے مختلف شہروں کے نام لیے ہیں جنمیں سے کسی کی نسبت ترجیح کا دعوے نہیں کیا جا سکتا

[1] دیکھو قلائد عقود العقیان باب اول۔ علامہ نووی نے تہذیب الاسماء واللغات کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ موالے کا لفظ زیادہ تر حلیف ہی کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے ۱۲

یقینی طور پر جو ثابت ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ اقلیم فارس اور فارسی نسل سے تھے یہ ممالک اس زمانہ میں اسلامی اثر سے معمور تھے اور اکثر بڑے بڑے خاندان اسلام قبول کرتے جاتے تھے۔ غالباً زوطی بھی زمانہ میں اسلام لائے۔ اور جوش شوق۔ یا خاندان والوں کی ناراضی سے جس کا باعث تبدیل مذہب تھا۔ عرب کا رخ کیا۔ یہ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اور شہر کوفہ دار الخلافہ ہونے کا شرف رکھتا تھا۔ اس تعلق سے زوطی نے کوفہ کو پسند کیا اور وہیں سکونت اختیار کی۔ کبھی کبھی جناب امیر کے دربار میں حاضر ہوتے اور خلوص عقیدت کے آداب بجالاتے۔ ایک بار نوروز کے دن کہ پارسیوں کی عید کا دن ہے فالودہ کے طور پر بھیجا حضرت نے ارشاد فرمایا کہ نوروزنا کل یوم، یعنے ہمارے ہاں ہر روز نوروز ہے، ثابت امام ابوحنیفہ کے پدر بزرگوار کوفہ ہی میں پیدا ہوے۔ زوطی نے نیک فال لڑکے کو حضرت علی کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ نے بزرگانہ شفقت فرمائی اور انکے اور انکی اولاد کے حق میں دعائے خیر کی۔

ثابت کے حالات زندگی بالکل نامعلوم ہیں۔ قراین سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ تجارت کے ذریعہ سے زندگی بسر کرتے تھے۔ چالیس برس کی عمر ہوئی تو خدا نے فرزند عطا کیا جس کا نام والدین نے نعمان رکھا لیکن زمانہ نے آگے چلکر امام اعظم کے لقب سے پکارا۔

اسوقت عبدالملک بن مروان جو دولت مروانیہ کا دوسرا تاجدار شمار کیا جاتا ہے مسند آرائے خلافت تھا۔ یہ وہ مبارک عہد تھا کہ رسول اللہ کے جمال مبارک سے جن لوگوں کی آنکھیں روشن ہوئی تھیں انمیں سے چند بزرگ موجود تھے جنمیں سے بعض امام ابوحنیفہ کے آغاز شباب تک زندہ رہے۔ انس بن مالک نے جو رسول اللہ کے خادم خاص تھے ۹۳ھ میں وفات پائی۔ سہل بن سعد نے ۹۱ھ میں انتقال کیا اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ تو سو ہجری تک زندہ

امام ابوحنیفہ نے صحابہ سے کیون روایت نہیں کی

رہے ہے۔ لیکن یہ ثابت نہین ہوتا کہ امام ابوحنیفہ نے کسی سے بھی کوئی حدیث روایت کی۔ اسپر لوگون کو نہایت تعجب ہے اور مورخون نے اسکے مختلف اسباب خیال کئے ہیں۔ بعضون کی رائے ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اُسوقت تک کسی قسم کی تعلیم نہین حاصل کی تھی۔ اُنکے باپ دادا تجارت کرتے تھے۔ اسی لیئے اُنکا نشو ونما بھی ایک عام تاجر کی حیثیت سے ہوئی۔ بڑے ہونے پر امام شعبی کی ہدایت سے علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اُسوقت موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا یعنے صحابہ مین سے کوئی باقی نہین رہا تھا۔

لیکن میرے نزدیک اسکی ایک اور وجہ ہے۔ محدثین مین باہم اختلاف ہے کہ حدیث سیکھنے کے لئے کم از کم کیا عمر مشروط ہے۔ اس امر مین ارباب کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کرتے تھے یعنی بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درس گاہ مین شامل نہین ہوسکتا تھا[1]۔ اُنکے نزدیک چونکہ حدیثین بالمعنی روایت کی گئی ہین اسی لئے ضرور ہے کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو ورنہ مطالب کے سمجھنے اور اُسکے اداکرنے مین غلطی کا احتمال ہے۔ غالباً یہی قید تھی جسنے امام ابوحنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا اور سچ پوچھو تو یہ قید مصلحت سے خالی بھی نہین جن لوگون نے دس بارہ برس کے سن مین صحابہ سے حدیثین سنین اُنکی روایتین اس لحاظ سے تو نہایت قابل اعتماد ہین کہ رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہے۔ لیکن اسبات کا قوی احتمال موجود ہے کہ کم سنی کی وجہ سے مضمون حدیث کی تمام خصوصیتین خیال مین نہ آئی ہون جسکی وجہ سے ادائے مطالب مین عظیم الشان غلطیان پیدا ہوجاتی ہین۔

بہرنوع وجہ کچھ ہو واقعہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہین سنی تاہم یہ شرف اُنکی قسمت مین تھا کہ جن آنکھون نے پیغمبر کا جمال دیکھا تھا اُنکے دیدار سے عقیدت کی آنکھین

[1] مقدمہ ابن الصلاح۔ مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۵۸-۱۲

روشن کین۔ یہ واقعہ ایک تاریخی واقعہ ہے لیکن چونکہ اس سے تابعیت کا رتبہ حاصل ہوتا ہے اسلئے یہ مسئلہ مذہبی پیرایہ مین آگیا ہے اور اسپر بڑی بڑی بحثین قائم ہوگئی ہین بے شبہ امام ابو حنیفہ کو اس شرف پر ناز تھا اور بجا تھا کہ انھون نے حضرت انس صحابی کو اپنی آنکھون سے دیکھا غیر قومین ان باتون کو معمولی امر خیال کرین گی۔ لیکن ان واقعات سے اس محبت اور جوش عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے جو مسلمانون کو رسول اللہ۔ اور ان کے تعلق کی وجہ سے صحابہ کے ساتھ تھا۔ سچ ہے شعر

تابعیت کی بحث

فی الجملہ نسبتی بتو کافی بود مرا	بلبل ہمین کہ قافیہ گل شود بس ست

ہمارے زمانہ کے بعض مصنفون نے امام کی تابعیت سے انکار کیا ہی اور یہ کوئی نئی بات نہین پہلے بھی لوگون کو شبہہ ہوا تھا لیکن محدثین نے جنکو اس قسم کی بحثون کے طے کرنے کا سب سے زیادہ حق حاصل ہے۔ امام کے موافق فیصلہ کیا حافظ ابن حجر عسقلانی سے کہ فن حدیث کے ایک عنصر ہین فتوی لیا گیا تھا انھون نے یہ جواب لکھا وہ امام ابو حنیفہ کے زمانہ مین کئی صحابی موجود تھے اس لیئے کہ امام ۸۰ھ مین بمقام کوفہ پیدا ہوئے اور اسوقت وہان صحابہ مین سے عبد اللہ بن ابی اوفی موجود تھے کیونکہ وہ ۸۷ھ مین یا اسکے بعد مرے اور ابن سعد نے روایت کی ہے جس کی سند مین کچھ نقصان نہین۔ کہ امام ابو حنیفہ نے انس بن مالک کو دیکھا تھا ان دو صحابہ کے سوا اور صحابہ بھی مختلف شہرون مین موجود تھے۔ بعض لوگون نے ان حدیثون کو جمع کیا ہے جو امام نے صحابہ سے روایت کین۔ لیکن ان حدیثون کی سندین ضعف سے خالی نہین۔ اور صحیح یہی ہے کہ امام ان کے ہمزمان تھے۔ اور بعض صحابہ کو دیکھا تھا جیسا کہ ابن سعد نے روایت کی ہے۔ پس اس لحاظ سے امام ابو حنیفہ تابعین کے طبقہ مین ہین اور یہ امر۔ اور امامون کی نسبت جو ان کے ہمعصر تھے مثلاً اوزاعی۔ شام مین۔ حماد بن

حافظ ابن حجر کا فتوی

بصرہ میں۔ثوری۔کوفہ میں۔مالک۔مدینہ شریفہ میں۔لیث۔مصر میں۔ثابت نہیں ہوا واللہ اعلم،،

ابن سعد کی جس روایت کا حافظ بن حجر نے حوالہ دیا ہے وہ صرف ایک واسطہ یعنی سیف بن جابر کے ذریعہ سے امام ابو حنیفہ تک پہنچتی ہے۔یعنی ابن سعد نے۔سیف بن جابر سے سنا اور سیف نے خود امام ابو حنیفہؒ سے۔ابن سعد وہ شخص ہیں جنکی نسبت علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ "اگرچہ اُن کا شیخ واقدی ثقہ نہیں مگر وہ خود نہایت ثقہ ہیں سیف بن جابر۔بصرہ کے قاضی اور صحیح الروایت تھے اس لحاظ سے یہ روایت اس قدر صحیح اور مستند ہے کہ قوی سے قوی حدیث بھی اس سے زیادہ صحیح نہیں ہو سکتی۔اسی بنا پر تمام بڑے بڑے محدثین مثلاً خطیب بغدادی۔علامہ سمعانی مصنف کتاب الانساب۔علامہ نووی شارح صحیح مسلم۔علامہ ذہبی حافظ حجر عسقلانی۔زین الدین عراقی۔سخاوی۔ابو المحاسن دمشقی نے جن پر باب حدیث و روایت کا مدار ہے قطعاً فیصلہ کر دیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا تھا[2]۔

ابن خلکان نے بھی خطیب بغدادی کا یہ قول نقل کیا ہے لیکن چونکہ مورخ مذکور نے لکھا ہے کہ "امام ابو حنیفہ کو کسی صحابی سے ملاقات اور روایت حاصل نہیں ہوئی" لوگوں کو دھوکا ہوا کہ ابن خلکان تابعیت کے منکر ہیں۔حالانکہ ابن خلکان کو ملاقات اور روایت سے انکار ہے نہ رؤیت سے۔لیکن اگر ابن خلکان کی عبارت کا وہی مطلب ہو جو بعض ظاہر بینوں نے قرار دیا ہے تاہم کون کہہ سکتا ہے کہ ایسے بڑے بڑے محدثین کے مقابلہ میں ان کی شہادت

---

[1] اس فتوی کو حافظ ابو المحاسن نے عقود الجمان میں بعبارتہا نقل کیا ہے۔اور میں نے اسی کا لفظی ترجمہ کیا ہے [2] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی میں بہ تصریح موجود ہے [3] مختصر تاریخ خطیب بغدادی۔و کتاب الانساب۔و تہذیب الاسماء واللغات و تذکرۃ الحفاظ و عبر فی اخبار من غبر للذہبی و تہذیب التہذیب میں امام ابو حنیفہ کا ترجمہ دیکھو۔

کچھ بھی اعتبار کے قابل ہوگی۔ اصول روایت مین یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ اگر کسی واقعہ کے اثبات ونفی میں برابر درجہ کی شہادتین موجود ہون تو اثبات کا اعتبار ہوگا۔ یہان نفی کی شہادت ثبوت کے مقابلہ مین بالکل کم رتبہ ہے۔

بعض حنفیون نے رویت سے بڑھ کر روایت کا بھی دعوے کیا ہے اور تعجب ہے کہ علامہ عینی شارح ہدایہ بھی اس غلطی کے حامی ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ دعوے ہرگز پایۂ ثبوت کو نہین پہنچتا۔ حافظ ابوالمحاسن نے عقود الجمان مین ان تمام حدیثون کو مع سند نقل کیا ہے جن کی نسبت یہ خیال ہے کہ امام نے صحابہ سے سنین تھین۔ پھر اصول حدیث سے اُن کی جانچ کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ ہرگز ثابت نہین۔ محدثانہ بحثین تو وقت طلب ہیں صاف بات یہ ہے کہ امام نے صحابہ سے ایک بھی روایت کی ہوتی تو سب سے پہلے امام کے تلامذۂ خاص اُسکو شہرت دیتے۔ لیکن قاضی ابویوسف امام محمد۔ حافظ عبدالرزاق بن ہمام۔ عبداللہ بن المبارک۔ ابونعیم فضل بن دکین۔ مکی۔ بن ابراہیم۔ ابو عاصم النبیل وغیرہ سے کہ امام کے مشہور اور باخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھیے تو زیادہ ترانہین لوگوں نے اُنکے نام آوری کے سکے بٹھائے ہین۔ ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہین۔

صحابہ سے روایت نہین کی

امام کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے۔ حقیقی کنیت نہین ہے۔ امام کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہ تھا۔ یہ کنیت وصفی معنی کے اعتبار سے ہے۔ یعنی ابوالملۃ الحنیفہ قرآن مین خدا نے مسلمانون سے خطاب کرکے کہا ہے واتبعوا ملۃ ابراہیم حنیفا امام ابو حنیفہ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابو حنیفہ اختیار کی۔

سن رشد۔ تعلیم وتربیت شیوخ واساتذہ

امام کے بچپن کا زمانہ نہایت پرآشوب زمانہ تھا۔ حجاج بن یوسف۔ خلیفہ عبدالملک کی طرف

سے عراق کا گورنر تھا اور ہر طرف ایک قیامت برپا تھی۔ چونکہ مذہبی گروہ کی مخالفت کی وجہ سے عرب و عراق میں ابتک مروانی حکومت کے پانون نہین جمے تھے۔ حجاج کی سفاکیان زیادہ تر انہین لوگون پر مبذول تھین جو ائمہ مذہب۔ اور علم و فضل کی حیثیت سے مقتدائے عام تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے نہایت سچ کہا کہ "اگر اور پیغمبرون کی امتین سب ملکر اپنے اپنے زمانہ کے بدکارون کو پیش کرین اور ہم صرف حجاج کو مقابلہ مین لائین تو واللہ ہمارا پلہ بھاری رہے گا"۔ عبد الملک نے ۸۶ھ مین وفات کی اور اس کا بیٹا ولید تخت نشین ہوا۔ ولید کے زمانہ مین اگرچہ فتوحات نے نہایت ترقی کی۔ اسپین و سندھ دو بڑی مملکتین اسلام کے قبضہ مین آگئین۔ خوارزم و سمرقند سے گزر کر کابل و فرغانہ پر علم اسلام نصب ہوا مغرب کی طرف جزایر منورقہ و میورقہ فتح ہوئے۔ لیکن اسلام کی روحانی برکتون کا نشان نہ تھا۔ ملکی عہدہ دارون مین سے جو لوگ جسقدر زیادہ معزز اور بااختیار تھے اسی قدر ظالم اور سفاک تھے۔ اسی زمانہ کی نسبت حضرت عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ "ولید شام مین۔ حجاج عراق مین۔ عثمان حجاز مین۔ قرۃ۔ مصر مین واللہ تمام دنیا ظلم سے بھر گئی"۔ اس عالمگیر آشوب مین بھی اگرچہ درس و تعلیم کا سلسلہ بند نہین ہوا تھا جا بجا حدیث و روایت کی درسگاہین موجود تھین اور فقہا و محدثین باوجود بے اطمینانی کے درس و تدریس مین مشغول تھے تاہم اسلام کی حوصلہ مندیون اور جوش کے لحاظ سے جس قدر تھا۔ نہایت کم تھا۔

ملک کی خوش قسمتی تھی کہ حجاج ۹۵ھ مین مرگیا۔ ولید نے بھی ۹۶ھ مین وفات پائی ولید کے بعد سلیمان بن عبد الملک نے مسند خلافت کو زینت دی جسکی نسبت مورخین کا بیان ہے کہ خلفائے بنو امیہ مین سب سے افضل تھا۔ سلیمان نے اسلامی دنیا پر سب سے بڑا یہ احسان کیا کہ عمر بن عبد العزیز کو مشیر سلطنت بنایا اور مرتے دم تحریری وصیت کی

"میرے بعد عمر بن عبد العزیز تخت نشین ہوں" سلیمان نے ۹۹ھ میں وفات پائی اور وصیت کے موافق عمر بن عبد العزیز مسند خلافت پر بیٹھے - انکی خلافت نے دفعۃً حکومت مروانی کا رنگ بدل دیا - اور تمام ملک میں عدل و انصاف - علم و عمل - خیر و برکت کی جان تازہ ڈالدی ایک مدت سے حضرت علی پر خطبوں میں جو لعن پڑھا جاتا تھا یکلخت موقوف کر دیا - شہزادگان بنو امیہ کے ہاتھوں سے جاگیریں چھین لیں - جہان جہان ظالم عمال تھے یک قلم معزول کر دیے سب سے بڑھکر یہ کہ علوم مذہبی کو وہ رونق دی کہ گھر گھر یہی چرچے پھیل گئے - امام زہری کو حکم دیا کہ حدیثوں کو یکجا کریں - یہ مجموعہ تیار ہوا تو ممالک اسلامیہ میں اُس کی نقلیں بھجوائیں -

غرض حجاج و ولید کے عہد تک تو امام ابو حنیفہ کو تحصیل علم کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت ہو سکتی تھی نہ کافی موقع مل سکتا تھا - تجارت باپ دادا کی میراث تھی - اسلئے خزبانی کا کارخانہ قائم کیا - اور حسن تدبیر سے اسکو بہت کچھ ترقی دی - لیکن سلیمان کی عہد خلافت میں جب درس و تدریس کے چرچے زیادہ عام ہوئے تو اُنکے دل میں بھی ایک تحریک پیدا ہوئی -

حسن اتفاق یہ کہ ان ہی دنوں میں ایک اتفاقی واقعہ پیش آیا جس سے اُن کے ارادہ کو اور بھی استحکام ہوا -

تحصیل علم کی تحریک

ایک دن بازار جا رہے تھے - امام شعبی - جو کوفہ کے مشہور امام تھے ان کا مکان راہ میں تھا سامنے سے نکلے تو اونھوں نے یہ سمجھکر کہ کوئی نوجوان طالب علم ہے - پاس بلا لیا اور پوچھا کہ "کہاں جا رہے ہو" اونھوں نے ایک سوداگر کا نام لیا - امام شعبی نے کہا "میرا مطلب یہ نہ تھا تم پڑھتے کس سے ہو؟" اونھوں نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ "کسی سے بھی نہیں" شعبی نے کہا کہ "مجھکو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں تم علما کی صحبت میں بیٹھا کرو"[1]

[1] عقود الجمان - باب سادس ۱۲

اس نصیحت نے انکے دل مین گھر کرلیا۔ اور نہایت اہتمام سے تحصیل علم پر متوجہ ہوئے اُسوقت تک علم جس چیز کا نام تھا۔ وہ ادب۔ انساب۔ ایام العرب۔ فقہ۔ حدیث۔ کلام تھا کلام۔ اگرچہ آج کل کا علم کلام نہ تھا۔ کیونکہ اس عہد تک مسائل اسلام پر فلسفہ کا پرتو نہین پڑا تھا تاہم ان علوم مین۔ دقت نظر۔ بلندی خیال۔ زور طبع۔ کے لئے اس سے وسیع میدان نہ تھا اسلام جب تک عرب کی آبادی مین محدود رہا اُسکے مسائل نہایت سادہ اور صاف رہے لیکن۔ فارس اور مصر و شام پہنچکر ان مین رنگ آمیزیان شروع ہوگئین۔ ان ملکون مین اگرچہ حکمت و فلسفہ کا وہ زور باقی نہ رہا تھا۔ تاہم فلسفہ کے بگڑے بگڑائے مسائل عام لوگون مین پھیلے ہوئے تھے اور طبیعتین عموماً باریک بینی اور احتمال آفرینی کی عادی تھین قرآن پاک مین خدا کی ذات و صفات۔ مبدا و معاد وغیرہ کے متعلق جو کچھ مذکور ہے عرب نے انکو اجمالی نگاہ سے دیکھا اور خلوص اعتقاد کے لیئے وہی کافی تھا۔ بخلاف اسکے فارس و شام مین نہایت دقیق بحثین پیدا ہوگئین جو وسعت تمدن اور ترقی خیالات کے لحاظ سے ضرور پیدا ہونی چاہئیں تھین۔ تنزیہ و تشبیہ۔ صفات کی عینیت و غیریت۔ حدوث و قدم غرض اس قسم کے بہت سے مضامین نکل آئے جنکو بحث و تدقیق کی وسعت نے مستقل فن بنادیا رفتہ رفتہ عام اعتقادی مسائل مین بھی موشگافیان شروع ہوگئین اور رایون کے اختلافات سے مختلف فرقے بنتے گئے جو قدری۔ مرجی۔ معتزلی۔ جہمی۔ خارجی۔ رافضی کہلائے یہ فتنہ یہان تک بڑھا کہ اہل حق جو ابتک ان بحثون سے الگ تھے انکو بھی مخالفت کی ضرورت سے اس طرف متوجہ ہونا پڑا۔ اس طرح علم کلام پیدا ہوگیا۔ جسکو تدوین و ترتیب کی وسعت نے اس رتبہ کو پہنچایا کہ بڑے بڑے ائمہ مذہب (مثلاً امام اشعری و ابو المنصور ماتریدی) کا مایہ ناز ٹھہرا۔

علم کلام زمانۂ مابعد مین اگرچہ مدوّن و مرتب ہوکر اکتسابی علوم مین داخل ہوگیا لیکن اُس وقت تک اِسکی تحصیل کے لیئے صرف قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھین - قدرت نے امام ابو حنیفہ مین یہ تمام باتین جمع کردی تھین - رگون مین ایرانی خون - اور طبیعت مین زور اور جدت تھی - مذہبی روایتین اور مسائل - کوفہ مین ایسے عام تھے کہ ایک معمولی شخص بھی تعلیم یافتہ لوگون مین اٹھہ بیٹھکر حاصل کرسکتا تھا - امام ابو حنیفہ نے اِس فن مین وہ کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے اساتذۂ فن - بحث کرنے مین ان سے جی چراتے تھے - تجارت کی ضرورت سے اکثر بصرہ - جانا ہوتا تھا - جو ان تمام فرقون کا دنگل اور خاصکر خارجیون کا مرکز تھا - اباضیہ صفریہ حشویہ - وغیرہ سے اکثر بحثین کین اور ہمیشہ غالب رہے - اگرچہ آخر ان جھگڑون کو چھوڑکر وہ علم فقہ پر مائل ہوئے اور تمام عمر اِس کی نذر کردی - لیکن اخیر تک یہ مذاق طبیعت سے نہ گیا خارجیون وغیرہ سے اُنکے مناظرے - علم کلام کی جان ہین - اُنکی علمی زندگی کے تذکرہ مین ہم بعض واقعات کی تفصیل بیان کرینگے -

علم کلام کی طرف متوجہ

شروع شروع مین تو امام صاحب اِس فن کے بہت دلدادہ رہے لیکن جس قدر عمر اور تجربہ بڑھتا جاتا تھا اُنکی طبیعت رکتی جاتی تھی - خود ان کا بیان ہے کہ "آغاز عمر مین مین اِس علم کو سب سے افضل جانتا تھا کیونکہ مجھکو یقین تھا کہ عقیدہ و مذہب کی بنیاد انہین باتون پر ہے لیکن پھر خیال آیا کہ صحابۂ کبار اِن بحثون سے ہمیشہ الگ رہے - حالانکہ ان باتون پر کی حقیقت اُن سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا - اُنکی توجہ جس قدر تھی فقہی مسائل پر تھی - اور یہی مسائل وہ دوسرون کو تعلیم دیتے تھے - ساتھ ہی خیال گذرا کہ جو لوگ علم کلام مین مصروف ہین اِن کا طرز عمل کیا ہے - اِس خیال سے اور بھی بیدلی پیدا ہوئی - کیونکہ اِن لوگون مین وہ اخلاقی پاکیزگی اور روحانی اوصاف نہ تھے جو اگلے بزرگون کا طغرائے امتیاز تھا"[1] اِسی زمانہ مین

[1] عقود الجمان باب سادس ۱۲

ایک دن ایک عورت نے آکر یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے طریقے پر طلاق دینی چاہتا ہے۔ کیونکر دے۔ خود تو بتا نہ سکے عورت کو ہدایت کی کہ امام حماد۔ جن کا حلقۂ درس یہاں سے قریب ہے جاکر پوچھے۔ یہ بھی کہہ دیا کہ حماد جو کچھہ بتائین مجھسے کہتی جانا۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئی اور کہا کہ حماد نے یہ جواب دیا۔ مجکو سخت عبرت ہوئی اُسی وقت اُٹھہ کھڑا ہوا اور حماد کے حلقۂ درس مین جا بیٹھا"

امام کی ابتدائی تحصیل کے متعلق ایک اور روایت ہے جسکا سلسلہ سند خطیب نے امام تک پہنچایا ہے یعنے امام صاحب کا بیان ہے کہ جب مین نے تحصیل علم پر توجہ کی تو بہت سے علوم پیش نظر تھے اور مین متردد تھا کہ کس کو اختیار کرون۔ سب سے پہلے کلام کا خیال آیا۔ ساتھہ ہی دل مین گزرا کہ کوہ کندن وکاہ برآوردن ہے۔ ایک مدت کی محنت اور دردسری کے بعد کمال بھی پیدا کیا تو علانیہ اظہار نہین کرسکتے کہ لوگ الحاد کی تہمت نہ لگائین۔ ادب اور قرارت کا بجز اسکے کہ مکتب پڑہائین۔ اور کچھہ فائدہ نہ تھا۔ شعر و شاعری مین ہجو اور جھوٹی مدح کے سوا اور کیا دھرا تھا۔ حدیث کے لئے اوّلاً تو ایک مدت درکار تھی۔ اس کے علاوہ۔ کم سنون سے واسطہ پڑتا اور ہر وقت یہ فکر رہتی کہ لوگ جرح وتعدیل کا نشانہ نہ بنائین۔ آخر فقہ پر نظر پڑی اور اور دنیا و دین کی حاجتین اُس سے وابستہ نظر آئین"، لیکن یہ روایت محض غلط ہے تمام معتمد روایتین اسکے خلاف ہین۔ جو ریمارک امام صاحب کی طرف منسوب کئے ہین ایسے جاہلانہ ریمارک ہین کہ ایک معمولی آدمی کی طرف بھی نسبت نہیں کیجاسکتی۔ اس روایت کو صحیح مانئین تو ماننا پڑیگا کہ حدیث و کلام کی طرف امام ابوحنیفہ نے توجہ ہی نہین کی۔ حالانکہ ان فنون مین امام ابوحنیفہ کا جو پایہ ہے اُس سے کون انکار کرسکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تحصیل علوم کے بعد امام نے خیال کیا ہو کہ کس فن کو اپنا خاص فن بنائین۔ اور چونکہ عام خلائق کی ضرورتین۔ فقہ سے وابستہ دیکھین

اسی کو ترجیح دی - یہی بات طرز بیان کی رنگ آمیزیوں سے اس حد تک پہنچ گئی جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ روایت باوجودیکہ قید کتابت میں آچکی تھی عقود الجمان کے مصنف نے نقل کی تو بہت سے اختلافات پیدا ہو گئے - ابن جزلہ نے تاریخ بغداد کا جو اختصار کیا ہے ہماری پیش نظر ہے اس میں اس روایت کا جہاں ذکر ہے ہر علم کے متعلق جو ریمارک ہیں - وہ ہیرون کی طرف منسوب ہیں - امام ابوحنیفہ کی نسبت صرف ان کا تسلیم کرنا بیان کیا ہے -

حماد کوفہ کے مشہور امام - اور استاد وقت تھے حضرت انس سے جو رسول اللہ کے خادم خاص تھے حدیث سنی تھی اور بڑے بڑے تابعین کی فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے - اسوقت کوفہ میں انہیں کا مدرسہ مرجع عام سمجھا جاتا تھا مسعر و شعبہ جو ائمہ فن خیال کیے گئے ہیں انہیں کے حلقۂ درس میں تعلیم پائی تھی - حضرت عبداللہ بن مسعود (صحابی) سے فقہ کا جو سلسلہ چلا آتا تھا - اس کا مدار انہیں پر رہ گیا تھا - ان باتوں کے ساتھ زمانے بھی ان کا ساتھ دیا تھا - یعنی دولتمند اور فارغ البال تھے اور اس وجہ سے نہایت اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے - ان وجوہ سے امام ابوحنیفہ نے علم فقہ پڑھنا چاہا - تو استادی کے لئے انھی کو انتخاب کیا - اسوقت درس کا طریقہ یہ تھا - کہ استاد کسی خاص مسئلہ پر زبانی گفتگو کرتا تھا جسکو شاگرد یاد کر لیتے اور کبھی لکھ بھی لیا کرتے تھے امام ابوحنیفہ - پہلے دن بائیں صف میں بیٹھے کیونکہ مبتدیوں کے لئے یہ امتیاز عموماً قائم رکھا جاتا تھا - لیکن چند روز کے بعد جب حماد کو تجربہ ہو گیا کہ تمام حلقوں میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں ان کا ہمسر نہیں ہے تو حکم دیدیا کہ ابوحنیفہ سب سے آگے بیٹھا کریں[1] امام نے اگرچہ اسی زمانہ میں حدیث پڑھنی شروع کر دی تھی جسکا تفصیلی بیان آگے آتا

[1] عقود الجمان باب سادس ۱۲

تاہم حماد کے حلقہ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے۔ خود اُن کا بیان ہے کہ میں دس برس تک حماد کے حلقہ درس میں حاضر ہوتا رہا پھر خیال ہوا کہ اب خود درس و تعلیم کا سلسلہ قائم کروں۔ لیکن اُستاد کا ادب مانع ہوتا تھا۔ اتفاق سے اُنہیں دنوں حماد کا ایک رشتہ دار جو بصرہ میں رہا کرتا تھا مر گیا۔ حماد کے سوا اور کوئی اُس کا وارث نہ تھا۔ اس ضرورت سے انکو بصرہ جانا پڑا۔ چونکہ مجھکو اپنا جانشین کر گئے تھے۔ تلامذہ اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا۔ بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جن میں استاد سے میں نے کوئی روایت نہیں سنی تھی اسی لئے اپنے اجتہاد سے جواب دیے اور احتیاط کے لئے ایک یادداشت لکھتا گیا دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے۔ میں نے وہ یادداشت پیش کی۔ کل ساٹھ مسئلے تھے انمین سے بیس میں غلطیاں نکالیں باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جواب صحیح ہیں۔ میں نے عہد کیا کہ حماد جب تک زندہ ہیں اُن کی شاگردی کا تعلق کبھی نچھوڑونگا۔

حماد نے ۱۲۰ھ میں انتقال کیا۔ امام ابوحنیفہ نے اگرچہ حماد کے سوا اور بزرگون کی خدمت میں بھی فقہ کی تحصیل کی لیکن کچھ شبہہ نہیں کہ اس فن خاص میں وہ حماد ہی کے تربیت یافتہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ حد سے زیادہ اُنکی تعظیم کرتے تھے۔

حدیث کی تحصیل

حماد کے زمانہ میں ہی امام نے حدیث کی طرف توجہ کی کیونکہ مسائل فقہ کی مجتہدانہ تحقیق جو امام کو مطلوب تھی حدیث کی تکمیل کے بغیر ممکن نہ تھی۔

اُسوقت تمام ممالک اسلامیہ میں بڑے زور شور سے حدیث کا درس جاری تھا اور ہر جگہ سند اور روایت کے دفتر کھلے ہوئے تھے۔ صحابہ جنکی تعداد کم از کم دس ہزار ہے تمام ممالک میں پھیل گئے تھے۔ اور انکی وجہ سے اسناد و روایت کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔ لوگ جہاں کسی صحابی کا نام سن پاتے تھے ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے تھے کہ چلکر رسول اللہ کے حالات

سین - یا مسائل شرعیہ کی تحقیق کرین - اس طرح تابعین کا - جو صحابہ کے شاگرد کہلاتے تھے
بیشمار گروہ پیدا ہوگیا تھا - جنکے سلسلے تمام ممالک اسلامیہ مین پھیل گئے تھے - جن شہرون
مین صحابہ یا تابعین کا زیادہ مجمع تھا - وہ دار العلوم کے لقب سے ممتاز تھے - انمین مکہ معظمہ مدینہ
منورہ - یمن - بصرہ - کوفہ - کو خاص امتیاز تھا - کیونکہ اسلامی آثار کے لحاظ سے کوئی شہر ان
مقامات کا ہمسر نہ تھا -

کوفہ

کوفہ جو امام ابوحنیفہ کا مولد و مسکن تھا اسلام کی وسعت و تمدن کا گویا دیباچہ تھا - اہل عرب
کی روز افزون ترقی کے لیئے عرب کی مختصر آبادی کافی نہ تھی - اس ضرورت سے حضرت عمر نے
سعد بن ابی وقاص کو جو اس وقت حکومت کسرے کا خاتمہ کر کے - مداین - مین اقامت گزین تھے
خط لکھا کہ "مسلمانون کے لئے ایک شہر بسائو جو ان کا دار الہجرۃ اور قرارگاہ ہو" سعد نے کوفہ کی
زمین پسند کی ۱۷ھ مین اس کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا اور معمولی سادہ وضع کی عمارتین تیار ہوئین -
اسی وقت عرب کے قبائل ہر طرف سے آآکر آباد ہونے شروع ہوئے - یہان تک کہ تھوڑے
دنون مین وہ عرب کا ایک خطہ بنگیا - حضرت عمر نے یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمیون
کے لئے جو وہان جاکر آباد ہوئے تھے - روزینے مقرر کر دیئے - چند روز مین جمعیت کے اعتبار
سے کوفہ نے وہ حالت پیدا کی کہ جناب فاروق - کوفہ کو "رمح اللہ" "کنز الایمان" "جمجمۃ العرب"
یعنی خدا کا علم - ایمان کا خزانہ - عرب کا سر - فرمایا کرتے تھے - اور خط لکھتے تو اس عنوان سے
لکھتے تھے "الی راس الاسلام" "الی راس العرب" حضرت علیؑ نے اس شہر کو دار الخلافہ قرار دیا -
صحابہ مین سے ایک ہزار پچاس شخص جنمین چوبیس وہ بزرگ تھے جو غزوہ بدر مین رسول اللہ
کے ہمرکاب رہے تھے وہان گئے اور بہتون نے سکونت اختیار کر لی - ان بزرگون کی بدولت
ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے تھے - اور کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت

کا درس گاہ بن گیا تھا[1]۔

بصرہ بھی اسی مقدس خلیفہ کے حکم سے آباد ہوا تھا اور وسعت علم اور اشاعت حدیث کے اعتبار سے کوفہ کا ہمسر تھا۔ یہ دونوں شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرح علوم اسلامی کے دار العلم خیال کئے جاتے تھے۔ علامہ ذہبی نے اسلام کے دوسرے تیسرے دور میں جن لوگوں کو حال میں حدیث کا لقب دیا ہے اور انکے مستقل ترجمے لکھے ہیں۔ ان میں اکثر مثلاً مسروق بن الاجدع عبیدہ بن عمر۔ اسود بن یزید۔ ابوعمر النخعی۔ ذر بن حبیش۔ ربیع بن خثیم۔ عبدالرحمن بن ابی لیلی ابو عبد الرحمن السلمی۔ شریح بن الحرث۔ شریح بن ہانی۔ ابو وائل شقیق بن سلمہ قیس بن ابی حازم۔ محمد بن سیرین۔ حسن بصری۔ شعبہ بن حجاج۔ قتادہ بن دعامہ۔ انہیں دونوں شہروں کے رہنے والے یا خوشباش تھے[2]۔ سفیان بن عیینہ جو ائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اکثر فرماتے تھے کہ مناسک کے لیے مکہ۔ قرأت کے لئے مدینہ۔ اور حلال وحرام یعنی فقہ کے لیے کوفہ ہے[3]۔

فقہ میں امام نے زیادہ تر حماد کا حلقۂ درس کافی سمجھا تھا۔ لیکن حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی۔ یہاں صرف ذہانت اور اجتہاد سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ درایت کے ساتھ روایت کی بھی ضرورت تھی۔ حدیثیں اسوقت تک نہایت پریشان اور غیر مرتب تھیں یہانتک کہ بڑے بڑے اساتذہ۔ دو چار سو حدیثوں سے زیادہ یاد نہیں رکھتے تھے۔ یہ تعداد ضروری مسائل کے لئے بھی کافی نہ تھی۔ اس کے علاوہ طرق روایت میں اس قدر اختلافات پیدا ہو گئے تھے کہ ایک حدیث جب تک متعدد طریقوں سے نہ معلوم ہو اسکے مفہوم اور تعبیر کا ٹھیک ٹھیک متعین ہونا دشوار تھا۔ امام ابوحنیفہ کو حماد کی صحبت اور پختگی عمر نے ان ضرورتوں

---

[1] یہ تمام تفصیل فتوح البلدان بلاذری ذکر آبادی کوفہ۔ و معجم البلدان۔ و فتح المغیث صفحہ ۳۸۲ میں مذکور ہے
[2] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی ۱۲ [3] معجم البلدان ذکر کوفہ ۱۲

سے اچھی طرح واقف کر دیا تھا۔ اسی لیے نہایت سعی اور اہتمام سے حدیثوں کے بہم پہنچانے پر توجہ کی تقریباً۔ کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ تھا جسکے سامنے امام صاحب نے زانوی شاگردی طے نہ کیا ہو۔ اور حدیثیں نہ سیکھی ہوں۔ ابو المحاسن شافعی نے جہاں آنکے شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں۔ ترانوے ۹۳ شخصوں کی نسبت لکھا ہے کہ کوفہ کے رہنے والے یا نزیل تھے۔

امام کے شیوخ حدیث

تہذیب التہذیب و تہذیب الاسماء۔ و تذکرۃ الحفاظ وغیرہ ہیں۔ اگرچہ (جیسا کہ ان کتابوں کا عام طریقہ ہے) امام کے شیوخ کا استقصا نہیں کیا ہے۔ تاہم انہیں کتابوں کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی جنمیں ۲۹ شخص خاص کوفہ کے رہنے والے تھے اور اُن میں اکثر تابعی تھے۔ شیوخ کوفہ میں خاصکر امام شعبی۔ سلمۃ بن کہیل محارب بن دثار۔ ابو اسحق سبیعی۔ عون بن عبداللہ۔ سماک بن حرب۔ عمرو بن مرۃ۔ منصور بن المعتمر اعمش۔ ابراہیم بن محمد۔ عدی بن ثابت الانصاری۔ عطا بن السائب۔ موسیٰ بن ابی عائشہ علقمہ بن مرثد۔ بہت بڑے محدث۔ اور سند و روایت کے مرجع عام تھے۔ سفیان ثوری اور امام حنبل وغیرہ کا سلسلۂ سند اکثر انہیں بزرگوں تک پہنچتا ہے۔

امام شعبی۔ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اول اول امام ابوحنیفہ کو تحصیل علم کی رغبت دلائی تھی۔ بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی تھیں۔ مشہور ہے۔ کہ پانسو صحابہ کو دیکھا تھا عراق عرب۔ شام میں چار شخص جو استاد کامل تسلیم کئے جاتے تھے ان میں ایک یہ تھے۔ امام زہری کہا کرتے تھے کہ عالم صرف چار ہیں۔ مدینہ میں ابن المسیب۔ بصرہ۔ میں حسن۔ شام میں مکحول۔ کوفہ میں شعبی۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے انکو ایک بار مغازی کا درس دیتے دیکھا تو فرمایا کہ "واللہ یہ شخص اس فن کو مجھسے اچھا جانتا ہے" ایک مدت تک منصب قضا پر مامور

[1] امام کے شیوخ حدیث کا حال میں نے زیادہ تر۔ تہذیب التہذیب۔ معارف ابن قتیبہ۔ و مرآۃ الجنان یافعی سے لکھا ہے

رہے ۔ خلفا اور اعیان دولت ۔ ان کا نہایت احترام کرتے تھے ۔ ۱۳۲ھ ہجری یا ۱۳۶ھ ہجری میں وفات پائی ۔

سلمۃ بن کہیل ۔ مشہور محدث اور تابعی تھے ۔ جندب بن عبداللہ ابن ابی اوفی ابوالطفیل اور انکے علاوہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں ۔ ابن سعد نے انکو کثیر الحدیث لکھا ہے سفیان بن عیینہ (امام شافعی کے استاد) فرماتے تھے کہ سلمۃ بن کہیل ایک رکن ہیں ارکان میں سے ابن مہدی کا قول تھا کہ کوفہ میں چار شخص سب سے زیادہ صحیح الروایۃ تھے منصور سلمۃ عمرو بن مرۃ ۔ ابوحصین ۔

ابو اسحق سبیعی ۔ کبار تابعین سے تھے ۔ عبداللہ بن عباس ۔ عبداللہ بن عمر ۔ ابن زبیر نعمان بن بشیر ۔ زید بن ارقم ۔ اور بہت سے صحابہ سے جنکے نام علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں بہ تفصیل لکھے ہیں ۔ حدیثیں سنیں تھیں عجلی نے کہا ہے کہ ۳۸ صحابہ سے انکو بالمشافہ روایت ہے علی بن المدینی ۔ جو امام بخاری کے استاد تھے انکا قول ہے کہ ابو اسحق کے شیوخ حدیث میں نے شمار کیے تو کم و بیش تین سو ٹھہرے ۔ حافظ بن حجر نے تہذیب میں ان کا مفصل تذکرہ لکھا ہے

سماک بن حرب ۔ بہت بڑے تابعی اور محدث تھے ۔ امام سفیان ثوری نے کہا ہے کہ سماک نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی ۔ خود سماک کا بیان ہے کہ میں اسی صحابہ سے ملا ہوں

محارب بن دثار نے عبداللہ بن عمر اور جابر وغیرہ سے روایت کی ۔ امام سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی زاہد کو نہیں دیکھا جسکو محارب پر ترجیح دوں ۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ محارب عموماً حجت ہیں امام احمد بن معین ۔ ابو زرعہ ۔ دارقطنی ۔ ابوحاتم یعقوب بن سفیان نسائی نے انکو ثقہ تسلیم کیا ہے ۔ کوفہ میں منصب قضا پر مامور تھے ۱۱۶ھ میں وفات کی

عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ بن عمر سے حدیثیں

روایت کین - نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے -

ہشام بن عروہ معزز و مشہور تابعی تھے - بہت سے صحابہ سے حدیثین روایت کین بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان ثوری - امام مالک - سفیان بن عیینہ انکے شاگرد تھے - ابوجعفر منصور کے زمانہ مین کوفہ گئے - اہل کوفہ نے اسی زمانہ مین اُن سے حدیثین روایت کین - خلیفہ منصور اُن کا نہایت احترام کرتا تھا - ایک بار لاکھ درہم اُنکو عطا کئے - اُنکے جنازہ کی نماز بھی منصور نے ہی پڑہائی تھی - ابن سعد نے لکھا ہے کہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے - ابو حاتم نے اُنکو امام حدیث کہا ہے -

سلیمان بن مہران معروف باعمش - کوفہ کے مشہور امام تھے - صحابہ مین سے انس بن مالک سے ملے تھے اور عبداللہ بن ادبی سے حدیث سُنی تھی - سُفیان ثوری و شعبہ انکے شاگرد ہین - امام کی تحصیل حدیث کا دوسرا مدرسہ - بصرہ تھا جو امام حسن بصری و شعبہ و قتادہ کے فیض تعلیم سے مالا مال تھا - تعجب ہے کہ حسن بصری باوجودیکہ سنہ ۱۱۰ ہجری تک زندہ رہے - لیکن امام ابوحنیفہ کا اُنکے درس سے مستفید ہونا ثابت نہین ہوتا - البتہ قتادہ کی شاگردی کا ذکر - عام محدثین نے کیا ہے - اور عقود الجمان کے مختلف مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے شعبہ سے حدیث روایت کی اور اُنھون نے اپنے سامنے ہی فتوی و روایت کی اجازت بھی دیدی تھی -

قتادہ - بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے حضرت انس بن مالک و عبداللہ بن سرجس و ابو الطفیل و دیگر صحابہ سے حدیثین روایت کین - حضرت انس کے وہ شاگرد جو نہایت نامور ہین اُن مین ایک یہ ہین - اس خصوصیت مین اُنکو نہایت شہرت تھی کہ حدیث کو بعینہ ادا کرتے تھے - یعنی الفاظ و معنی مین بالکل فرق نہیں ہوتا تھا - انکی قوت حافظہ کی ایک عجیب مثال لکھی ہے - عمرو بن عبداللہ کا بیان ہے کہ یہ مدینہ مین سعید بن المسیب سے فقہ و حدیث

پڑھتے تھے۔ایک دن انھون نے فرمایا کہ تم ہر روز بہت سی باتین پوچھتے ہو تم کو ان مین سے کچھ یاد بھی ہین؟" انھون نے کہا "ایک ایک حرف محفوظ ہے" چنانچہ جس قدر اُن سے سنا تھا بقید تاریخ اور دن کے بیان کرنا شروع کیا۔ وہ نہایت متعجب ہوئے اور کہا "خدا نے دنیا مین تم جیسے لوگ بھی پیدا کئے ہین" اسی بنا پر لوگ انکو احفظ الناس کہا کرتے تھے۔

امام حنبل نے انکے فقہ۔ واقفیت اختلافات و تفسیر دانی کی نہایت مدح کی ہے اور کہا ہے کہ "کوئی شخص ان باتون مین انکی برابر ہو تو ہو مگر ان سے بڑھکر نہین ہو سکتا"

حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب مین ان کا حال تفصیل سے لکھا ہے جس سے انکی عظمت و شان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

شعبہ بھی بڑے رتبہ کے محدث تھے۔ دو ہزار حدیثین یاد تھین۔ سفیان ثوری نے فن حدیث مین انکو امیر المومنین مانا ہے۔ عراق مین یہ پہلے شخص ہین جنہوں نے جرح و تعدیل کے مراتب مقرر کیے۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ شعبہ نہ ہوتے تو عراق مین حدیث کا رواج نہوتا۔ ۱۶۱ھ مین انتقال کیا۔ سفیان ثوری کو انکے مرنے کی خبر پہنچی تو کہا "آج فن حدیث بھی مر گیا"

شعبہ کو امام ابو حنیفہ کے ساتھ ایک خاص ربط تھا۔ غیبت مین اکثر انکی ذہانت اور خوبی فہم کی تعریف کرتے۔ ایک بار انکا ذکر آیا تو کہا کہ "جس طرح مین جانتا ہون کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہون کہ علم اور ابو حنیفہ ہم نشین ہین"۔ یحییٰ بن معین سے جو امام بخاری کے استاد تھے کسی نے پوچھا کہ آپ ابو حنیفہ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہین فرمایا "اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے انکو حدیث و روایت کی اجازت دی اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہین"[۱]۔ بصرہ کے اور شیوخ جن سے امام ابو حنیفہ نے حدیثین روایت کین اُن مین عبد الکریم بن امیۃ اور عاصم

---

[۱] عقود الجمان - باب دہم - ۱۲

بن سلیمان الاحول زیادہ ممتاز ہین۔

امام ابوحنیفہ کو اگرچہ اِن درس گاہون سے حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنے کے لئے حرمین جانا ضرور تھا۔ جو علوم مذہبی کے اصلی مرکز تھے۔

تاریخون سے یہ پتہ نہین چلتا کہ امام کا پہلا سفر کس سنہ مین واقع ہوا تاہم ظن غالب ہی کہ جب انھون نے حرمین کا سفر کیا تو تحصیل کا آغاز تھا۔ مورخ ابن خلکان نے لکھا ہی کہ وکیع نے خود امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے کہ "حج مین ایک حجام نے جس سے مین بال منڈوا رہا تھا کئی باتون مین مجھپر گرفت کی۔ مین نے اجرت پوچھی تو بولا "مناسک حج کا ئے نہین چکائے جاتے" مین چپ ہو کر اصلاح بنوانے لگا۔ اُسنے پھر ٹوکا کہ حج مین چپ نہین رہنا چاہیئے۔ تکبیر کہتے جاؤ۔ حجامت سے فارغ ہو کر مین گھر چلا تو اُسنے کہا "پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو پھر کہین جانا۔ مین نے متعجب ہو کر پوچھا کہ یہ مسائل تم نے کہان سیکھے۔ بولا "عطاء بن ابی رباح کا فیض ہے"[1]

اس واقعہ سے زیادہ تر یہی قیاس ہو سکتا ہے کہ ابتدائی زمانہ تھا۔

جس زمانہ مین امام ابوحنیفہ مکہ معظمہ پہنچے درس و تدریس کا نہایت زور تھا۔ متعدد اساتذہ کی جو فن حدیث مین کمال رکھتے تھے اور اکثر صحابہ کی خدمت سے مستفید ہوئے تھے الگ الگ درسگاہین قائم تھے۔ ان مین عطاء بن ابی رباح کا حلقہ سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا۔ عطاء مشہور تابعی تھے اکثر صحابہ کی خدمت مین رہے تھے اور اُن کی فیض صحبت سے اجتہاد کا رتبہ حاصل کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس۔ ابن عمر۔ ابن زبیر۔ اسامہ بن زید۔ جابر بن عبداللہ۔ زید بن ارقم۔ عبداللہ بن سائب۔ عقیل۔ رافع۔ ابو درداء۔ ابو ہریرہ۔ اور بہت سے صحابہ سے حدیثین سنی تھین۔ خود اُن کا بیان ہے کہ "مین دو سو بزرگون سے ملا ہون جنکو رسول اللہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا"۔ مجتہدین صحابہ اُن کے علم و فضل کے معترف تھے

[1] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عطاء بن ابی رباح ۱۲

معترف تھے۔ عبداللہ بن عمر جو حضرت فاروق کے فرزند رشید اور صاحب افتا تھے اکثر فرماتے تھے کہ "عطا بن رباح کے ہوتے لوگ میرے پاس کیون آتے ہین" حج کے زمانہ مین ہمیشہ سلطنت کی طرف سے ایک منادی مقرر ہوتا تھا کہ "عطا کے سوا کوئی شخص فتوے دینے کا مجاز نہین[1] ہے" بڑے بڑے آئمہ حدیث مثلاً امام اوزاعی۔ زہری۔ عمرو بن دینار انہین کے حلقہ درس سے نکل کر اوستاد کہلائے۔

امام ابوحنیفہ استفادہ کی غرض سے اُن کی خدمت مین حاضر ہوئے تو اوتھون نے احتیاطاً کے لحاظ سے عقیدہ پوچھا۔ امام نے کہا "مین اسلاف کو برا نہین کہتا۔ گنہگار کو کافر نہین سمجھتا قضا وقدر کا قائل ہون" عطا نے اجازت دی کہ حلقۂ درس مین شریک ہوا کرین[2] روز بروز ان کی ذہانت وطباعی کے جوہر ظاہر ہوتے گئے اور اسکے ساتھ استاد کی نظر مین ان کا وقار بھی بڑھتا گیا۔ یہان تک کہ جب یہ حلقہ درس مین جاتے تو عطا۔ اورون کو ہٹا کر ان کو اپنے پہلو مین جگہ دیتے۔ عطا ۱۱۵ھ تک زندہ رہے۔ اس مدت مین امام ابوحنیفہ کو جب مکہ جانے کا اتفاق ہوتا تو اُنکی خدمت مین اکثر حاضر رہتے اور مستفید ہوتے۔

عطا کے سوا مکہ معظمہ کے اور محدثین جنسے امام نے حدیث کی سند لی اُن مین سے عکرمہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباس کے غلام اور شاگرد تھے اُنھون نے نہایت توجہ اور کوشش سے ان کی تعلیم وتربیت کی تھی۔ یہانتک کہ اپنی زندگی ہی مین اجتہاد و فتوے کا مجاز کر دیا تھا۔ عکرمہ نے اور بہت سے صحابہ مثلاً حضرت علیؓ۔ ابوہریرہ۔ عبداللہ بن عمر۔ عقبہ بن عمر۔ صفوان۔ جابر۔ ابوقتادہ سے حدیثین سیکھی

---

[1] ابن خلکان۔ اور کتب رجال مین انکے حالات پڑھو ۱۲ [2] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ ۱۲ [3] عقود الجمان۔ باب حاشیہ ۲

تعیین اور فقہی مسائل تحقیق کئے تھے۔ کم و بیش ستر مشہور تابعین حدیث و تفسیر میں ان کے شاگرد ہیں۔ امام شعبی کہا کرتے تھے کہ قرآن کا جاننے والا عکرمہ سے بڑھکر نہیں رہا۔ سعید بن جبیر کہ تابعین کے سرتاج تھے انسے ایک شخص نے پوچھا کہ دنیا میں آپ سے بڑھ کر بھی کوئی عالم ہے فرمایا ہاں عکرمہ۔

فقہاء سبعہ

اسی زمانہ میں یعنی ۱۲۰ھ سے پہلے۔ امام ابوحنیفہ نے مدینہ کا قصد کیا کہ حدیث کا مخزن اور نبوت کا اخیر قرارگاہ تھا۔ صحابہ کے بعد۔ تابعین کے گروہ میں سے سات شخص علم فقہ و حدیث کے مرجع بنگئے تھے اور مسائل شرعیہ میں عموماً انکی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ ان لوگون نے بڑے بڑے صحابہ کے دامن فیض میں تعلیم پائی تھی اور یہ مرتبہ حاصل کیا تھا کہ تمام ممالک اسلامی میں واسطہ در واسطہ انکے درس کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا یہ لوگ ہمعصر تھے اور ایک مشترک مجلس افتا کے ذریعہ سے تمام شرعی مسائل کا فیصلہ کرتے تھے۔ مدینہ کی فقہ جسکی تدوین امام مالک نے کی اُس کی بنیاد زیادہ تر انہین کے فتووں پر ہے۔ امام ابوحنیفہ جب مدینہ پہنچے تو ان بزرگون میں سے صرف دو شخص زندہ تھے سلیمان۔ و سالم بن عبد اللہ سلیمان حضرت میمونہ کے جو رسول اللہ کی ازواج مطہرات میں سے تھین غلام تھے اور فقہاء سبعہ میں فضل و کمال کے لحاظ سے اون کا دوسرا نمبر تھا۔ سالم حضرت فاروق کے پوتے تھے اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی۔ امام ابوحنیفہ۔ دونون بزرگون کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اون سے روایت کین۔

امام ابوحنیفہ کی طالب العلمی کی مسافت اگرچہ مدینہ تک محدود ہے۔ تاہم تعلیم کا سلسلہ اخیر زندگی تک قائم رہا۔ اکثر حرمین جاتے اور مہینوں قیام کرتے۔ حج کی تقریب میں ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال مکہ میں آکر جمع ہو جاتے تھے جن کا مقصد حج کے ساتھ افادہ اور استفادہ بھی ہوتا تھا۔ امام صاحب اکثر ان لوگون سے ملتے اور مستفید

۱؎ فتح المغیث صفحہ ۲۹۹

ہوئے۔ امام اوزاعی اور مکحول شامی۔ کہ شام کے امام المذہب کہلاتے تھے امام ابوحنیفہ نے
مکہ ہی میں ان لوگوں سے تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ امام صاحب
کی ذہانت اور اجتہاد کی شہرت دور دور پہنچ گئی تھی۔ یہانتک کہ ظاہر بینوں نے اُن کو قیاس
مشہور کر دیا تھا۔

اوزاعی

انہیں دنوں میں عبداللہ بن مبارک نے جو امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں بیروت کا
سفر کیا کہ امام اوزاعی سے فن حدیث کی تکمیل کریں۔ پہلی ہی ملاقات میں اوزاعی نے ان
سے پوچھا کہ کوفہ میں ابوحنیفہ کون شخص پیدا ہوا ہے۔ جو دین میں نئی باتیں نکالتا ہے؟
انھوں نے کچھ جواب نہ دیا اور گھر چلے آئے دو تین دن کے بعد پھر گئے تو کچھ اجزا۔ ساتھ
لیتے گئے۔ اوزاعی نے اُنکے ہاتھ سے وہ اجزا لے لیئے۔ سرنامہ پر لکھا تھا "قال
النعمان بن ثابت" دیر تک غور سے دیکھا کئے۔ پھر عبداللہ سے پوچھا نعمان کون بزرگ ہیں
انھوں نے کہا عراق کے ایک شیخ ہیں جنکی صحبت میں میں رہا ہوں" فرمایا بڑے پایہ کا
شخص ہے۔ عبداللہ نے عرض کی۔ یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جنکو آپ مبتدع[1] بتلاتے تھے اوزاعی
کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا حج کی تقریب سے اوزاعی مکہ گئے تو امام ابوحنیفہ سے ملاقات ہوئی
انہیں مسائل کا ذکر آیا۔ اتفاق سے عبداللہ بن المبارک بھی موجود تھے اُن کا بیان ہے کہ امام
ابوحنیفہ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ اوزاعی حیران رہ گئے۔ امام ابوحنیفہ کے جانیکے بعد مجھ سے کہا
کہ اس شخص کے کمال نے اسکو لوگوں کا محسود بنا دیا ہے بے شبہ میری بدگمانی غلط تھی جسکا میں
افسوس کرتا ہوں۔ تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فن حدیث میں امام اوزاعی
کی شاگردی کی ہے۔ غالبًا یہی زمانہ ہوگا۔

امام باقر علیہ السلام کی شاگردی

حضرت امام باقر علیہ السلام کی ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ امام ابوحنیفہ دوسری

[1] مختصر تاریخ بغداد

بار مدینہ گئے تو امام موصوف کی خدمت مین حاضر ہوئے۔ ان کے ایک ساتھی نے پہچنوایا کہ یہ ابو حنیفہ ہین۔ انھون نے ابو حنیفہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ "ہان تمہین قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثون سے مخالفت کرتے ہو" انھون نے نہایت ادب سے کہا "معاذ اللہ حدیث کی کون مخالفت کرسکتا ہے۔ آپ تشریف رکھین تو کچھ عرض کرون۔ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

ابو حنیفہ مرد ضعیف ہے یا عورت۔

امام باقر۔ عورت

ابو حنیفہ وراثت مین عورت کا حصہ زیادہ ہے یا مرد کا۔

امام باقر مرد کا۔

ابو حنیفہ مین قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے کیونکہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بنا پر زیادہ ملنا چاہیے۔

ابو حنیفہ پھر پوچھا نماز افضل ہے یا روزہ۔

امام باقر نماز

ابو حنیفہ اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہیئے نہ روزہ کی حالانکہ مین روزہ ہی کی قضا کا فتوی دیتا ہون۔

امام باقر اسقدر خوش ہوئے کہ اٹھکر انکی پیشانی چوم لی۔ ابو حنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے انکی خدمت مین حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتین حاصل کین۔ شیعہ و سنی دونون نے مانا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ۔ حضرت

عقود الجمان باب ثانی عشر وہم ۱۲

ممدوح کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے اُنکے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اوٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخون مین پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اُس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابو حنیفہ حضرت جعفر صادق کے معاصر اور ہمسر تھے اسی لیئے اُنکی شاگردی کیونکر اختیار کرتے۔ لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہہ ہون لیکن فضل و کمال مین اُن کو حضرت جعفر صادق سے کیا نسبت؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھر سے نکلے و صاحب البیت ادری بما فیھا۔

یا تو وہ زمانہ تھا کہ امام ابو حنیفہ نے ایک طالب العلم کی حیثیت سے حرمین کا سفر کیا تھا یا اب یہ نوبت پہنچی کہ سفر کا قصد کرتے تو تمام اطراف مین شہرہ ہو جاتا کہ فقیہہ عراق عرب کو جا رہا ہے۔ جس شہر یا گانون مین گزر ہوتا ہزارون آدمیون کا مجمع ہو جاتا۔ ایک دفعہ مکہ معظمہ گئے تو لوگون کی یہ کثرت ہوئی کہ مجلس مین تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ ارباب حدیث و فقہ دونون فرقے کے لوگ تھے اور شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک پر ایک گرا پڑتا تھا۔ آخر امام صاحب نے تنگ آکر فرمایا "کاش ہمارے میزبان سے کوئی جا کر کہتا کہ اس ہجوم کا انتظام کرتے"۔ ابو عاصم نبیل حاضر تھے۔ عرض کی کہ مین جاتا ہون لیکن چند مسئلے دریافت کرنے رہ گئے ہین۔ امام نے پاس بلا لیا اور زیادہ توجہ کے ساتھ اُنکی باتین سنین اس مین میزبان کا خیال جاتا رہا۔ ابو عاصم سے فارغ ہوکر ایک اور طالب علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور پھر وہی سلسلہ قائم ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خیال آیا تو فرمایا کسی شخص نے میزبان کے پاس جانے کا اقرار کیا تھا وہ کہان گیا۔ ابو عاصم بولے۔ مین نے عرض کیا تھا۔ فرمایا پھر تم گئے نہین؟ ابو عاصم نے مناظرانہ شوخی سے کہا مین نے یہ تو نہین کہا تھا کہ ابھی جاتا ہون۔ جب فرصت ہوگی جاؤن گا"۔

امام نے فرمایا "عام بول چال میں ان احتمالات کا موقع نہیں۔ ان لفظوں کے معنے ہمیشہ وہی لیے جائیں گے جو عوام کی غرض ہوتی ہے"۔ ایک اعتبار سے یہ بھی ایک فقہی مسئلہ تھا جسکو امام صاحب نے باتوں باتوں میں حل کر دیا۔

امام صاحب کے اساتذہ انکی نہایت عزت کرتے تھے

امام صاحب کے اساتذہ۔ انکا اس قدر ادب و احترام کرتے تھے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا محمد بن الفضل کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام ابوحنیفہ ایک حدیث کی تحقیق کے لئے خصیب کے پاس گئے۔ میں بھی ساتھ تھا خصیب نے ان کو آتے دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت تعظیم کے ساتھ لاکر اپنے برابر بٹھایا۔ امام صاحب نے پوچھا کہ مدبیضہ نعام کے بارہ میں کیا حدیث آئی ہے؟ خصیب نے کہا "اخبرنی ابو عبیدۃ عن عبداللہ بن مسعود فی بیضۃ النعام یصیبھا المحرم ان فیہ قیمتہ"۔ عمرو بن دینار جو نکہ مشہور محدث تھے ابوحنیفہ کے ہوتے حلقۂ درس میں اور کسی کی طرف خطاب نہیں کرتے تھے۔

امام کی صحبت

اس عظمت کے ساتھ امام صاحب کو طلب علم میں کسی سے عار نہ تھی۔ امام مالک عمر میں ان سے تیرہ برس کم تھے۔ انکے حلقۂ درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ وہ امام مالک کے سامنے ابوحنیفہ اس طرح مودب بیٹھتے تھے جسطرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے"۔ اسکو بعض کوتاہ بینوں نے امام کی کسر شان پر محمول کیا ہے لیکن ہم اسکو علم کی قدر شناسی اور شرافت کا تمغہ سمجھتے ہیں۔ امام مالک بھی انکا نہایت احترام کرتے تھے۔ عبداللہ بن المبارک کی زبانی منقول ہے کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک بزرگ آئے جنکی انھوں نے نہایت تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھایا۔ انکے جانے کے بعد فرمایا جانتے ہو کون شخص تھا؟ یہ ابوحنیفہ عراقی تھے۔

سلہ الجواہر المضیئۃ باب الکنی ترجمہ ابو عاصم النبیل ۱۲ سلہ عقود الجمان باب عاشرہ ۱۲

جو اِس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں" ذرا دیر کے بعد ایک اور بزرگ آئے امام مالک نے اُنکی بھی تعظیم کی لیکن نہ اِس قدر جتنی ابو حنیفہ کی کی تھی۔ وہ اُٹھ گئے تو لوگوں سے کہا یہ سفیان ثوری تھے۔

تعلیم حدیث کے مختلف طریقے

حجاز و عراق کے ایمہ فن روایت کے متعلق جدا جدا اصول رکھتے تھے۔ طرز تعلیم بھی مختلف تھا۔ بعضوں کے نزدیک لکھنے کا زیادہ اعتبار تھا۔ بعض۔ مثلاً ابراہیم و شعبی صرف حافظہ سند سمجھتے تھے۔ اکثروں نے اسبات کو جائز کہا تھا کہ مطالب مین فرق نہ آئے تو روایت مین حدیث کا ایک ٹکڑا چھوڑ دیا جا سکتا ہے۔ بعض اس کے بالکل خلاف تھے۔ ایک فریق کہتا تھا کہ راوی جب تک سامنے نہ ہو اُس سے روایت نہین کیجا سکتی۔ شعبہ جو امام صاحب کے اُستاد تھے اُنکا یہی مذہب تھا۔ دوسرا گروہ پردہ کی اوٹ سے تحریر کی بنا پر روایت کرنے کو جائز سمجھتا تھا۔ امام زہری کی عادت تھی کہ روایت کے ساتھ الفاظ و مطالب کی تفسیر بھی کرتے جاتے تھے۔ بعض لوگ اِس کے سخت مخالف تھے۔ یہانتک کہ ایک شخص نے خود زہری کو ٹوکا کہ "حدیث نبوی مین آپ اپنے الفاظ نہ ملائین" امام مالک کو یہ طریقہ زیادہ پسند تھا۔ کہ شاگرد پڑھیں اور وہ سنتے جائین۔ بعض اِسکے مخالف تھے یحییٰ بن سلام اتنی بات پر اُن کے حلقہ درس سے ناراض ہو کر اُٹھ آئے کہ "وہ خود نہین پڑھتے شاگردون سے پڑھواتے ہین" اسی طرح اور بہت سے اختلافات تھے جن کو صبح المغیث مین تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ کی کثرتِ شیوخ اور ریزہ چینیون کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ان مختلف اصول سے آگاہ ہون تاکہ سب کے مقابلہ سے خود ایک مستقل اور جچی ہوئی رائے قائم کر سکین۔ امام موصوف نے اصول سے جن مین جو اصلاح کی ہیں اُنکا بیان آگے آئے گا۔

امام کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ انکی آغاز تحصیل ہی مین حدیث کی تعلیم کا طریقہ مرتب اور باقاعدہ ہو چلا تھا۔ اس سے پہلے عموماً زبانی روایت کا رواج تھا۔ بعض آئمہ حدیث کتابت کو قریباً ناجائز سمجھتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے تقریباً ۱۰۱ھ[۱] مین اہل مدینہ کو خط لکھا جسکے یہ الفاظ تھے

انظروا ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبوہ فانی خشیت دروس العلم وذہاب العلماء یعنی رسول اللہ کی جس قدر حدیثین ہین قلمبند کر لی جائین ورنہ ضائع ہونے کا ڈر ہے

اور شہرون مین بھی اس مضمون کے فرامین بھیجے۔ چنانچہ مدینہ مین امام زہری نے ایک مجموعہ مرتب کیا جسکی نقلین سلطنت کی طرف سے تمام ممالک اسلامی مین شائع کی گئین۔ اسوقت سے تدوین کا عام رواج ہوگیا اور جہان جہان اہل حدیث تھے اسی طریقہ کو برتنے لگے شعبی (امام ابوحنیفہ کے استاد) کو اگرچہ زبانی روایت پر اصرار تھا تاہم کتاب ساتھ رکھتے تھے۔

طرز تعلیم نے بھی نہایت ترقی کی شیخ مجمع عام مین ایک بلند مقام پر بیٹھتا اور حدیث کا مجموعہ ہاتھ مین ہوتا۔ شاگرد دوات قلم لیکر بیٹھتے۔ اور استاد جو کچھ روایت کرتا اُسی کے الفاظ مین لکھتے جاتے۔ شائقین کی زیادہ کثرت ہوتی تو ایک مستملی کھڑا ہوکر وہ الفاظ دور کے بیٹھنے والون تک پہنچاتا۔ مگر یہ التزام تھا کہ مطلب بلکہ جہان تک ممکن ہو الفاظ مین فرق نہ آنے۔ اس ضرورت سے مستملی ہمیشہ ایسا شخص مقرر ہوتا تھا۔ جس کا حافظہ قوی اور معلومات وسیع ہون۔ ساتھ ہی خوش لہجہ اور بلند آواز ہو۔ چنانچہ امام شعبہ کی مجلس درس مین۔ آدم بن ابی ایاس۔ اور امام مالک کے حلقہ مین ابن علیہ اس خدمت پر مامور تھے۔

امام کے شیوخ حدیث بہت تھے

ابوحنیفہ اس خصوصیت کے ساتھ مشہور ہین کہ اُنکے شیوخ حدیث بیشمار تھے۔ ابو حفص کبیر نے دعوی کیا ہے کہ امام نے کم از کم چار ہزار شخصون سے حدیثین روایت کین اگرچہ تاریخ

[۱] فتح المغیث صفحہ ۲۳۹۔ مقدمہ قسطلانی شرح بخاری مطبوعہ لکھنو صفحہ ۱۲۶

اسلام مین یہ کوئی عجیب بات نہین - مسلمانون نے حدیثون کے جمع کرنے مین جو محنتین اور جانفشانیان کی ہین دنیا کی اور قومین اُس کا اندازہ بھی نہین کرسکتین - ہم متعدد شخصون کے نام بتا سکتے ہین جنکے شیوخ حدیث چار ہزار سے کم نہ تھے اور ایسے تو بہت نذر سے ہین جنکے اساتذہ - ہزار سے زیادہ تھے علامہ سخاوی نے فتح المغیث مین اِن لوگون کے نام بھی گنائے ہین - لیکن انصاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ دعوے محدثانہ اصول پر ثابت نہین ہو سکتا - البتہ اِس سے انکار نہین ہو سکتا کہ امام نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی ہے اور اِس کا خود محدثین کو اعتراف ہے علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین جہان انکے شیوخ حدیث کے نام گنائے ہین اخیر مین لکھدیا ہے "وخلق کثیر" حافظ ابوالمحاسن شافعی نے عقود الجمان مین تین سو انیس شخصون کے نام بتقیید نسب لکھے ہین - اور اخیر مین لکھدیا ہے کہ مین نے ایک دوسری کتاب مین جسکا نام تحصیل السبیل الی معرفۃ الثقات والمجاہیل ہے - اِن لوگون کے حالات بھی تفصیل سے لکھے ہین - لیکن چونکہ اُنکی فہرست زیادہ تر فقہاء حنفیہ سے ماخوذ ہے - ممکن ہے کہ محدثین کو کلیتہً اُس سے اتفاق نہ ہو -

افسوس ہے کہ محدثین نے امام کے حالات مین جو کتابین لکھی ہین اونمین اُنکے شیوخ کا پورا پورا استقصا کیا ہے - ہماری نظر سے نہین گذرین - رجال کی مستند کتابین جن مین امام کا ذکر ہے ہمارے سامنے ہین لیکن ان مین سینکڑون ہزارون آدمیون کے حالات ہین اسوجہ سے کسی خاص شخص کے متعلق پوری تفصیل نہین مل سکتی - مختصر تاریخ بغداد و تہذیب الکمال - تہذیب الاسماء واللغات - تذکرۃ الحفاظ - ملخص طبقات الحفاظ - تہذیب التہذیب - انساب سمعانی - موطا امام محمد - کتاب الآثار امام محمد - کے تتبع[1] سے جس قدر اُنکے شیوخ انتخاب ہو سکتے ہین اُن کے نام حسب ذیل ہین - ان مین سے اکثر کے اجمالی حالات ہم اوپر لکھ آئے ہین

[1] ان کتابون مین سے تہذیب الکمال ہماری نظر سے نہین گذری مولوی عبدالحی صاحب مرحوم نے التعلیق الممجد مین امام ابوحنیفہ کی نسبت تہذیب الکمال کے حوالہ سے لکھے ہین - ہم نے انہی کے حوالہ سے لکھا ہے۔

شیوخ حدیث کا شمار

عطاء بن ابی رباح مکی - عاصم بن ابی النجود کوفی - علقمہ بن مرثد کوفی - حکم بن عتیبہ کوفی - سلمہ بن کہیل کوفی - حضرت امام باقر علیہ السلام مدنی - علی بن الاقمر الکوفی - زیاد بن علاقہ کوفی - سعید بن مسروق کوفی - عدی بن ثابت انصاری کوفی - عطیہ بن سعید کوفی - ابو سفیان سعدی - عبد الکریم بن امیہ بصری - یحییٰ بن سعید مدنی - ہشام بن عروہ مدنی (از تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی) ابو اسحٰق السبیعی کوفی - نافع بن عمر مدنی - عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج المدنی - قتادہ بصری - عمرو بن دینار المکی - محارب بن دثار کوفی - ہیثم بن حبیب الصراف کوفی - قیس بن مسلم کوفی - محمد المنکدر المدنی - یزید الفقیر کوفی - سماک بن حرب کوفی - عبد العزیز بن رفیع المکی - مکحول شامی - عمرو بن مرۃ الکوفی - ابو الزبیر محمد بن مسلم مکی - عبد الملک بن عمر کوفی - منصور بن زاذان - منصور المعتمر - عطاء بن السائب الثقفی - عطاء بن ابی مسلم الخراسانی - عاصم بن سلیمان الاحول بصری - اعمش کوفی - عبد اللہ بن عمر بن حفص المدنی - امام اوزاعی - (طبقات الحفاظ ذہبی از مقامات متفرقہ) ابراہیم بن محمد الکوفی - اسمٰعیل بن عبد الملک المکی - حارث بن عبد الرحمٰن المکی - خالد بن علقمہ الوداعی - ربیعۃ الرائی - شداد بن عبد الرحمٰن بصری - شیبان بن عبد الرحمٰن بصری - طاؤس بن کیسان یمنی - عبد اللہ بن دینار المدنی - عکرمہ مولی ابن عباس مکی - عون بن عبد اللہ کوفی - قابوس بن ابی ظبیان کوفی - محمد بن السائب الکلبی کوفی - محمد بن مسلم بن شہاب الزہری - ابو سعید مولی ابن عباس (تہذیب الکمال) موسیٰ بن ابی عائشہ کوفی - صلت بن بہرام - عثمان بن عبد اللہ بن موہب - بلال - ہیثم بن ابی الہیثم - حصین بن عبد الرحمٰن - معن - میمون بن سیاہ - جواب التیمی - سالم الافطس - یحییٰ بن عمرو بن سلمہ - عمر بن جبیر - عبید اللہ بن عمر - محمد بن مالک الہمدانی - ابو السوار - خارجہ بن عبد اللہ - عبد اللہ بن ابی زیاد - حکم بن زیاد - کثیر الاصم - حمید الاعرج - ابو العطوف - عبد اللہ بن الحسن - سلیمان الشیبانی - سعید المرزبان - عثمان بن عبد اللہ - ابو جحیہ (کتاب الآثار امام محمد)

ہمنے اِس قدر نام سرسری طور سے انتخاب کئے ہین زیادہ چھان بین کرتے تو شاید عقود الجمان[1] کی فہرست کے برابر اُترتے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے لئے کثرت شیوخ اِس قدر فخر کا باعث نہین جتنا کہ اُنکی احتیاط اور تحقیق ہے۔ وہ اِس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ روایت مین جس قدر واسطے زیادہ ہوتے ہین اُسی قدر تغیر و تبدل کا احتمال بڑہتا جاتا ہے۔ یہی بات ہے کہ اُن کے اساتذہ۔ اکثر تابعین ہین۔ جنکو رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہے یا وہ لوگ ہین جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت مین رہے تھے اور علم و فضل دیانت۔ دیر ہیزگاری کے نمونے خیال کئے جاتے تھے۔ ان دو قسمون کے سوا اگر ہین تو شاذ ہین۔ اُن کی تعلیم کا طریقہ بھی عام طالب العلمون سے الگ تھا بحث و اجتہاد کی شروع سے عادت تھی۔ اور اسباب مین وہ اُستادون کی مخالفت کی بھی کچھ پروا نہ کرتے تھے ایک دفعہ حماد کے ساتھ امام اعمش کی تعزیت کو نکلے۔ چلتے چلتے مغرب کا وقت آگیا وضو کے لئے پانی کی تلاش ہوئی مگر کہین نہ ل سکا حماد نے تیمم کا فتوی دیا۔ امام نے مخالفت کی اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہیئے۔ اتفاق یہ کہ کچھ دور چلکر پانی ملگیا اور سب نے وضو سے نماز ادا کی کہتے ہین کہ یہ پہلا موقع تھا کہ اُستاد سے مخالفت کی اور غالبًا یہ زمانہ تحصیل کا آغاز تھا۔

امام شعبی۔ اِن کے اُستاد قائل تھے کہ معصیت مین کفارہ نہین۔ ایک دفعہ اُستاد و شاگرد کشتی مین سوار جا رہے تھے۔ اِس مسئلہ کا ذکر آیا۔ اونھون نے کہا "ضرور معصیت مین کفارہ ہی کیونکہ خدا نے ظہار مین کفارہ مقرر کیا ہے اور اِس آیت مین وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا تصریح کر دی ہے کہ ظہار معصیت ہے" امام شعبی کچھ جواب نہ دیسکے خفا ہوکر فرمایا اقیاس انت عطار بن ابی رباح سے کسی نے اِس آیت کے معنے پوچھے واتیناہ اھلہ ومثلھم معھم عطار نے کہا "خدا نے حضرت ایوب کے آل و اولاد جو مرگئی تھی زندہ کر دی۔

[1] عقود الجمان۔ باب ثامن ۱۲

ور اُنکے ساتھ اور نئی پیدا کردی۔ امام ابوحنیفہ نے کہا جو شخص کسی کی صلب سے نہ پیدا ہوا ہو وہ اُسکی اولاد کیونکر ہو سکتا ہے[1]۔

امام کی علمی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ان کو بڑے بڑے اہل کمال کی صحبتیں میسر آئیں۔ جن شہروں میں اُن کو رہنے کا اتفاق ہوا یعنے کوفہ۔ بصرہ۔ مکہ۔ مدینہ۔ یہ وہ مقامات تھے کہ مذہبی روایتیں وہاں کی ہوا میں سرایت کر گئی تھیں۔ علماسے ملنے اور علمی جلسوں میں شریک ہونے کا شوق۔ امام کے خمیر میں داخل تھا۔ ساتھ ہی اسکے انکی شہرت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جہاں جاتے تھے۔ استفادہ۔ ملاقات۔ مناظرہ۔ کی غرض سے خود اُن کے پاس ہزاروں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔

درس و افتا و بقیہ زندگی

اگرچہ حماد کی زندگی ہی میں امام صاحب نے اجتہاد کا رتبہ حاصل کر لیا تھا۔ عمر بھی کچھ کم نہ تھی یعنی حماد کی وفات کے وقت کم و بیش چالیس برس کا سن تھا تاہم شاگردانہ خلوص نے یہ گوارا نہ کیا کہ اُستاد کے ہوتے اپنا دربار الگ جمائیں۔ اگلے زمانہ میں اُستاد کے ساتھ جو محبت او ادب آمیز تعلق ہوتا تھا آج اُسکا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ خود امام سے منقول ہے کہ حماد جب تک زندہ رہے میں نے اُن کے مکان کی طرف کبھی پانوں نہیں پھیلائے۔ حماد نے ۱۲۰ھ میں قضا کی چونکہ ابراہیم نخعی کے بعد فقہ کا مدار انہیں پر رہ گیا تھا اُن کی موت نے کوفہ کو بے چراغ کر دیا حماد نے ایک لائق بیٹا چھوڑا تھا۔ لوگوں نے انہیں کو مسند درس پر بٹھایا۔ لیکن وہ لغت اور ادب کی طرف زیادہ مائل تھے۔ آخر موسیٰ بن کثیر نے جو حماد کے شاگردوں میں تجربہ کار اور سن کے لحاظ سے سب سے ممتاز تھے اُنکی جگہ لی۔ وہ اگرچہ فقہ کے پورے ماہر نہ تھے لیکن اکثر

اُستاد کا ادب

[1] مختصر تاریخ بغداد۔ ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲

بزرگوں کی صحبتیں اٹھائی تھیں اور اس وجہ سے لوگوں پر انکا ایک خاص اثر تھا - چند روز تک حلقہ درس ان کی وجہ سے قائم رہا - وہ حج کو چلے گئے - تو تمام بزرگوں نے متفقاً امام ابوحنیفہ سے درخواست کی کہ مسند درس کو مشرف فرمائیں -

مختلف حالتوں کا اقتضا دیکھو! یا تو وہ زمانہ تھا کہ جوانی ہی میں استادی کی مسند پر بیٹھنے کی آرزو تھی یا اب اور لوگ درخواست کرتے ہیں اور انکو اسکی ذمہ واریوں کے لحاظ سے انکار ہے تاہم لوگوں کا اصرار غالب آیا اور چار و ناچار قبول کرنا پڑا - پھر بھی دل مطمئن نہ تھا -

حافظ ابو المحاسن نے لکھا ہے کہ ان ہی دنوں میں خواب دیکھا کہ "پیغمبر خدا کی قبر مبارک کھود رہے ہیں" ڈر کر چونک پڑے اور سمجھے کہ میری ناقابلیت کی طرف اشارہ ہے - امام ابن سیرین - علم تعبیر کے استاد مانے جاتے تھے - انہوں نے تعبیر بتائی کہ اس سے ایک مردہ علم کو زندہ کرنا مقصود ہے - امام صاحب کو تسکین ہوگئی اور اطمینان کے ساتھ درس میں مشغول ہوگئے خواب کا ذکر تمام مورخوں اور محدثوں نے بھی کیا ہے - اس لحاظ سے گمان غالب ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہو لیکن یہ زمانہ - اور ابن سیرین - کی تعبیر گوئی - محض غلط ہے کیونکہ ابن سیرین اس سے بہت پہلے سنہ ۱۱۰ھ میں قضا کر چکے تھے - بہر حال امام صاحب نے استقلال کے ساتھ تدریس شروع کی - اول اول حماد کے پرانے شاگرد درس میں شریک ہوتے تھے - لیکن چند روز میں وہ شہرت ہوئی کہ کوفہ کی اکثر درس گاہیں ٹوٹکر انکے حلقہ میں آملیں - نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود انکے اساتذہ - مثلاً مسعر بن کدام - امام اعمش وغیرہ انسے استفادہ کرتے تھے اور دوسروں کو ترغیب دلاتے تھے - اسپین کے سوا اسلامی دنیا کا کوئی حصہ نہ تھا جو ان کی شاگردی کے تعلق سے آزاد رہا ہو - جن جن مقامات کے رہنے والے انکی خدمت میں پہنچے ان سب کا شمار نہیں ہو سکتا - لیکن جن اضلاع یا ممالک کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے وہ یہ ہیں

سلسلہ درس کی وسعت

مکہ۔ مدینہ۔ دمشق۔ بصرہ۔ واسط۔ موصل۔ جزیرہ۔ رقہ۔ نصیبین۔ رملہ۔ مصر۔ یمن۔ یمامہ۔ بحرین۔ بغداد۔ اہواز۔ کرمان۔ اصفہان۔ حلوان۔ استراباد۔ ہمدان۔ نہاوند۔ رے۔ قومس۔ دامغان۔ طبرستان۔ جرجان۔ نیشاپور۔ سرخس۔ نسا۔ بخارا۔ سمرقند۔ کس۔ صغانیان۔ ترمذ۔ ہرات۔ ہشتار۔ الزم۔ خوارزم۔ سیستان۔ مدائن۔ مصیصہ۔ حمص[1]۔ مختصر یہ کہ انکے استادی کے حدود، خلیفۂ وقت کی حدودِ حکومت کے برابر تھے۔

زید بن علی کے خروج مین امام صاحب شریک نہ تھے

رفتہ رفتہ عراق مین اُن کا ملکی اثر قائم ہوگیا۔ یہانتک کہ ملک مین جو انقلابات ہوتے تھے لوگون کو ان کی شرکت کا عموماً گمان ہوتا تھا۔ شاہ عبد العزیز صاحب نے تحفہ مین لکھا ہے کہ "زید بن علی نے بنو امیہ کے عہد مین جو بغاوت کی تھی امام صاحب بھی اس مین شریک تھے"۔ تاریخ دانشوران کے مولفون نے بھی ایسا ہی گمان کیا ہے۔ لیکن ہم اسپر یقین نہین کر سکتے جس قدر تاریخین اور رجال کی کتابین ہمارے سامنے ہین ان مین کہین اس کا ذکر نہین حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ایک قابل ذکر واقعہ تھا۔ زید بن علی نے ۱۲۱ھ مین بغاوت کی تھی اُسوقت ہشام بن عبد الملک تخت خلافت پر متمکن تھا ہشام۔ اگرچہ کفایت شعار اور بعض امور مین نہایت جزرس تھا لیکن اُسکی سلطنت نہایت امن و امان کی سلطنت تھی ملک مین ہر طرف امن و امان کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ رعایا عموماً رضامند تھی۔ بیت المال مین ناجائز آمدنیان نہین داخل ہو سکتی تھین۔ اس حالت مین امام ابو حنیفہ کو مخالفت کی کوئی وجہ نہ تھی زید بن علی۔ سادات مین ایک صاحب دعا شخص تھے۔ بے شبہ انکو بغاوت کرنی ضرور تھی کیونکہ (بخیال انکے) خلافت اُن کا خاص حق تھا۔ غالباً اس غلط فہمی کا منشا یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کا خاندان اہل بیت کے ساتھ ایک خاص ارادت رکھتا تھا۔ امام صاحب نے ایک مدت تک امام باقر کے دامنِ فیض مین تربیت پائی

[1] عقود الجمان باب عاشر

تھی کوفہ کی ہوا مین ایک مدت تک شیعہ پن کا اثر تھا - اِن اتفاقی واقعات نے امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ گمان پیدا کر دیا - ورنہ تاریخی شہادتین بالکل اسکے خلاف ہین -

ہشام نے ۱۲۵ھ مین وفات کی - آسکے بعد ولید بن یزید - یزید الناقص - ابراہیم بن الولید مروان الحمار - یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے - عباسی خلافت کی سلسلہ جنبانی جو ایک مدت سے ہو رہی تھی مروان کے عہد مین نہایت قوت پکڑ گئی - ابومسلم خراسانی نے تمام ملک مین سازشون کا جال پھیلا دیا اور مروانی حکومت کی جڑ ہلا دی - چونکہ زیادہ تر فساد کا مرکز عراق اور عراق مین بھی خاص کوفہ تھا - مروان نے یزید بن عمر بن ہبیرہ کو وہان کا گورنر مقرر کیا جو نہایت مدبر - دلیر - فیاض - خاندانی - اور صاحب اثر شخص تھا - یزید - نے حکومت مروانی کی ترکیب کو غور سے دیکھا تھا - وہ سمجھ چکا تھا کہ اس کل مین اور سب کچھ ہے لیکن مذہبی پرزے نہین ہین اس بنا پر اسنے چاہا کہ ایوان حکومت مذہبی ستونون پر قائم کیا جائے - عراق کے تمام فقہا کو جنمین قاضی ابن ابی لیلی ابن شبرمہ - داؤد بن ہند بھی شامل تھے بلا کر بڑی بڑی ملکی خدمتین دین امام صاحب کو میر منشی اور افسر خزانہ مقرر کرنا چاہا - انھون نے صاف انکار کیا - یزید نے قسم کھا کر کہا کہ جبراً منظور کرنا ہوگا - اِن کے ہم صحبت بزرگون نے بھی سمجھایا - مگر یہ اپنے انکار پر قائم رہے - اور کہا کہ اگر یزید کہے کہ مسجد کے دروازے گن دو تو بھی مجھکو گوارا نہین - نہ کہ وہ کسی مسلمان کے قتل کا فرمان لکھے اور مین اسپر مہر کردون[1] " یزید نے غصہ مین آکر حکم دیا کہ ہر روز ان کو دس درے لگائے جائین - اس ظالمانہ حکم کی تعمیل ہوئی تاہم وہ اپنی ضد سے باز نہ آئے آخر مجبور ہو کر یزید نے چھوڑ دیا - ایک روایت مین ہے کہ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور ۱۳۰ھ کی اخیر تک وہین رہے - ابن قتیبہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ جھگڑا قضا کے قبول کرنے

قبول عہدہ سے انکار

---

[1] منقود الجمان باب بست دہم ۱۲

پر تھا۔ ممکن ہے کہ یہ عہدہ بھی اُنکے لئے تجویز ہوا ہو۔ اور اُنھوں نے اُس سے بھی انکار کیا ہو۔

۱۳۲ھ میں سلطنت اسلام نے دوسرا پہلو بدلا۔ یعنی بنو امیہ کا خاتمہ ہوگیا اور آل عباس تاج و تخت کے مالک ہوئے۔ اس خاندان کا پہلا فرمانروا ابو العباس سفاح تھا اُسنے چار برس کی حکومت کے بعد ۱۳۶ھ میں قضا کی۔ سفاح کے بعد اُس کا بھائی منصور تخت نشین ہوا عباسیوں نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا یہانتک کہ خلفائے بنی امیہ کی قبرین اُکھڑوا کر اُن کی ہڈیاں تک جلا دین۔ تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور انتظام کا سکہ نہین بیٹھا تھا۔ جا بجا بغاوتین اٹھین۔ اِن فتنون کے فرو کرنے مین سفاح و منصور اعتدال کی حد سے بہت دور نکل گئے اور وہ زیادتیاں کین کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھون مین پھر گیا۔ تمام ملک کی آنکھین اِن نئے جانشینون پر لگی تھین لیکن اِن خونریزیون نے سب کے دل افسردہ کر دیئے۔ چنانچہ ایک موقع پر منصور نے عبد الرحمن سے جو اُس کا بچپن کا یار تھا پوچھا کہ "ہماری سلطنت کو مروان کی سلطنت سے کیا نسبت ہے" اُسنے کہا "میرے نزدیک تو کچھ فرق نہین" منصور نے کہا "کیا کرون کام کے آدمی نہین ملتے" عبد الرحمن نے کہا "بازار مین جس جنس کی زیادہ مانگ ہوتی ہے۔ کثرت بھی اسی کی ہوتی ہے۔"

سفاح و منصور کی سفاکیاں

اور بے رحمیان تو تھی ہین منصور نے یہ ستم کیا کہ سادات کی خانہ بربادی شروع کی اِس مین شبہہ نہین کہ سادات۔ ایک مدت سے خلافت کا خیال پکا رہی تھی۔ اور ایک لحاظ سے اُن کا حق بھی تھا۔ تاہم سفاح۔ کی وفات تک اُنکی کوئی سازش ظاہر نہ ہوئی تھی۔ صرف بدگمانی پر منصور نے سادات اور علویین کی بیخ کنی شروع کی۔ جو لوگ اُن مین ممتاز تھے اُنکے ساتھ زیادہ بیرحمیان کین۔ محمد بن ابراہیم کہ حسن و جمال مین یگانہ روزگار تھے اور اسوجہ سے دیباج کہلاتے تھے اُنکو زندہ دیوار مین چنوا دیا۔ اِن بیرحمیون کی ایک بڑی داستان ہے جسکے بیان کرنے کو بڑا سخت

دل جلا دیئے۔ آخر تنگ آکر ۱۴۵ھ میں انہیں مظلوم سادات میں سے محمد نفس ذکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ۔ مدینہ منورہ میں خروج کیا اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کر لی بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتی کہ امام مالک نے فتوے دیدیا کہ "منصور سے جبراً بیعت لی خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے"۔ نفس ذکیہ۔ اگرچہ نہایت دلیر۔ قوی بازو۔ فن جنگ سے واقف تھے لیکن تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان ۱۴۵ھ میں نہایت بہادری سے لڑکر میدان جنگ میں مارے گئے۔ انکے بعد ابراہیم انکے بھائی نے علم خلافت بلند کیا اور اس سر و سامان سے مقابلہ کو اٹھے کہ منصور کے حواس جاتے رہے کہتے ہیں کہ اس اضطراب میں منصور نے دو مہینے تک کپڑے نہیں بدلے۔ بستر سے تکیہ اٹھا لیا تھا اور کہتا تھا کہ "میں نہیں جانتا یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا"۔ انہیں دنوں میں دو کنیزیں حرم میں آئیں۔ ان سے بات تک نہ کی۔ ایک شخص نے سبب پوچھا۔ تو کہا وہ فرصت کے کام ہیں۔ اس وقت تو یہ دھن ہے کہ ابراہیم کا سر میرے آگے۔ یا میرا سر ابراہیم کے آگے رکھا جاوے"۔

نفس ذکیہ اور ابراہیم کی بغاوت

ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عام تھے انکے دعویٰ خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں خاص کوفہ میں کم و بیش ایک لاکھ آدمی انکے ساتھ جان دینے کو تیار ہو گئے۔ مذہبی گروہ۔ خاصکر علما و فقہا نے عموماً انکا ساتھ دیا۔ امام ابوحنیفہ شروع سے عباسیوں کی بے اعتدالیاں دیکھتے آتے تھے۔ سفاح ہی کے زمانہ میں انکی رائے قائم ہو چکی تھی کہ یہ لوگ منصب خلافت کے شایان نہیں۔ ابراہیم بن میمون جو ایک نہایت دیندار عالم تھے امام صاحب کے خالص دوستوں میں سے تھے۔ وہ اکثر کہتے کہ "ان مظالم پر کیا ہمکو چپ رہنا چاہیے"۔ امام صاحب فرماتے کہ "امر بالمعروف بے شبہ فرض ہے مگر اسکے لئے۔ امکان شرط ہے" لیکن وہ مذہبی جوش میں صبر کی تاب نہ لا سکے۔ ابومسلم خراسانی

کہ ان ظلموں کا بانی تھا۔ اسکے پاس گئے اور نہایت بیباکی کے ساتھ اس امر کے متعلق گفتگو کی اُسنے
انکی گستاخی یا فساد پیدا ہونے کے احتمال سے انکو قتل کرا دیا۔ امام ابو حنیفہ سُنکر بہت
روئے لیکن کیا کر سکتے تھے۔ یہ ۱۳۱ھ کا واقعہ ہے ۱۴۵ھ میں ابراہیم نے جب عَلَم خلافت بلند
کیا تو اور پیشوایان مذہب کے ساتھ امام صاحب نے بھی انکی تائید کی۔ خود شریک جنگ ہونا چاہتے
تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے نہ ہو سکے۔ جس کا انکو ہمیشہ افسوس رہا۔

نامۂ دانشوران میں امام صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے جو انھوں نے ابراہیم کو لکھا تھا
اُسکے یہ الفاظ ہیں "اما بعد فانی قد جھزت الیک اربعة الاف درھم ولم یکن
عندی غیرھا ولولا امانات الناس عندی للحقت بك فاذا لقیت القوم وظفرت
بھم فافعل کما فعل ابوك فی اھل صفین اقتل مدبرھم واجھز علی جریحھم
ولا تفعل کما فعل ابوك فی اھل الجمل فان القوم لھم فئة "

یعنے میں آپکے پاس چار ہزار درہم بھیجتا ہوں کہ اسوقت اسی قدر موجود تھے۔ اگر لوگوں کی
امانتیں میرے پاس نہ رکھی ہوتیں تو میں ضرور آپ سے آملتا۔ جب آپ دشمنوں پر فتح پائیں
تو وہ برتاؤ کریں جو آپ کے باپ (حضرت علیؓ) نے صفین والوں کے ساتھ کیا تھا۔ زخمی
اور بھاگ جانے والے سب قتل کئے جائیں۔ وہ طریقہ نہ اختیار کیجئے گا جو آپکے والد نے
جمل میں جائز رکھا تھا۔ کیونکہ مخالف بڑی جمعیت رکھتا ہے" نامۂ دانشوران میں اس خط
کی نسبت لکھا ہے کہ معتبر کتابوں میں منقول ہے لیکن کسی خاص کتاب کا نام نہیں بتایا
اسی لئے ہم اُسکی صحت پر یقین نہیں کر سکتے۔

یہ خط صحیح ہو یا غلط مگر اسمیں شبہ نہیں کہ امام صاحب ابراہیم کے علانیہ طرفدار تھے اور
بجز اسکے کہ خود شریک جنگ نہ ہو سکے اور ہر طرح پر انکی مدد کی۔ ابراہیم نے اپنی بے تدبیری سے

ؒ الجواہر المضیئة ترجمہ ابراہیم بن میمون ۱۲

شکست کھائی اور بصرہ مین نہایت دلیری سے لڑکر مارے گئے۔ اس مہم سے فارغ ہو کر منصور ان لوگون کی طرف متوجہ ہوا جنھون نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا۔ ان مین امام صاحب بھی تھے اُسوقت تک منصور کا پایہ تخت ہاشمیہ ایک مقام تھا جو کوفہ سے چند میل پر ہے۔ لیکن چونکہ کوفہ والے سادات کے سوا اور کسی خاندان کو خلافت کا مستحق نہین سمجھتے تھے۔ منصور نے ایک دوسری دارالخلافہ کی تجویز کی اور بغداد کو انتخاب کیا۔ ۱۴۶ھ مین بغداد پہنچکر امام ابو حنیفہ کے نام فرمان بھیجا کہ فوراً پایہ تخت مین حاضر ہون۔ وہ بنو امیہ کی تباہی کے بعد مکہ معظمہ سے چلے آئے تھے اور کوفہ مین مقیم تھے۔ منصور نے گو پہلے ہی اُنکے قتل کا ارادہ کر لیا تھا تاہم بہانہ ڈھونڈھتا تھا۔ دربار مین

امام ابو حنیفہ دربار مین طلب کئے گئے

حاضر ہوئے تو ربیع نے کہ حجابت کا عہدہ رکھتا تھا ان لفظون سے انکو دربار مین پیش کیا "وہ یہ دنیا مین آج سب سے بڑا عالم ہے"۔ منصور نے پوچھا تم نے کس سے علم کی تحصیل کی۔ امام نے استادون کے نام بتائے جنکا سلسلہ شاگردی بڑے بڑے صحابہ تک پہنچتا تھا۔ منصور نے اُنکے لیے قضا کا عہدہ تجویز کیا۔ امام صاحب نے صاف انکار کیا اور کہا کہ "مین اسکی قابلیت نہین رکھتا"۔ منصور نے غصہ مین آکر کہا "تم جھوٹے ہو"۔ امام صاحب نے کہا "اگر مین جھوٹا ہون تو یہ دعوے ضرور سچا ہے کہ مین عہدہ قضا کے قابل نہین کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہین مقرر ہو سکتا"

یہ تو ایک منطقی لطیفہ تھا۔ لیکن درحقیقت وہ قضا کی ذمہ داریان نہین اٹھا سکتے تھے۔ انھون نے منصور کے سامنے اپنی نا قابلیت کی جو وجہین بیان کین وہ بالکل سچ تھین یعنی یہ کہ "مجھکو اپنی طبیعت پر اطمینان نہین" "مین عربی النسل نہین ہون اسی لیئے اہل عرب کو میری حکومت ناگوار ہوگی" "درباریون کی تعظیم کرنی پڑے گی اور یہ مجھسے نہین ہو سکتا"۔ پھر بھی منصور نے نہ مانا اور قسم کھا کر کہا تم کو قبول کرنا ہوگا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز نہ قبول کرون گا۔

عہدہ قضا سے انکار

اس جرأت اور بیباکی پر تمام دربار حیرت زدہ تھا۔ ربیع نے غصہ میں آکر کہا ابوحنیفہ! تم امیرالمومنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہو؟" امام صاحب نے فرمایا "ہاں کیونکہ امیرالمومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت زیادہ آسان ہے۔"

خطیب کی ایک اور روایت ہے کہ منصور نے زیادہ جبر کیا تو مجبوراً دارالقضا میں جا کر بیٹھے۔ ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں قرضہ کا دعوے تھا۔ لیکن ثبوت کے گواہ نہ تھے مدعا علیہ کو سرے سے انکار تھا۔ امام صاحب نے حسب قاعدہ مدعا علیہ سے کہا تم قسم کھاؤ کہ مدعی کا تم پر کچھ دینا نہیں آتا۔ وہ تیار ہو گیا۔ واللہ کا لفظ کہا تھا کہ امام صاحب نے گھبرا کر روک دیا اور آستین سے کچھ روپے نکال کر مدعی کے حوالہ کئے کہ تم اپنا قرض لو۔ ایک مسلمان کو قسم کیوں کھلواتے ہو۔ عدالت سے آکر منصور سے کہہ دیا کہ مجھ سے کسی طرح یہ کام نہیں چل سکتا۔ اس پر حکم ہوا کہ قید خانہ بھیجے جائیں جس سے اسوقت چھوٹے کہ قید حیات سے چھوٹے اس مدت میں منصور اکثر انکو قید خانہ سے بلا لیتا اور علمی بحثیں کیا کرتا۔

وفات۔ رجب ۱۵۰ھ ہجری

منصور نے امام کو ۱۴۶ھ میں قید کیا۔ لیکن اس حالت میں بھی اسکو انکی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ بغداد دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا۔ طالبان کمال ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے آکر بغداد ہی کا رخ کرتے تھے۔ امام صاحب کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی۔ قید کی حالت نے انکے اثر اور قبول عام کو بجائے کم کرنے کے اور زیادہ کر دیا تھا۔ بغداد کی علمی جماعت جس کا شہر میں بہت کچھ اثر تھا۔ آپکے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے انکو نظر بند رکھا۔ لیکن کوئی امر آن کے ادب اور تعظیم

کے خلاف نہ کرسکتا تھا۔ قیدخانہ مین اُن کا سلسلۂ تعلیم بھی برابر قائم رہا امام محمد نے کہ فقہ حنفی کے دست وبازو ہین۔ قیدخانہ ہی مین اُن سے تعلیم پائی۔ اِن وجوہ سے منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید کی حالت مین بھی باقی رہا۔ جسکی آخری تدبیر یہ تھی کہ بیخبری مین اُنکو زہر دلوا دیا۔ جب اُنکو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اُسی حالت مین قضا کی۔ اُنکے مرنے کی خبر تمام شہر مین بہت جلد پھیل گئی اور سارا بغداد اُمنڈ آیا۔ حسن بن عمارہ نے کہ قاضی شہر تھے غسل دیا۔ نہلاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "واللہ تم سب سے بڑے فقیہ، بڑے عابد، بڑے زاہد تھے۔ تم مین تمام خوبیان جمع تھین۔ تم نے اپنے جانشینون کو مایوس کر دیا کہ وہ تمہارے مرتبہ کو پہنچ سکین" غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگون کی یہ کثرت ہوئی کہ پہلی بار نماز جنازہ مین کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تھا۔ اسپر بھی آنے والون کا سلسلہ قائم تھا یہانتک کہ چھہ بار نماز پڑہی گئی اور عصر کے قریب جاکر لاش دفن ہو سکی۔ امام نے وصیت کی تھی کہ خیزران کے مقبرہ مین دفن کیے جائین۔ کیونکہ یہ جگہ اُنکے خیال مین مغصوب نہ تھی اس وصیت کے موافق خیزران کے مشرقی جانب اُنکا مقبرہ تیار ہوا۔ مورخ خطیب نے لکھا ہی کہ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ اُنکے جنازہ کی نماز پڑھا کیے" قبول عام کی اس سے زیادہ کیا دلیل ہوگی؟۔

اُس وقت اطراف ملک مین بڑے بڑے ائمۂ مذہب موجود تھے جنمین بعض خود امام صاحب کے اُستاد تھے۔ سب نے اُنکے مرنے کا رنج کیا اور نہایت تاسف آمیز کلمات کہے۔ ابن جریج۔ مکہ مین تھے۔ سنکر کہا "اناللہ بہت بڑا علم جاتا رہا" شعبہ بن الحجاج نے کہ امام ابوحنیفہ کے شیخ اور بصرہ کے امام تھے۔ نہایت افسوس کیا اور کہا "کوفہ مین اندھیرا ہوگیا" اس واقعہ کے

عہدہ د
سے انکار

چند روز کے بعد عبداللہ بن المبارک کو بغداد جانے کا اتفاق ہوا امام کی قبر پر گئے اور رو کر کہا

کہا "ابو حنیفہ! خدا تم پر رحم کرے ابراہیم مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ حماد مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ افسوس تم نے تمام دنیا مین کسی کو اپنا جانشین نہ چھوڑا"[1]

امام کا مزار ایک مدت تک بوسہ گاہ خلائق رہا اور آج بھی ہے۔ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے کہ بڑی عظمت و شان کا فرمانروا اور نہایت عادل اور فیاض تھا ۴۵۹ھ مین اون کی قبر پر ایک قبہ اور اُسکے قریب ایک مدرسہ تیار کرایا۔ غالباً بغداد مین یہ پہلا مدرسہ تھا۔ کیونکہ نظامیہ جو تمام اسلامی مدرسون کا آدم خیال کیا جاتا ہے وہ اسی سنہ مین لیکن اسکے بعد تعمیر ہوا۔ رفعت اور خوبی عمارت کے لحاظ سے بھی لاجواب تھا۔ ابو سعد شرف الملک کہ الپ ارسلان کا مستوفی تھا اُسکے اہتمام سے عمارت تیار ہوئی۔ افتتاح کی رسم مین بغداد کے تمام علما اور عمائد شریک تھے۔ اتفاق سے اُسی وقت ابو جعفر مسعود جو ایک مشہور شاعر تھا آنکلا اور برجستہ یہ اشعار پڑھے۔

الم تر ان العلم کان مبددا	فجمعہ ہذا المغیب فی اللحد
کذلک کانت ہذہ الارض میتۃ	فانشرہا فعل الجواد ابی سعد

یعنی تم دیکھتے نہین، علم کس طرح ابتر ہو رہا تھا۔ پھر اُس شخص نے اُسکو ترتیب دی جو اس لحد مین مدفون ہے۔ اسی طرح یہ زمین مردہ پڑی تھی ابو سعد کی کوشش نے اُسکو دوبارہ زندہ کیا یہ مدرسہ جو مشہد ابو حنیفہ کے نام سے مشہور ہے مدت تک قائم رہا اور بڑے بڑے نامور علما اُسکے پروفیسر مقرر ہوئے۔ جنکے نام اور اجمالی حالات الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ مین اکثر پائے جاتے ہین ۴۹۳ھ مین حکیم بن جزلہ نے کہ خلیفہ مقتدر باللہ کے دربار کا ایک مشہور حکیم تھا اپنی تمام کتابین اس مدرسہ پر وقف کین[2] اس مدرسہ کے متعلق ایک مسافرخانہ بھی تھا

[1] عقود الجمان مین یہ تمام تفصیل مذکور ہے ۱۲ [2] ابن خلکان۔ ترجمہ یحییٰ بن عیسیٰ بن جزلۃ الطبیب ۱۲

شائقان علم جو اطراف ملک سے آکر بغداد مین عارضی قیام کرتے تھے اُنکو وہان سے کھانا ملتا
تھا۔ ایشیا کا مشہور سیاح ابن بطوطہ جسوقت بغداد مین پہنچا ہے عباسی حکومت کا اخیر زمانہ
تھا وہ اپنے سفرنامہ مین لکھتا ہے کہ "اُسوقت تمام بغداد مین مشہد ابی حنیفہ کے سوا کوئی زاویہ
موجود نہین ہے جہان سے مسافرون کو کھانا ملتا ہو" آج بھی اُن کا مقبرہ بغداد کے مشہور اور
متبرک مقامات سے ہے۔ حال کے شاہ ایران سلطان ناصر الدین قاچار خلد اللہ سلطنتہ نے
اپنے حالات سفر مین اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ "مین نے امام ابو حنیفہ کے مزار پر فاتحہ پڑھی
اور نذر چڑھائی" علم کی شان دیکھو! جسکی بدولت کوفہ کے ایک خزاز نے یہ رتبہ حاصل کیا کہ بارہ
سو برس کے بعد آج اسکے مزار پر بڑے بڑے شاہنشاہون کے سر جھکتے ہیں۔

امام کی اولاد

امام صاحب کی اولاد کا مفصل حال معلوم نہین مگر اس قدر یقینی ہے کہ وفات کے وقت
حماد کے سوا اُنکے کوئی اور اولاد موجود نہ تھی۔ حماد بڑے رتبہ کے فاضل تھے بچپن مین اُنکی تعلیم نہایت
اہتمام سے ہوئی تھی۔ چنانچہ جب الحمد ختم کی تو اُنکے پدر بزرگوار نے اس تقریب مین معلم کو پانسو
درہم نذر کئے۔ بڑے ہوئے تو خود امام صاحب سے مراتب علمی کی تکمیل کی۔ علم و فضل کے
ساتھ بے نیازی اور پرہیزگاری مین بھی باپ کے خلف الرشید تھے۔ امام صاحب نے جب
انتقال کیا تو اُنکے گھر مین لوگون کا بہت سا مال و اسباب امانت رکھا تھا۔ اُنھون نے قاضی شہر
کے پاس حاضر کیا کہ جنکی امانتین ہین اُنکو پہنچادی جائین قاضی صاحب نے کہا کہ ابھی اپنے ہی پاس
رہنے دو کہ زیادہ حفاظت سے رہے گا۔ اُنھون نے کہا آپ اُنکی جانچ کرلیں کہ میرے باپ
کا ذمہ بری ہوجاوے۔ غرض تمام مال و اسباب قاضی صاحب کو سپرد کرکے خود روپوش

ہو گئے اور اسوقت ظاہر ہوئے کہ وہ چیزیں کسی اور مہتم کے اہتمام میں دیدی گئیں۔ تمام عمر کسی کی ملازمت نہیں کی نہ شاہی دربار سے کچھ تعلق پیدا کیا۔ ذیقعدہ سنہ ۱۵۰ھ میں قضا کی۔ چار بیٹے چھوڑے عمر۔ اسمعیل۔ ابوحیان۔ عثمان۔ اسمعیل نے علم و فضل میں نہایت شہرت حاصل کی چنانچہ مامون الرشید نے انکو عہدۂ قضا پر مامور کیا[1] جسکو انھوں نے اس دیانت داری اور انصاف سے انجام دیا کہ جب بصرہ سے چلے تو سارا شہر انکی مشایعت کو نکلا۔ اور سب لوگ انکے جان و مال کو دعائیں دیتے تھے۔ مساور نے انکی مدح میں کہا ہے[2]۔

اذا ما الناس یوما قایسونا	بآبدة من الفتیا طریفه
اتیناهم بمقیاس صحیح	تلاد من طراز ابی حنیفه
اذا سمع الفقیه بها وعاها	واثبتها بحبر فی صحیفه

امام صاحب کی معنوی اولاد تو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور شاید چھ سات کروڑ سے کم نہ ہوگی۔ لیکن انکی جسمانی اولاد بھی جابجا موجود ہے خود ہندوستان میں متعدد خاندان ہیں جن کا سلسلۂ نسب امام تک پہنچتا ہے اور خدا کے فضل سے علم و فضل کا جوہر بھی نسلاً بعد نسل ان کی میراث میں چلا آتا ہے۔

اخلاق و عادات

مبالغہ آمیز روایتیں

ہمارے تذکرہ نویسوں نے امام کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی ہے اس میں خوش اعتقادی اور مبالغہ کا اس قدر رنگ بھرا ہے کہ امام صاحب کی اصلی صورت اچھی طرح پہچانی نہیں جاتی "وہ چالیس برس تک عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی" "تیس برس تک متصل روزے رکھے" "وہ جہاں وفات کی اس جگہ سات ہزار بار قرآن ختم کیا" "نہر کوفہ میں مشتبہ گوشت کا ٹکڑا پڑ گیا تو اس خیال سے کہ مچھلیوں نے کھایا ہوگا اور مچھلیاں بہت دنوں تک زندہ رہتی ہیں ایک مدت تک

[1] ابن خلکان ترجمہ حماد ۱۲ [2] معارف ابن قتیبہ ترجمہ امام ابوحنیفہ ر ۳۲

مچھلی نہیں کھائی" اسی طرح ایک شبہہ پر بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ اُن کا ذاتی صرف صرف دس آنہ ماہوار تھا" یہ اور اس قسم کے بہت سے افسانے آپکی نسبت مشہور ہین اور لطف یہ کہ ہمارے مورخین انہین دوراز کار قصّون کو۔ امام کے کمالات کا جوہر سمجھتے ہین۔ حالانکہ یہ واقعات نہ تاریخی اصول سے ثابت ہین نہ اُن سے کسی کے شرف پر استدلال ہو سکتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ امام صاحب کے جن فضائل یا عام حالات کو ہم صحیح تسلیم کرتے ہین وہ بھی انہین کتابون سے ماخوذ ہین جنہین یہ فضول قصے مذکور ہین لیکن ہر واقعہ کی حیثیت الگ ہوتی ہے اور اُسی اعتبار سے شہادت کی حیثیت بھی بدل جاتی ہے۔ معمولی واقعات مین عام شہادتین کافی ہین۔ لیکن اس قسم کے واقعات کے لئے ایسی سند درکار ہے جس مین ذرا بھی شبہہ کی گنجائش نہ ہو یعنی حدیث صحیح مرفوع متصل کے لئے جو قیدین ضروری ہین اُن سے بھی کچھ بڑھ کر ساتھ ہی درایت کے اصول پر منطبق ہو۔ امام صاحب کی دانشمندی۔ دقیقہ سنجی۔ نکتہ شناسی پر جب نگاہ پڑتی ہے جنکا ثبوت حسی نہین۔ عیانی موجود ہے۔ تو اُن واقعات پر مشکل سے یقین آسکتا ہے جو رہبانیت اور بے اعتدالی کی حد سے بھی متجاوز ہین۔

امام صاحب کے محاسن اخلاق کی صحیح (مگر اجمالی) تصویر دیکھنی ہو تو قاضی ابو یوسف کی تقریر سنو۔ جو اُنھون نے ہٰرون الرشید کے سامنے بیان کی تھی۔ ہٰرون نے ایک موقع پر قاضی صاحب موصوف سے کہا کہ ابو حنیفہ کے اوصاف بیان کیجئے۔ اونھون نے کہا جہان تک مین جانتا ہون ابو حنیفہ کے اخلاق و عادات یہ تھے کہ نہایت پرہیز گار تھے منہیات سے بہت بچتے تھے۔ اکثر چپ رہتے تھے اور سوچا کرتے تھے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور اُن کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے۔ نہایت سخی اور فیاض تھے۔ کسی کے آگے حاجت نہ لیجاتے۔ اہل دنیا سے احتراز تھا۔ دنیوی جاہ و عزت کو حقیر سمجھتے تھے غیبت سے بہت

بچتے تھے جب کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی کے ساتھ کرتے - بہت بڑے عالم تھے - اور مال کی طرح علم کے صرف کرنے میں بھی فیاض تھے" ہرون الرشید نے یہ سنکر کہا "صالحین کے یہی اخلاق ہوتے ہیں" عام نگاہوں میں یہ باتیں چندان وقعت نہیں رکھتیں لیکن روحانی اوصاف کے نکتہ شناس سمجھ سکتے ہیں کہ یہ طرز زندگی ظاہر میں جس قدر سادہ اور آسان ہے - در اصل اسی قدر مشکل اور قدر کے قابل ہے -

امام صاحب کا حلیہ اور گفتگو

امام صاحب کو خدا نے حسن سیرت کے ساتھ جمال صورت بھی دیا تھا - میانہ قد - خوشرو - اور موزون اندام تھے - گفتگو نہایت شیرین اور آواز بلند اور صاف تھی - کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہو نہایت صفائی اور فصاحت سے ادا کر سکتے تھے - مزاج میں تکلف تھا - اور اکثر خوش لباس رہتے تھے - کبھی کبھی سنجاب و قاقم کے جبے بھی استعمال کرتے تھے - ابو مطیع بلخی اُن کے شاگرد کا بیان ہے کہ "میں نے ایک دن اُنکو نہایت قیمتی چادر اور قمیص پہنے دیکھا جنکی قیمت کم از کم چار سو درہم ہوگی"

لباس

ایک دن نصر بن محمد اُن سے ملنے گئے - امام صاحب کہیں باہر جانے کی تیاری کر رہے تھے اُنسے کہا کہ ذرا دیر کے لئے اپنی چادر مجھے دیدو - واپس آئے تو شکایت کی کہ "ناحق تمہاری چادر لیکر مجھکو شرمندہ ہونا پڑا" اونہوں نے کہا کیوں؟ فرمایا بہت گندہ ہے نصر کہتے ہیں کہ "میں نے وہ چادر پانچ دینار کو خریدی تھی اور مجھکو اُسپر ناز تھا - اسی لئے امام صاحب کی شکایت سے تعجب ہوا لیکن دوسرے موقع پر جب میں نے اُنکو ایک چادر اوڑھے دیکھا جو تیس دینار سے کم قیمت کی نہ تھی تو وہ تعجب جاتا رہا" خلیفہ منصور نے درباریوں کے لئے خاص قسم کی ٹوپیاں ایجاد کی تھیں جو نرکل وغیرہ سے بنتی تھیں اور اُنپر سیاہ کپڑا منڈھا ہوتا تھا چونکہ نہایت لمبی ہوتی تھیں ابو دلامہ شاعر نے ظرافتہً کہا -

وکنا نرجی من امام زیادۃ فزاد الامام المرتضی فی القلانس

یعنی ہمکو خلیفہ سے اضافہ کی اُمید تھی سو حضرت نے اضافہ کیا تو ٹوپیوں مین کیا" امام صاحب اگرچہ دربار سے کوسون بھاگتے تھے لیکن اس قسم کی ٹوپی جو اہل دربار و امرا کے ساتھ مخصوص تھی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے۔ دنیا دار دولتمندون کے لئے تو ایک معمولی بات ہے۔ لیکن علما کے دائرہ مین یہ امر تعجب کی نگاہ سے دیکھا گیا کہ امام صاحب کے توشہ خانہ مین اکثر سات آٹھ ٹوپیان موجود رہتی تھین۔

اور باتون مین بھی امام صاحب کا طرز معاشرت ان ہمعصر علما سے بالکل جدا تھا۔ اُنکے ہمعصر عموماً شاہی دربار یا وزرا و امرا کے وظیفہ خوار تھے اور اسکو عیب نہین سمجھتے تھے۔ قاضی ابن عبد البر پر کسی نے اعتراض کیا تھا۔ کہ آپ امرا کے وظیفہ خوار ہین۔ انھون نے اسکے جواب مین بعض صحابہ۔ اور بہت سے تابعین اور تبع تابعین کی نظیرین پیش کین جو امرا کے روزینے اور انعامات سے زندگی بسر کرتے تھے۔

اگرچہ ہم اسکو بعض خیال والون کی طرح کاہلی اور مفت خواری کا اثر نہین سمجھتے۔ کیونکہ اُس زمانہ تک تعلیم کا سلسلہ معاوضہ کی بنیاد پر نہین قائم ہوا تھا۔ علما۔ بطور خود اپنے گھرون پر یا مسجدون مین لوگون کو مفت تعلیم دیتے تھے۔ اور یہ سلسلہ اس قدر وسیع اور مفید تھا کہ آج تک اس سے بڑھکر نہ ہو سکا۔ امرا کے ہان سے ان لوگون کے لئے جو وظیفے مقرر تھے یا کبھی کبھی صلہ و نذر کے طور پر مل جاتا تھا اسکو آنریری پروفیسرن کی تنخواہ سمجھ لینا چاہیے لیکن اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ رفتہ رفتہ انہین مثالون سے پیرزادگی اور مفت خواری کی بنیاد قائم ہوگئی۔ جسنے قوم کے ایک بڑے حصہ کو بالکل نکما اور اپاہج بنا دیا۔ بے شبہہ امام ابو حنیفہ اس اصول کے سرے سے مخالف تھے اور اس لحاظ سے اُنکی مخالفت بجا بھی تھی

وظیفہ خواری سے اجتناب

اس بے تعلقی سے ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ امر حق کے اظہار مین امام صاحب کو کسی سے باک نہین ہوتا تھا۔ انسان کتنا ہی آزاد مزاج اور صاف گو ہو لیکن احسان وہ چھپا ہوا جادو ہے کہ اُسکے اثر سے بچنا ناممکن نہین تو قریباً ناممکن ہے۔ امام صاحب تمام عمر کسی کے احسانمند نہوے اور اسوجہ سے انکی آزادی کو کوئی چیز دبا نہ سکتی تھی اکثر موقعون پر وہ اس خیال کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے۔ ابن ہبیرہ نے کہ کوفہ کا گورنر اور نہایت نامور شخص تھا۔ ان سے بہ لجاجت کہا کہ "آپ کبھی کبھی قدم رنجہ فرماتے تو مجپر احسان ہوتا" فرمایا "مین تم سے ملکر کیا کرونگا مہربانی سے پیش آؤگے تو خوف ہے کہ تمہارے دام مین آجاؤن۔ عتاب کروگے تو میری ذلت ہے تمہارے پاس جو زر و مال ہے مجھکو اُسکی حاجت نہین۔ میرے پاس جو دولت ہے اُس کو کوئی شخص چھین نہیں سکتا" عیسٰے بن موسیٰ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ گذرا۔

آزادی و بے نیازی

خلیفہ منصور اور حرہ خاتون (منصور کی بی بی) مین کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی۔ خاتون کو شکایت تھی کہ خلیفہ عدل نہین کرتا۔ منصور نے کہا کسی کو منصف قرار دو۔ اُسنے امام صاحب کا نام لیا اُسی وقت طلبی کا فرمان گیا۔ خاتون پردہ کے قریب بیٹھی کہ امام صاحب جو فیصلہ کرین خود اپنے کانون سے سُنے۔ منصور نے پوچھا۔ شرع کی رو سے مرد کتنے نکاح کرسکتا ہو امام صاحب نے کہا چار۔ منصور۔ خاتون کی طرف مخاطب ہوا کہ سُنتی ہو؟ پردہ سے آواز آئی کہ ہان سُنا۔ امام صاحب نے منصور کی طرف خطاب کرکے کہا مگر یہ اجازت اُس شخص کیلئے خاص ہو جو عدل پر قادر ہو۔ ورنہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا اچھا نہیں خدا فرماتا ہی وان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ منصور چپ ہو گیا۔ امام صاحب گھر آئے تو ایک خادم پچاس ہزار درہم کے توڑے لئے ہوئے حاضر ہوا کہ خاتون نے نذر بھیجی ہے۔ اور کہا ہو کہ "آپکی کنیز آپ کو سلام کہتی ہے اور آپ کی حق گوئی کی نہایت مشکور ہے" امام صاحب نے روپئے پھیر دئے اور خادم سے فرمایا جا کر خاتون سے کہنا

بلا غرض حق گوئی

کہ مین نے جو کچھ کہا کسی غرض سے نہین کہا بلکہ میرا فرض منصبی تھا"

تجارت اور دیانت

امام صاحب کی تجارت نہایت وسیع تھی لاکھون کا لین دین تھا۔ اکثر شہرون مین گماشتے مقرر تھے۔ بڑے بڑے سوداگرون سے معاملہ رہتا تھا۔ ایسے بڑے کارخانہ کے ساتھ دیانت اور احتیاط کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک حبہ بھی اُن کے خزانہ مین نہین ہوسکتا تھا۔ اس احتیاط مین کبھی کبھی نقصان اوٹھانا پڑتا تھا مگر ان کو کچھ پروا نہین ہوتی تھی۔ ایک دفعہ حفص بن عبدالرحمن کے پاس خز کے تھان بھیجے اور کہلا بھیجا کہ فلان فلان تھان مین عیب ہے خریدار کو جتا دینا۔ حفص کو اس ہدایت کا خیال نہ رہا۔ تھان بیچ ڈالے اور خریدارون کو عیب سے اطلاع نہ دی۔ امام صاحب کو معلوم ہوا تو نہایت افسوس کیا۔ تھانون کی قیمت جو تیس ہزار درہم تھی سب خیرات کردی۔

ایک دن ایک عورت خز کا تھان لیکر آئی کہ فروخت کرا دیجیے۔ امام صاحب نے دام پوچھے اُسنے سو روپیے بتائے۔ فرمایا کم ہین۔ اُسنے کہا تو دو سو روپیے۔ فرمایا یہ تھان پانچسو سے کم قیمت کا نہین۔ اُسنے متعجب ہوکر کہا آپ شاید ہنسی کرتے ہین۔ امام صاحب نے پانچسو روپیے اپنے پاس سے دیدیے اور تھان رکھ لیا۔ اس احتیاط اور دیانت نے ان کے کارخانہ کو بجائے نقصان پہنچانے کے اور بھی چمکا دیا تھا۔

فیاضی

تجارت اور اکتساب دولت سے اُن کا مقصود زیادہ تر عام کو فائدہ پہنچانا تھا جتنے جاننے اور ملنے والے تھے سب کے روزینے مقرر کر رکھے تھے شیوخ اور محدثین کے لیے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کردیا تھا کہ اُس سے جو نفع ہوتا تھا سال کے سال اُن لوگون کو پہنچا دیا جاتا تھا عام معمول تھا کہ گھر والون کے لیے کوئی چیز خریدتے تو اُسی قدر محدثین اور علما کے پاس بھجواتے اتفاقیہ کوئی شخص ملنے آتا تو اُس کا حال پوچھتے اور حاجتمند ہوتا تو حاجت روائی کرتے شاگردون

[1] علامہ نووی نے تہذیب الاسماء مین ان واقعات کو بسند بیان کیا ہے ۱۲

مین جس کو تنگ حال دیکھتے اُس کی ضروریات خانگی کی کفالت کرتے کہ اطمینان سے علم کی تکمیل کرسکے۔ بہت سے لوگ جنکو مفلسی کی وجہ سے تحصیل علم کا موقع نہین مل سکتا تھا امام صاحب ہی کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبون پر پہنچے انہین مین قاضی ابو یوسف صاحب بھی ہیں جنکا مفصل تذکرہ آگے آتا ہے۔

شاگردونکے ساتھ سلوک

ایک دفعہ کچھ لوگ ملنے آئے اُن مین ایک شخص ظاہری صورت سے شکستہ حال معلوم ہوتا تھا۔ لوگ رخصت ہوکر چلے تو امام صاحب نے اس سے فرمایا ذرا ٹھر جاؤ۔ جانماز کی طرف اشارہ کیا کہ اسکو اُٹھانا اُسنے دیکھا تو ہزار درہم کی ایک تھیلی۔ عرض کی کہ مین دولتمند ہون۔ مجھکو اسکی ضرورت نہین۔ فرمایا تو صورت ایسی بنانی چاہیئے کہ دوسرونکو شبہہ نہ ہو۔

ایک دفعہ کسی بیمار کی عیادت کو جارہے تھے۔ راہ مین ایک شخص ملا جو انکا مقروض تھا اُسنے دور سے انکو دیکھہ لیا اور کترا کر دوسری طرف چلا۔ اُنھون نے پکارا کہ "کہان جاتے ہو" وہ کھڑا ہوگیا قریب پہنچے تو پوچھا کہ "مجھکو دیکھکر تم نے راستہ کیون کاٹا" اُسنے کہا آپ کے دس ہزار درہم مجھہ پر آتے ہیں جو مجھسے ابتک ادا نہ ہو سکے۔ اس شرم سے آنکھہ برابر نہین ہوتی" امام صاحب اُسکی غیرت سے متعجب ہوئے اور فرمایا۔ جاؤ مین نے سب معاف کردیا۔

ایک بار سفر حج مین عبد اللہ سہمی کا ساتھ ہوا کسی منزل میں ایک بدوی نے انکو پکڑا اور امام صاحب کے سامنے لایا کہ اسپر میرے روپیے آتے ہین اور یہ ادا نہین کرتا۔ امام صاحب نے عبد اللہ سے اسکی حقیقت پوچھی۔ اُنھون نے سرے سے انکار کیا۔ امام صاحب نے بدوی سے پوچھا آخر کتنے درہمون پر یہ جھگڑا ہے اُسنے کہا چالیس درہم متعجب ہوکر فرمایا کہ زمانہ سے حمیت اُٹھ گئی اتنے سے معاملہ پر یہ فضیحتی! پھر کل درہم اپنے پاس سے ادا کردیئے۔ ابراہیم بن عتبہ چار ہزار درہم کے مقروض تھے اور اس ندامت کی وجہ سے لوگو

سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا۔ اُنکے ایک دوست نے چندہ کرکے اُنکا قرض ادا کرنا چاہا۔ لوگون نے بقدر حیثیت اعانت کی۔ امام صاحب کے پاس گئے تو فرمایا کہ کل کس قدر قرضہ ہے اُنھون نے کہا چار ہزار۔ فرمایا اتنی سی رقم کے لئے لوگون کو کیون تکلیف دیتے ہو۔ یہ کہکر پورے چار ہزار درہم خود دیدیئے۔ تاریخون مین اس قسم کے اور بہت سے واقعات اُن کی نسبت منقول ہین ہمنے اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کئے۔

حلم و عفو

اس دولتمندی اور عظمت وشان کے ساتھ نہایت متواضع۔ حلیم۔ اور خلیق تھے ایک دفعہ مسجد خیف مین تشریف رکھتے تھے۔ شاگردون اور ارادتمندون کا حلقہ تھا۔ ایک اجنبی شخص نے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے جواب مناسب دیا۔ اُسنے کہا ”مگر حسن بصری نے اس کے خلاف بتایا ہے“۔ امام صاحب نے فرمایا ”حسن نے غلطی کی“ حاضرین مین سے ایک شخص کہ حسن کا معتقد تھا طیش مین آگیا اور جھلا کر کہا ”او ابن الفاحشہ! تو حسن کو خاطی کہتا ہے“! اس گستاخی اور بیہودہ گوئی نے تمام مجلس کو برہم کردیا اور لوگون نے چاہا کہ اُسکو پکڑکر سزا دین امام صاحب نے روکا۔ اُنکے لحاظ سے لوگ مجبور ہوگئے۔ مگر دیر تک مجلس مین سناٹا رہا لوگون کا جوش کم ہوا تو امام صاحب نے اُس شخص کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ ”ہان حسن نے غلطی کی عبداللہ بن مسعود نے اس باب مین جو روایت کی ہے وہ صحیح ہے“!

یزید بن کمیت کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مین امام ابوحنیفہ کی خدمت مین حاضر تھا۔ ایک شخص نے اُن سے گستاخانہ گفتگو شروع کی۔ امام صاحب تحمل سے جواب دیتے تھے وہ اور شوخ ہوتا جاتا تھا۔ یہانتک کہ اُسنے امام کو زندیق کہدیا۔ اِسپر فرمایا کہ خدا تم کو بخشے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ میری نسبت تم نے جو لفظ کہا صحیح نہین ہے“ امام صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ ”مین نے کسی پر لعنت نہین کی کسی سے انتقام نہین لیا کسی مسلمان۔ یا ذمی کو نہین ستایا

کسی سے فریب اور بد عہدی نہین کی "

امام سفیان ثوری اور امام صاحب مین کچھ شکر رنجی تھی۔ ایک شخص نے امام صاحب سے آکر کہا کہ سفیان۔ آپ کو برا کہہ رہے تھے۔ امام نے فرمایا کہ "خدا میری اور سفیان دونون کی مغفرت کرے۔ سچ یہ ہے کہ ابراہیم نخعی کے موجود ہوتے بھی اگر سفیان دنیا سے اُٹھ جاتے تو مسلمانون کو سفیان کے مرنے کا ماتم کرنا پڑتا "

ایک دن مسجد مین درس دے رہے تھے۔ ایک شخص نے جسکو ان سے کچھ عداوت تھی عام مجلس مین انکی نسبت ناسزا الفاظ کہے۔ انہون نے کچھ التفات نہ کی۔ اور اسی طرح درس مین مشغول رہے۔ شاگردون کو بھی منع کر دیا کہ اُسکی طرف متوجہ نہ ہون۔ درس سے اوٹھے تو وہ شخص ساتھ ہوا اور جو کچھ منہ مین آتا تھا بکتا جاتا تھا۔ امام صاحب اپنے گھر کے قریب پہنچے تو کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ "بھائی یہ میرا گھر ہے کچھ باقی رہگیا ہو تو اُٹھا نہ رکھو کہ اب مین اندر جاتا ہون اور تمکو موقع نہ ملے گا "

ایک اور دن۔ حلقہ درس قائم تھا۔ ایک نوعمر نے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے جواب دیا اُس نے کہا۔ ابو حنیفہ۔ تم نے جواب مین غلطی کی۔ ابو الخطاب جرجانی بھی حلقہ مین شریک تھے انکو نہایت غصہ آیا اور حاضرین کو ملامت کی کہ تم لوگ بڑے بے حمیت ہو۔ امام کی شان مین ایک لونڈا جو جی مین آتا ہے کہہ جاتا ہے۔ تم کو ذرا جوش نہین آتا۔ امام صاحب نے ابو الخطاب کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ "ان لوگون پر کچھ الزام نہین۔ مین اس جگہ بیٹھا ہون تو اسی لیئے بیٹھا ہون کہ لوگ آزادانہ میری رائے کی غلطیان ثابت کرین اور مین تحمل کے ساتھ سنون "

محلہ مین ایک موچی رہتا تھا جو نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج تھا۔ اُسکا معمول تھا کہ

ہمدردی اور ہمسایگی کا لحاظ

دن بھر مزدوری کرتا - شام کو بازار جا کر گوشت اور شراب مول لاتا - کچھ رات گئے دوست احباب جمع ہوتے - خود سیخ پر کباب لگاتا اور یارون کو کھلاتا ساتھ ہی شراب کا دور چلتا اور مزے مین آکر یہ شعر گاتا - اضاعونی وای فتی اضاعوا - لیوم کریھۃ وسداد ثغر - یعنی "لوگون نے مجھکو ہاتھ سے کھو دیا اور کیسے بڑے شخص کو کھویا جو لڑائی اور رخنہ بندی کے دن کام آتا" امام صاحب ذکر و شغل مین رات کو سوتے کم تھے - اسکی نغمہ سنجیان سنتے اور فرط اخلاق کی وجہ سے کچھ تعرض نکرتے - ایک رات کوتوال شہر ادھر آنکلا - اور اس غریب کو گرفتار کر کے قید خانہ مین بھیجدیا - صبح کو امام صاحب نے دوستون سے تذکرہ کیا - کہ رات کو ہمارے ہمسایہ کی آواز نہین آئی - لوگون نے رات کا ماجرا بیان کیا - اسی وقت سواری طلب کی دربار کے کپڑے پہنے اور دار الامارۃ کا قصد کیا - یہ عباسیہ کا عہد حکومت تھا اور عیسیٰ بن موسےٰ کہ خلیفہ منصور کا برادرزادہ اور تمام خاندان مین عقل و تدبیر دلیری اور شجاعت کے لحاظ سے ممتاز تھا کوفہ کا گورنر تھا - لوگون نے اطلاع کی کہ امام ابو حنیفہ آپ کے ملنے کو آتے ہین اسنے درباریون کو استقبال کے لئے بھیجا - اور حکم دیا کہ دار الامارۃ کے صحن تک امام صاحب کو سواری پر لائین - سواری قریب آئی تو تعظیم کو اٹھا اور نہایت ادب سے لا کر بٹھایا پھر عرض کی کہ "آپ نے کیون تکلیف فرمائی مجھ کو بلا بھیجتے کہ مین خود حاضر ہوتا" امام صاحب نے فرمایا کہ ہمارے محلہ مین ایک موچی رہتا ہے - کوتوال نے اس کو گرفتار کر لیا ہے - مین چاہتا ہون کہ وہ رہا کر دیا جاوے" عیسیٰ نے اسی وقت داروغہ جیل کو حکم بھیجا اور وہ رہا کر دیا گیا - امام صاحب عیسے سے رخصت ہو کر چلے تو موچی بھی ہمرکاب ہوا - امام اس کی طرف مخاطب ہوئے کہ "کیون! ہم نے تم کو ضائع تو نہین کیا" یہ اس شعر کی طرف اشارہ تھا جس کو وہ ہمیشہ پڑھا کرتا تھا اضاعونی والے

فتی اضا عوا اُسنے عرض کی "نہین۔ آپ نے ہمسایگی کا پورا حق ادا کیا"[1] اِسکے بعد اُسنے عیش پرستی سے توبہ کی۔ اور امام صاحب کے حلقۂ درس مین بیٹھنے لگا۔ رفتہ رفتہ علم فقہ مین مہارت حاصل کی۔ اور فقیہ کے لقب سے ممتاز ہوا۔

امام صاحب کے والد نے امام کے سن رشد سے پہلے قضا کی۔ لیکن والدہ مدت تک زندہ رہین اور امام کو اُنکی خدمت گذاری کا کافی موقع ہاتھ آیا۔ وہ مزاج کی شکی تھین اور جیسا کہ عورتون کا قاعدہ ہے واعظون اور قصہ گویون کے ساتھ نہایت عقیدت رکھتی تھین کوفہ مین عمرو بن ذر ایک مشہور واعظ تھے۔ اُنکے ساتھ خاص عقیدت تھی۔ کوئی مسئلہ پیش آتا تو امام صاحب کو حکم دیتین کہ عمرو بن ذر سے پوچھ آؤ۔ امام تعمیل ارشاد کیلیئے اُن کے پاس جا کر مسئلہ پوچھتے۔ وہ عذر کرتے کہ آپ کے سامنے مین کیا زبان کھول سکتا ہون۔ فرماتے کہ "والدہ کا یہی حکم ہے"۔ اکثر ایسا ہوتا کہ عمرو کو مسئلہ کا جواب نہ آتا۔ امام صاحب سے درخواست کرتے کہ آپ مجھکو بتا دین۔ مین اُسی کو آپ کے سامنے دہرا دون۔

کبھی کبھی اصرار کرتین کہ مین خود چلکر پوچھون گی۔ خچر پر سوار ہوتین۔ امام صاحب پا پیادہ ساتھ ہوتے۔ خود مسئلہ کی صورت بیان کرتین اور اپنے کانون سے جواب سُن لیتین تب تسکین ہوتی۔ ایک دفعہ امام صاحب سے پوچھا کہ یہ صورت پیش آئی ہے مجھکو کیا کرنا چاہیے امام صاحب نے جواب بتایا۔ بولین کہ تمہاری سند نہین۔ زرعہ واعظ تصدیق کرین تو مجھکو اعتبار آئیگا امام صاحب اُنکو لیکر زرعہ کے پاس گئے۔ اور مسئلہ کی صورت بیان کی زرعہ نے کہا آپ مجھسے زیادہ جانتے ہین۔ آپ کیون نہین بتا دیتے۔ امام صاحب نے فرمایا مین نے یہ فتوی دیا تھا۔ زرعہ نے کہا بالکل صحیح ہے یہ سنکر اُنکو تسکین ہوئی اور گھر واپس آئین۔ ابن ہبیرہ نے جب امام صاحب کو بالاکر میر منشی مقرر کرنا

---

[1] یہ واقعہ بہت سی کتابون مین مختلف طریقہ سے مذکور ہے مین نے کتاب الدخانی و ابن خلکان و مسعود سجان کی روایت اختیار کی ہے۔

جاتا اور انکار کے جرم پر دُرّے لگوائے۔ اُسوقت امام کی والدہ زندہ تھیں۔ ان کو نہایت صدمہ ہو
امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ "مجھکو اپنی تکلیف کا چنداں خیال نہ تھا۔ البتہ یہ رنج ہوتا تھا کہ میری
تکلیف کی وجہ سے والدہ کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے"

رقت طبع

امام صاحب اگرچہ نہایت رقیق القلب تھے اور کسی کو تکلیف اور رنج کی حالت میں دیکھتے
تو بیتاب ہو جاتے۔ ایک دفعہ مسجد میں بیٹھے تھے کسی نے آکر کہا کہ فلاں شخص کوٹھے سے گر پڑا
دفعۃً اس زور سے چیخ اُٹھے کہ مسجد میں تہلکہ پڑ گیا۔ حلقۂ درس چھوڑ کر برہنہ پا دوڑے اور اُس شخص
کے گھر پر جا کر بہت کچھ غمخواری اور ہمدردی کی جب تک وہ اچھا نہ ہوا روزانہ صبح کو جاتے اور
اُسکی تیمارداری کرتے۔ تاہم اپنے اوپر کوئی مصیبت آن پڑتی تو اس استقلال سے برداشت کرتے
کہ لوگوں کو تعجب ہوتا۔ عمّال اور اہل دربار کے ہاتھ سے اکثر اُنکو تکلیفیں پہنچیں مگر کبھی اُن کے

استقلال

پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔ نہایت مضبوط دل رکھتے تھے اور ضبط و استقلال گویا
مایہ خمیر تھا۔

ایک دن جامع مسجد میں درس دے رہے تھے مستفیدوں اور ارادتمندوں کا مجمع تھا اتفاقاً
چھت سے ایک سانپ گرا اور امام کی گود میں آیا۔ تمام لوگ گھبرا کر بھاگ گئے مگر وہ اُسی
اطمینان سے بیٹھے رہے امام مالک کو بھی ایکبار ایسا ہی اتفاق پیش آیا۔ اور وہ اُن کی
تاریخ زندگی کا مشہور اور دلچسپ واقعہ ہے۔

بات نہایت کم کرتے اور غیر ضروری باتوں میں کبھی دخل نہ دیتے۔ درس میں بھی معمول
تھا کہ شاگرد آپس میں نہایت آزادی سے بحثیں کرتے۔ آپ چپ بیٹھے سنا کرتے۔ جب بحث
زیادہ بڑھ جاتی اور کسی بات کا تصفیہ نہوتا تو قول فیصل بیان کر دیتے کہ سب کو تشفی ہو جاتی

حفظ لسان

غیبت سے پرہیز رکھتے اس نعمت کا شکر ادا کرتے کہ خدا نے میری زبان کو اس آلودگی

سے پاک رکھا۔ ایک شخص نے کہا حضرت! لوگ آپکی شان میں کیا کچھ نہیں کہتے مگر آپ سے میں نے
کسی کی برائی نہیں سُنی۔ فرمایا ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ امام سفیان ثوری سے
کسی نے کہا۔ ابو حنیفہ کو میں نے کسی کی غیبت کرتے نہیں سُنا۔ اُنھوں نے کہا کہ "ابو حنیفہ ایسے
بیوقوف نہیں کہ اپنے اعمال صالحہ کو۔ آپ برباد کریں"

قسم کھانی برا جانتے تھے اور اُس سے بہت پرہیز کرتے تھے۔ عہد کر لیا تھا کہ اتفاقاً بھی ہی
خطا کا مرتکب ہونگا تو ایک درہم کفارہ دونگا۔ اتفاق سے بھول کر کسی موقع پر قسم کھالی
اُسکے بعد عہد کیا کہ اب بجائے درہم کے دینار دونگا۔

ذکر و عبادت

نہایت مرتاض اور زاہد تھے۔ ذکر و عبادت میں اُنکو مزہ آتا تھا اور بڑے ذوق و خلوص
سے ادا کرتے تھے۔ اِس باب میں اُنکی شہرت ضرب المثل ہو گئی تھی۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ
اُنکی پرہیزگاری اور عبادت کے واقعات تواتر کی حد کو پہنچ گئے ہیں" اکثر نماز میں یا قرآن پڑھنے
کے وقت رقت طاری ہوتی اور گھنٹوں رویا کرتے۔ ابراہیم بصری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ
نماز فجر میں میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ شریک تھا۔ امام نماز نے یہ آیت پڑھی ولا تحسبن
اللہ غافلا عما یعمل الظالمون یعنے خدا کو ظالموں کی کردار سے بیخبر نہ سمجھنا امام ابو حنیفہ پر ایسی
حالت طاری ہوئی کہ سارا بدن کانپنے لگا۔ زایدہ کہتے ہیں کہ مجھکو ایک ضروری مسئلہ دریافت
کرنا تھا امام ابو حنیفہ کے ساتھ نماز عشا میں شریک ہوا اور منتظر رہا کہ نوافل سے فارغ ہوں
تو دریافت کروں وہ قرآن پڑھتے پڑھتے اِس آیت پر پہنچے ووقانا عذاب السموم بار بار
اِس آیت کو پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور وہ یہی آیت پڑھتے رہے۔ ایک بار نماز
میں یہ آیت پڑھی بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر یعنے قیامت گنہگاروں
کا وعدہ گاہ ہے اور قیامت سخت مصیبت کی چیز اور ناگوار چیز ہے" اِسی آیت میں رات ختم

ہوگئی۔ بار بار پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے۔

یزید بن کمیت ایک مشہور عابد اور امام صاحب کے ہمعصر تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ مین ایک دفعہ نماز عشا مین امام ابوحنیفہ کے ساتھ شریک تھا امام نماز نے اذا زلزلت پڑھی لوگ نماز پڑھکر چلے گئے مین ٹھہرا رہا امام ابوحنیفہ کو دیکھا کہ بیٹھے ٹھنڈی سانسین بھر رہے ہین یہ دیکھکر مین اُٹھہ آیا کہ اُنکے اوقات مین خلل نہ ہو۔ صبح کو مسجد مین گیا تو دیکھا کہ غم زدہ بیٹھے ہین۔ ڈاڑھی ہاتھہ مین ہے اور بڑی رقت سے کہہ رہے ہین "اے وہ! جو ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر بدی دونون کا بدلہ دیگا نعمان اپنے غلام کو آگ سے بچانا"

عبرت پذیری

ایک دن بازار مین چلے جاتے تھے۔ ایک لڑکے کے پاؤن پر پاؤن پڑ گیا وہ چیخ اٹھا اور کہا کہ تو خدا سے نہین ڈرتا۔ امام کو غش آگیا۔ مسعر بن کدام۔ ساتھہ تھے اُنھون نے سنبھالا۔ ہوش مین آئے تو پوچھا کہ ایک لڑکے کی بات پر اس قدر بیقراری ہوجانا کیا تھا؟ فرمایا "کیا عجب کہ اُسکی آواز غیبی ہدایت ہو"

ایک دفعہ حسب معمول دوکان پر گئے۔ نوکر نے کپڑون کے تھان نکالکر رکھے اور تفاؤل کے طور پر کہا۔ خدا ہمکو جنت دے۔ امام صاحب پر رقت طاری ہوئی اور اس قدر روئے کہ شانے تر ہوگئے۔ نوکر سے کہا دوکان بند کردو۔ آپ چہرہ پر رومال ڈالکر کسی طرف نکل گئے دوسرے دن دوکان پر گئے تو نوکر سے کہا۔ بھائی! ہم اس قابل کہان ہین کہ جنت کی آرزو کرین۔ یہی بہت ہے کہ عذاب الٰہی مین گرفتار نہون۔ حضرت عمر فاروق رضؓ بھی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "قیامت کے دن اگر چھپے نہ مواخذہ ہو نہ انعام ملے۔ تو مین بالکل راضی ہون"

ایک دفعہ کسی کو مسئلہ بتا رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا ابوحنیفہ! خدا سے ڈرکر فتوے دیا کرو۔ امام صاحب پر اسکا اس قدر اثر ہوا کہ چہرہ کی رنگت زرد پڑ گئی۔ اُس شخص کی طرف

مخاطب ہوئے۔ اور کہا وہ بھائی! خدا انکو جزائے خیر دے اگر مجھکو یہ یقین نہ ہوتا کہ خدا مجھسے مواخذہ کریگا کہ تو نے جان کر علم کو کیوں چھپایا۔ تو مین ہرگز فتوے نہ دیتا" کوئی مسئلہ مشکل آجاتا اور جواب نہ معلوم ہوتا تو متردد ہوتے کہ غالباً مین کسی گناہ کا مرتکب ہوا۔ یہ اسی کی شامت ہے۔ پھر وضو کر کے نماز پڑہتے۔ اور استغفار کرتے۔ فضیل بن عیاض کہ مشہور صوفی گذرے ہین ان سے کسی نے یہ حکایت بیان کی۔ بہت روئے اور کہا کہ ابوحنیفہ کے گناہ کم تھے اسی لیے اونکو یہ خیال ہوتا تھا۔ جو لوگ گناہون مین غرق ہین انپر ہزار آفتین آتی ہیں اور مطلق خبر نہین ہوتی کہ یہ غیبی تنبیہ ہے"

تقسیم اوقات

معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں درس دیتے۔ دور دور سے استفتے آئے ہوتے۔ انکے جواب لکھتے پھر تدوین فقہ کی مجلس منعقد ہوتی۔ بڑے بڑے نامور شاگردون کا مجمع ہوتا جو مسائل اتفاق رائے سے طے ہوتے قلمبند کیے جاتے۔ نماز ظہر پڑھ کر گھر آتے۔ گرمیون مین ہمیشہ ظہر کے بعد سو رہتے۔ نماز عصر کے بعد کچھہ دیر تک درس و تعلیم کا شغل رہتا۔ باقی وقت دوستون سے ملنے ملانے۔ بیمارون کی عیادت۔ ماتم پرسی۔ غریبون کی خبر گیری مین صرف ہوتا۔ مغرب کے بعد پھر درس کا سلسلہ شروع ہوتا اور عشا تک رہتا۔ نماز عشا پڑھکر عبادت مین مشغول ہوتے اور اکثر رات رات بھر نہ سوتے۔ جاڑون مین مغرب کے بعد مسجد ہی مین سو رہتے اور تیسرے پہر یا دس بجے اُٹھکر نماز عشا پڑہتے۔ پھر تمام رات تہجد اور ورد و وظائف مین گذرتی۔ کبھی کبھی دوکان پر بیٹھتے اور وہین یہ تمام مشاغل انجام پاتے۔

ذہانت اور طباعی فتوی اور مناظرات۔ نصائح اور دلپذیر باتین

جو چیز امام صاحب کی قوت ایجاد۔ حدت طبع۔ دقت نظر۔ وسعت معلومات۔ غرض انکے

تمام کمالات علمی کا آئینہ ہے۔ وہ علم فقہ ہے جسکی ترتیب و تدوین مین اُنکو وہ پایہ حاصل ہے جو ارسطو کو منطق اور اقلیدس کو ہندسہ مین۔ لیکن اُسپر تفصیلی بحث کرنے کے لیئے ایک مستقل کتاب درکار ہے۔ اسی ضرورت سے ہمنے اپنی کتاب کا دوسرا حصّہ۔ اس بحث کے لیئے خاص کردیا ہے۔ اس موقع پر صرف وہ واقعات لکھتے ہین جو امام صاحب کی علمی تاریخ کے عام واقعات ہین۔ لیکن غور سے دیکھو تو وہ بھی بجائے خود اصول ہین جن پر سیکڑون مسائل کی بنیاد قائم ہے"۔

اس مقام پر یہ کہدینا ضرور ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مناظرات اور نکتہ آفرینیون کے متعلق بہت بے سروپا افسانے شہرت پکڑ گئے ہین اور طرّہ یہ کہ بعض مشہور مصنفون نے بغیر تحقیق و تنقید کے اُنکو اپنی تالیفات مین نقل کردیا جس سے عوام کو اپنے غلط خیالات کے لیئے ایک دستاویز ہاتھ آگئی۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی فن مین کمال کے ساتھ شہرت حاصل کرتا ہے اُسکی نسبت اچھی یا بُری سیکڑون روایتین خود بخود پیدا ہو جاتی ہین اور بعض حالتون مین اس قدر عام زبانون پر قبضہ کرلیتی ہین کہ خواص تک کو اُن پر تواتر کا دہوکا ہوتا ہے لطف یہ کہ معتقدین جوش اعتقاد مین ایسی باتین کرجاتے ہین جس کو وہ مدح سمجھتے ہین اور در اصل ذم ہوتی ہے۔ اسی طرح مخالف۔ عیب و منقصت کی مثالین پیش کرتا ہے۔ حالانکہ غور سے دیکھیئے تو اُن واقعات سے بجائے اسکے کہ اُس شخص کی بُرائی ثابت ہو مدح کا پہلو نکلتا ہے۔ امام ابو حنیفہ بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہین ہین۔ بعض مصنفون نے اون کی ذہانت اور طباعی کے ذیل مین بہت سے ایسے قصے لکھدیے ہین جنکو خدانخواستہ ہم سچ تسلیم کرین تو عیاذًا باللہ امام صاحب کو حیلہ جو۔ چالاک۔ متفنی سخن ساز۔ ماننا پڑے گا۔ لیکن وہ روایتین تاریخی اصول سے ثابت نہین اور اسی وجہ سے اہل تحقیق خصوصًا محدثین نے اُنکے لکھنے سے

ہمیشہ پرہیز کیا ہے۔ ہم بھی اُنکو قلم انداز کرتے ہین اور انہین روایتون پر اکتفا کرتے ہین جو بظن غالب ثابت اور صحیح ہین۔

اس مین شبہہ نہیں کہ امام صاحب کو اور ائمہ کی نسبت مناظرہ اور مباحثہ کے موقعے زیادہ پیش آئے۔ اُنھون نے علوم شرعیہ کے متعلق بہت سے ایسے نکتے ایجاد کیے تھے جو عام طبیعتون کی دسترس سے باہر تھے۔ اسی لئے ظاہر بینون کا ایک بڑا گروہ جنمین بعض مقدس سادہ دل بھی شامل تھے اُنکا مخالف ہوگیا تھا۔ اور ہمیشہ اُن سے بحث و مناظرہ کے لیے تیار رہتا تھا۔ امام صاحب کو بھی مجبوراً اُن کے شبہات رفع کرنے پڑتے تھے اس اتفاقی سبب نے مناظرہ اور مباحثہ کا ایک وسیع سلسلہ قائم کردیا تھا لیکن امام صاحب کے مناظرات اسی پر محدود نہین۔ مناظرہ اُسوقت درس کا ایک خاص طریقہ تھا اور امام صاحب نے اکثر اساتذہ سے اسی طریقہ پر تعلیم پائی تھی۔ عیون والحدائق کے مصنف نے انکے تذکرہ مین لکھا ہے کہ اُنھون نے شعبی۔ طاؤس۔ عطاء سے مناظرات کیئے "یہ لوگ امام صاحب کے اساتذۂ خاص ہیں اور وہ اُن لوگونکا نہایت ادب کرتے تھے پس مناظرہ سے مقصود وہی درس کا مخصوص طریقہ ہے جو اُس عہد مین عموماً مروج تھا۔[۱]

رفع یدین کے مسئلہ مین امام اوزاعی سے مناظرہ

امام اوزاعی کہ اقلیم شام کے امام اور فقہ مین مذہب مستقل کے بانی تھے۔ مکہ معظمہ مین امام ابوحنیفہ سے ملے۔ اور کہا کہ عراق والون سے نہایت تعجب ہے کہ رکوع مین۔ اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت۔ رفع یدین کرتے تھے" حالانکہ مین نے زہری سے اُنھون نے سالم بن عبداللہ سے اُنھون نے عبداللہ بن عمر سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان موقعون پر رفع یدین کرتے تھے" امام ابوحنیفہ نے اُسکے مقابلہ مین حماد۔ ابراہیم نخعی۔ علقمہ۔ عبداللہ بن مسعود کے سلسلہ

[۱] امام صاحب کے بعض مناظرات مورخ خطیب نے تاریخ بغداد مین اور امام رازی نے اس آیۃ کی تفسیر مین علّم آدم الاسمار کلہا لکھے ہین۔ اور عقود الجمان مین زیادہ استقصا کیا ہے۔ انکے علاوہ اور کتابون مین بھی جستہ جستہ مذکور ہین ۱۲

سے حدیث روایت کی کہ آنحضرتؐ ان موقعون پر رفع یدین نہین فرماتے تھے۔ امام اوزاعی نے
کہا سبحان اللہ! مین تو زہری سالم عبد اللہ کے ذریعے سے حدیث بیان کرتا ہون۔ آپ اس کے
مقابلہ مین۔ حماد۔ نخعی۔ علقمہ کا نام لیتے ہین" امام ابو حنیفہ نے کہا۔ میری رواۃ آپ کی رواۃ سے
زیادہ فقیہ ہین اور عبد اللہ بن مسعود کا رتبہ تو معلوم ہی ہے۔ اس لئے اُنکی روایت کو ترجیح ہے۔
امام رازی نے اس مناظرہ کو مناقب الشافعی مین نقل کیا ہے[1] اور گو واقعہ کی صحت سے انکار نہین
کرسکتے تاہم یہ نکتہ چینی کی ہے کہ حسی واقعات مین تفقہ کو کیا دخل ہے۔

اس اصول پر مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصہ مین ہوگی۔ یہان امام رازی کے حوالہ
سے یہ مقصود ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہے جس سے شافعیون کو بھی انکار نہین۔ اس مسئلہ کے
متعلق امام محمد نے کتاب الحج مین ایک لطیف بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہین کہ ہماری روایت
عبد اللہ بن مسعود تک منتہی ہوتی ہے۔ اور فریق مخالف کی عبد اللہ بن عمر تک اسی لئے بحث کا
تمام تر مدار اسپر آجاتا ہے کہ ان دونون مین کسکی روایت ترجیح کے قابل ہے۔ عبد اللہ بن مسعود
آنحضرت کے زمانہ مین پوری عمر کو پہنچ چکے تھے اور جیسا کہ حدیثون مین آیا ہے جماعت کی صف
اول مین جگہ پاتے تھے۔ بخلاف اسکے عبد اللہ بن عمر کا محض آغاز تھا اور انکو دوسری
تیسری صف مین کھڑا ہونا پڑتا تھا۔ اسی لئے آنحضرت کے حرکات وسکنات سے واقف ہونے
کے جو موقعے عبد اللہ بن مسعود کو ملسکے۔ عبد اللہ بن عمر کو کیونکر حاصل ہو سکتے تھے۔ امام محمد کا
یہ طرز استدلال حقیقت مین اصول درایت پر مبنی ہے۔ امام ابو حنیفہ صاحب نے اپنی
تقریر مین عبد اللہ بن مسعود کی عظمت وشان کا جو ذکر کیا اس مین اسی کی طرف اشارہ ہے۔

---

[1] علامہ ابن الہمام نے اس مناظرہ کو فتح القدیر مین ذکر کیا ہے اور حجۃ اللہ البالغہ کے مختلف مقامات
مین اسکے اشارے پائے جاتے ہین ۱۲

قرأت خلف الامام

ایک دن بہت سے لوگ جمع ہو کر آئے کہ قرأۃ خلف الامام کے مسئلہ مین امام صاحب سے گفتگو کرین۔ امام صاحب نے کہا دو اتنے آدمیون سے مین تنہا کیونکر بحث کر سکتا ہون البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اس مجمع مین سے کسی کو انتخاب کرین جو سب کی طرف سے اس خدمت کا کفیل ہو اور اُسکی تقریر پورے مجمع کی تقریر سمجھی جائے" لوگون نے منظور کیا۔ امام صاحب نے کہا وہ آپ نے یہ تسلیم کیا تو بحث کا خاتمہ بھی ہو گیا آپ نے جس طرح ایک شخص کو سب کی طرف سے بحث کا مختار کر دیا۔ اسی طرح امام نماز بھی تمام مقتدیون کی طرف سے قرأت کا کفیل ہے"

یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ امام نے ایک شرعی مسئلہ کو صرف عقلی طور پر طے کر دیا۔ بلکہ حقیقت مین یہ اُس حدیث کی تشریح ہے جسکو خود امام صاحب نے بسند صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے کہ من صلی خلف الامام فقرأۃ الامام قرأۃ لہ یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت بھی اُسکی قرأت ہے"

یہ امام صاحب کی مختصات مین ہے کہ وہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو ایسے عام فہم طریقہ سے سمجھا دیتے تھے کہ مخاطب کے ذہن نشین ہو جاتا تھا اور بحث نہایت جلد اور آسانی سے طے ہو جاتی تھی ایک دفعہ ضحاک خارجی جو خارجیون کا ایک مشہور سردار تھا اور بنوامیہ کے زمانہ مین کوفہ پر قابض ہو گیا تھا۔ امام صاحب کے پاس آیا اور تلوار دکھا کر کہا کہ توبہ کرو" اُنھون نے پوچھا کس بات سے ضحاک نے کہا۔ تمہارا عقیدہ ہے کہ علی (علیہ السلام) نے معاویہ کے جھگڑے مین ثالثی مان لی تھی۔ حالانکہ جب وہ حق پر تھے تو ثالث ماننے کے کیا معنے" امام صاحب نے فرمایا کہ ور اگر میرا قتل مقصود ہے تو اور بات ہے ورنہ اگر تحقیق حق منظور ہے تو مجھکو تقریر کی اجازت دو" ضحاک نے کہا مین بھی مناظرہ ہی چاہتا ہون۔ امام صاحب نے فرمایا اگر بحث آپس مین نہ طے ہو تو کیا علاج؟ ضحاک نے کہا ہم دونون ایک شخص کو منصف قرار دین

چنانچہ ضحاک ہی کے ساتھیوں میں سے ایک شخص انتخاب کیا گیا کہ دونوں فریق کی صحت و غلطی کا تصفیہ کرے۔ امام صاحب نے فرمایا "یہی تو حضرت علی علیہ السلام نے بھی کیا تھا پھر ان پر کیا الزام ہے" ضحاک دم بخود ہو گیا۔ اور چپکا اٹھکر چلا آیا۔

ایک ضحاک نے ایک بار کوفہ پہنچکر قتل عام کا حکم دیدیا۔ امام صاحب کو خبر ہوئی وہ ٹوٹے لگے اور پوچھا کہ "آخر ان لوگون نے کیا جرم کیا ہے" اسنے کہا یہ سب مرتد ہو گئے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا "پہلے ان لوگون کا کچھ اور مذہب تھا جسکو انھون نے چھوڑ دیا۔ یا ہمیشہ سے یہی مذہب رکھتے تھے جواب رکھتے ہیں؟ ضحاک نے کہا۔ کیا کہا پھر کہنا! امام صاحب نے زیادہ فصاحت سے بیان کیا۔ ضحاک نے کہا بے شبہ ہمری خطا تھی۔ اسی وقت حکم دیا کہ تلوارین نیام مین کرلی جاوین"

قتادہ بصری۔ جنکا مختصر حال امام صاحب کے اساتذہ کے ذکر مین ہم لکھ آئے ہین کوفہ مین آئے۔ اور اشتہار دیدیا کہ "مسائل فقہ مین جسکو جو پوچھنا ہو پوچھے۔ مین ہر مسئلہ کا جواب دونگا" چونکہ وہ مشہور محدث اور امام تھے۔ بڑا مجمع ہوا۔ جوق جوق لوگ آتے تھے اور مسئلے دریافت کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ بھی موجود تھے۔ کھڑے ہوکر پوچھا کہ "ایک شخص سفر مین گیا چند برس کے بعد اسکے مرنے کی خبر آئی۔ اسکی بیوی نے دوسرا نکاح کر لیا اور اس سے اولاد ہوئی۔ چند روز کے بعد وہ شخص واپس آیا۔ اولاد کی نسبت اسکو انکار ہے کہ ہمری صلب سے نہین ہے زوج ثانی دعوی کرتا ہے کہ میری ہے تو آیا دونون اس عورت پر زنا کا الزام لگاتے ہین یا صرف وہ شخص جو ولدیت سے انکار کرتا ہے" قتادہ نے کہا "یہ صورت پیش بھی آئی ہے" امام نے کہا نہین۔ لیکن علما کو پہلے تیار رہنا چاہیئے کہ وقت پر تردد نہ ہو۔ قتادہ کو فقہ سے زیادہ تفسیر مین دعوے تھا۔ بولے کہ ان مسائل کو رہنے دو۔ تفسیر کے متعلق جو پوچھنا ہو

قتادہ بصری سے مناظرہ قتادہ

پوچھو۔ امام ابوحنیفہ نے کہا اس آیت کے کیا معنے ہین قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اتیک
بہ قبل ان یرتد الیک طرفک یہ وہ قصہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے درباریون سے
بلقیس کے تخت لانے کی فرمائش کی اور ایک شخص نے جو غالباً آصف بن برخیا۔ حضرت سلیمان
کے وزیر تھے دعوے کیا کہ چشم زدن مین لادون گا اہل کتاب کی روایۃ ہے کہ آصف بن برخیا اسم
اعظم جانتے تھے جس کی تاثیر سے ایک دم مین شام سے یمن پہنچکر تخت اوٹھا لائے۔ یہی روایۃ
عام مسلمانون مین پھیل گئی تھی اور اسی کے مطابق اس آیۃ کا مطلب لگایا جاتا تھا۔ قتادہ نے
بھی یہی معنی بیان کئے ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے کہا حضرت سلیمان خود بھی اسم اعظم جانتے تھے
یا نہیں،، قتادہ نے کہا "نہین،، امام صاحب نے کہا۔ کیا "آپ اس بات کو جائز رکھتے ہین کہ نبی
کے زمانہ مین ایسا شخص موجود ہو جو خود نبی نہ ہو اور نبی سے زیادہ علم رکھتا ہو" قتادہ کچھ جواب
نہ دے سکے۔ اور کہا کہ عقائد کی نسبت پوچھو۔ امام صاحب نے کہا "آپ مومن ہین،، اکثر محدثین
اپنے آپ کو مومن کہتے ہوئے ڈرتے تھے اور اسکو احتیاط مین داخل سمجھتے تھے حسن بصری
سے ایک شخص نے یہی سوال کیا تھا جسکے جواب مین انھون نے کہا کہ "انشاء اللہ،، پوچھنے والے
نے کہا کہ "انشاء اللہ،، کا کیا محل ہے" فرمایا کہ "مین اپنے تئین مومن تو کہون مگر ڈرتا ہون کہ خدا
یہ نہ کہدے کہ تو جھوٹ کہتا ہے" قتادہ نے بھی امام ابوحنیفہ کے سوال کا یہی جواب دیا" لیکن
حقیقت مین یہ ایک قسم کی وہم پرستی ہے۔ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو شخص خدا اور رسول پر
اعتقاد رکھتا ہے وہ قطعاً مومن ہے اور اس کو سمجھنا چاہیئے کہ مین مومن ہون۔ البتہ اگر اس مین
شک ہے تو قطعی کافر ہے۔ اور پھر انشاء اللہ کہنا بھی بیکار ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اس عام غلطی
کو مٹانا چاہا۔ قتادہ سے پوچھا آپ نے یہ قید کیون لگائی۔ انھون نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام
نے کہا تھا۔ کہ "مجھکو امید ہے کہ خدا قیامت کے دن میرے گناہون کو معاف کر دے۔

امام ابوحنیفہ نے کہا خدا نے حضرت ابراہیم سے جب یہ سوال کیا کہ اولم تؤمن تو انھون نے جواب مین "بلیٰ" کہا تھا۔ یعنی ہان مین مومن ہون۔ آپ نے حضرت ابراہیم کے اس قول کی کیون تقلید نہ کی۔ قتادہ ناراض ہوکر اٹھے اور گھر مین چلے گئے[1]۔

یحییٰ بن سعید سے مناظرہ

یحییٰ بن سعید انصاری۔ کوفہ کے قاضی تھے۔ اور منصور عباسی کے دربار مین بڑا جاہ و اعتبار رکھتے تھے۔ تاہم کوفہ مین انکا وہ اثر قائم نہ ہوسکتا تھا جو امام ابوحنیفہ صاحب کا تھا اس پر انکو تعجب ہوتا تھا۔ اور لوگون سے کہا کرتے تھے کہ "کوفہ والے بھی عجب سادہ دل ہین۔ تمام شہر ایک شخص کے اشارون پر حرکت کرتا ہے" امام ابوحنیفہ نے ابویوسف و زفر اور چند ممتاز شاگردون کو بھیجا کہ قاضی یحییٰ سے مناظرہ کرین۔ امام ابویوسف نے تقریر شروع کی۔ مسئلہ یہ تھا کہ ایک غلام اگر دو شخصون مین مشترک ہو اور صرف ایک شخص آزاد کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہین؟ قاضی یحییٰ نے کہا "نہین کر سکتا۔ کیونکہ حدیث مین آیا ہے لا ضرر ولا ضرار یعنے وہ کام جس سے کسی شخص کو ضرر پہنچے جائز نہین صورت زیر بحث مین۔ چونکہ دوسرے شریک کا ضرر ہے۔ اسی لئے شریک اول ایسے فعل کا مجاز نہین ہو سکتا امام ابویوسف نے کہا۔ اگر دوسرا شریک آزاد کرے؟ قاضی یحییٰ بولے۔ تب جائز ہے اور غلام آزاد ہوجائے گا۔ امام ابویوسف نے کہا "آپ نے خود اپنے قول کی مخالفت کی کیونکہ آپ کے نزدیک ایک شریک کے آزاد کرنے سے غلام آزاد نہین ہوتا یعنے اسی طرح غلام کا غلام رہتا ہے صورت مذکورہ مین جب ایک شریک نے آزاد کیا تو آپ کے نزدیک اس کا یہ فعل بالکل بے اثر ہے یعنے وہ اسی طرح غلام باقی رہا جیسا پہلے تھا۔ اب صرف دوسرے

[1] اس مناظرہ کو خطیب نے تاریخ بغداد مین۔ اور حافظ ابوالمحاسن نے عقود الجمان مین کسی قدر اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے ۱۲۔

شریک کے آزاد کرنے سے کیونکر آزاد ہو سکتا ہے"۔

قاضی ابن ابی لیلی کے فیصلہ پر نکتہ چینی

محمد بن عبدالرحمن جو زیادہ تر ابن ابی لیلی کے لقب سے مشہور ہیں بڑے مشہور فقیہ اور صاحب الرائے تھے۔ ۳۳ برس کوفہ میں منصب قضا پر مامور رہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان میں کسی قدر شکر رنجی تھی جسکی وجہ یہ تھی کہ فیصلوں میں وہ غلطی کرتے تھے تو امام صاحب اسکی اصلاح کرنی چاہتے تھے۔ یہ انکو ناگوار معلوم ہوتا تھا۔ لیکن امام صاحب اظہار حق پر مجبور تھے قاضی صاحب مسجد میں بیٹھکر انفصال مقدمات کیا کرتے تھے ایک دن کام سے فارغ ہوکر مجلس قضا سے اٹھے۔ راہ میں ایک عورت کو دیکھا کہ کسی سے جھگڑ رہی ہے کھڑے ہو گئے اثنار گفتگو میں عورت نے اس شخص کو یا ابن الزانیتین کہدیا۔ یعنی "اے زانی اور زانیہ کے بیٹے"۔ قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت گرفتار کر لی جائے۔ پھر مجلس قضا میں واپس آئے اور حکم دیا کہ عورت کو کھڑی کر کے درّے لگائیں۔ اور دو حد ماریں۔ امام ابو حنیفہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ فرمایا کہ قاضی صاحب نے اس فیصلہ میں چند غلطیاں کیں۔ مجلس قضا سے اٹھکر واپس آئے اور دوبارہ اجلاس کیا۔ یہ آئین عدالت کے خلاف ہے۔ مسجد میں حد مارنے کا حکم دیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔ عورت کو بٹھا کر حد مارنی چاہیئے۔ قاضی صاحب نے اسکے خلاف کیا۔ ایک لفظ سے ایک ہی حد لازم آتی ہے اور دو حدیں لازم بھی آئیں تو ایک ساتھ دونوں کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔ ایک حد کے بعد مجرم کو چھوڑ دینا چاہیئے کہ زخم بالکل بھر جائیں پھر دوسرے حد کی تعمیل ہو سکتی ہے جس کو گالی دی گئی اس نے جب دعوے نہیں کیا تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنے کا کیا اختیار تھا قاضی ابن ابی لیلی نہایت برہم ہوئے اور گورنر کوفہ سے جاکر شکایت کی کہ ابو حنیفہ نے مجھکو تنگ کر رکھا ہے۔ گورنر نے حکم بھیجدیا کہ ابو حنیفہ فتوے نہ دینے پائیں۔ امام صاحب

اگرچہ حق کے خلاف کسی حاکم و امیر کے حکم کی پرواہ نہین کرتے تھے تاہم چونکہ فتویٰ دینا فرض کفایہ تھا اور کوفہ مین اور بہت سے علما موجود تھے۔ اسی لئے حاکم وقت کی اطاعت کو مقدم رکھا اور بغیر کسی عذر کے حکم کی تعمیل کی۔ ایک دن گھر مین بیٹھے تھے۔ اُن کی لڑکی نے مسئلہ پوچھا کہ مین آج روزہ سے ہون۔ دانتون سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ گلے سے اتر گیا۔ روزہ جاتا رہا یا باقی ہے؟" امام صاحب نے فرمایا کہ جان پدر۔ اپنے بھائی حماد سے پوچھ۔ مین فتویٰ دینے سے منع کر دیا گیا ہون۔" مورخ ابن خلکان نے اس روایت کو نقل کرکے لکھا ہے کہ اطاعت حکم اور امانت کی اس سے بڑھکر کیا مثال ہوسکتی ہے[1]" چند روز کے بعد گورنر کوفہ کو اتفاق سے فقہی مسائل مین مشکلات پیش آئین اور امام ابوحنیفہ کی طرف رجوع کرنا پڑا جسکی وجہ سے امام صاحب کو پھر فتویٰ دینے کی عام اجازت حاصل ہوگئی۔

دیانت

امام صاحب کے مناظرات مین کہین کہین ہم اُس ادعا اور جوش مقابلہ کا اثر پاتے ہین جو بظاہر اُنکی تواضع اور بے نفسی کے خلاف ہے۔ لیکن یہ انسانی جذبات ہین جن سے کوئی شخص بری نہین ہوسکتا۔ ہمنے امام شافعی۔ امام مالک۔ امام بخاری۔ امام مسلم۔ اور بڑے بڑے ائمہ کے مناظرات کتابون مین پڑے ہین۔ اُن مین اس سے زیادہ ادعا اور حوصلہ مندی کا زور پایا جاتا ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ اگر اس قسم کی باتین بزرگون کے حالات مین مذکور نہ ہوتین تو ہمکو شبہہ ہوتا کہ تذکرہ نویسون نے اُن بزرگون کی اصلی تصویر نہین دکھائی ہے بلکہ اپنی خوش اعتقادیون کا خاکہ کھینچا ہے۔ ایک حکیم نے نہایت سچ کہا ہے کہ وہ کسی نامور یا مقتدا کے حالات لکھو تو اُسکے وہ خصائل بھی ضرور دکھاؤ جنمین انسانی فطرت کی جھلک نظر آتی ہے اس سے لوگون کو اچھے کامون مین اُنکی تقلید کی خواہش پیدا ہوگی۔ بنخلاف اسکے اگر بالکل

---

[1] ابن خلکان۔ ترجمہ محمد بن عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ ۱۲

فرشتہ بنا کر پیش کرینگے تو لوگ شاید اُنکی پرستش کرنے پر آمادہ ہو جائیں لیکن اُنکی ریس کرنے کا خیال ہرگز نہ پیدا ہوگا۔ وہ سمجھینگے کہ یہ شخص انسانی دائرہ سے باہر تھا۔ ہم انسان ہو کر کیونکر اُس کی تقلید کر سکتے ہیں۔"

ایک دن حسن اتفاق سے۔ امام سفیان ثوری۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ۔ شریک۔ امام ابو حنیفہ۔ ایک مجلس میں جمع تھے۔ شائقین علم کو اس سے عمدہ کیا موقع ملسکتا تھا۔ ایک شخص نے آکر مسئلہ پوچھا کہ چند آدمی ایک جگہ مجتمع تھے۔ دفعتہً ایک سانپ نکلا اور ایک شخص کے بدن پر چڑھنے لگا۔ اُس نے گھبرا کر پھینکدیا وہ دوسرے شخص پر جا گرا۔ اُسنے بھی اضطراب میں ایسا ہی کیا۔ یوں ہی ایک دوسرے پر پھینکتے رہے یہانتک کہ اخیر شخص کو اُسنے کاٹا اور وہ مرگیا۔ دیت کس پر لازم آئے گی"۔ یہ فقہ کا ایک دقیق مسئلہ تھا۔ سب کو تامل ہوا۔ کسی نے کہا سب کو دیت دینی ہوگی بعضوں نے کہا صرف پہلا شخص ذمہ دار ہوگا۔ سب کے سب مختلف الرائے تھے اور باوجود بحث کے کچھ تصفیہ نہیں ہوتا تھا۔ امام ابو حنیفہ چپ تھے اور مسکراتے جاتے تھے۔ آخر سب نے اُن کی طرف خطاب کیا کہ آپ بھی تو اپنا خیال ظاہر کیجئے۔ امام صاحب نے فرمایا جب پہلے شخص نے دوسرے پر پھینکا اور وہ محفوظ رہا تو پہلا شخص بری الذمہ ہو چکا۔ اسی طرح دوسرا اور تیسرا بھی۔ بحث اگر ہے تو صرف اخیر شخص کی نسبت ہے۔ اُس کی دو حالتیں ہیں۔ اگر اُس کے پھینکنے کے ساتھ ہی سانپ نے اُس شخص کو کاٹا تو اُسپر دیت لازم آئے گی اگر کچھ وقفہ ہوا تو یہ شخص بھی بری الذمہ ہو چکا۔ اب اگر سانپ نے اُسکو کاٹا تو اُس کی خود غفلت ہے کہ اُسنے اپنی حفاظت میں جلدی اور تیز دستی کیوں نہ کی"۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا۔ اور امام کی جودت طبع کی تحسین کی۔

رائے و تدبیر۔ عقل و فراست۔ ذہانت و طباعی۔ امام صاحب کے وہ مشہور اوصاف

استدلال

رائے تدبیر و ذہانت و طباعی

ہیں جنکو موافق و مخالف سب نے تسلیم کیا ہے۔ محمد انصاری کہا کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ کی ایک ایک حرکت یہانتک کہ بات چیت۔ اٹھنے بیٹھنے۔ چلنے پھرنے میں دانشمندی کا اثر پایا جاتا تھا۔ علی بن عاصم کا قول تھا کہ اگر آدھی دنیا کی عقل ایک پلہ میں اور ابو حنیفہ کی عقل دوسرے پلہ میں رکھی جاتی تو ابو حنیفہ کا پلہ بھاری رہتا۔ خارجہ بن مصعب کہا کرتے تھے کہ میں کم و بیش ایک ہزار عالموں سے ملا ہوں۔ جن میں۔ عاقل صرف تین چار شخص دیکھے ایک ان میں ابو حنیفہ تھے۔"

ہمارے تذکروں اور رجال کی کتابوں میں علما کے وہ اوصاف جن کا ذکر خصوصیت کیساتھ کیا جاتا ہے۔ تیزی ذہن۔ قوت حافظہ۔ بے نیازی۔ تواضع۔ قناعت۔ زہد۔ اتقا۔ غرض اس قسم کے اوصاف ہوتے ہیں۔ لیکن عقل و رائے۔ فراست و تدبیر۔ کا ذکر تک نہیں آتا۔ گویا یہ باتیں۔ دنیا داروں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اسی بات کو علامہ ابن خلدون نے اس پیرایہ میں لکھا ہے کہ "علما کا گروہ انتظام اور ریاست سے بالکل مناسبت نہیں رکھتا"، اور یہ بالکل سچ ہے۔ حالانکہ اگر سچ پوچھئے تو علما میں ان اوصاف کی زیادہ ضرورت ہے۔ اسلام بخلاف اور مذہبوں کے۔ دین کے ساتھ دنیوی انتظامات کا بھی متکفل ہے۔ خلفائے اولین کے حالات پڑھو۔ سیاست اور انتظام ملکی کے لحاظ سے تمام دنیا کے سلاطین اور فرمانروان میں کون شخص انکا ہمسر کہا جا سکتا ہے؟

بے شبہہ اس خصوصیت کے اعتبار سے امام ابو حنیفہ۔ تمام فرقہ علما میں ممتاز ہیں کہ وہ مذہبی امور کے ساتھ دنیوی ضرورتوں کے بھی اندازہ دان تھے۔ یہی بات ہے کہ اُن کا مذہب سلطنت وحکومت کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اسلام میں سلطنت و حکومت کے جو بڑے بڑے سلسلے قائم ہوئے۔ مذہباً اکثر حنفی ہی تھے۔

امام ابوحنیفہ اگرچہ شاہی تعلقات سے آزاد رہے لیکن قوم اور ملک کے ساتھ اُنکے جو تعلقات تھے وہ خود ایک ملکی حیثیت رکھتے تھے جسکے فرائض کو اُنھوں نے اس دانائی اور ہوشمندی کے ساتھ انجام دیا جو ایک مدبر سلطنت کے شایان تھا۔ وہ اپنے ہمعصروں کی طرح اپنے تلامذہ کو یہ نہیں سکھاتے تھے کہ زندگی کی ضروریات میں امیروں اور رئیسوں کی فیاضیوں کا مُنہ تکتے رہیں۔ وہ خود کسی کے دست نگر نہیں ہوئے۔ اور شاگردوں کو بھی اسی کی تعلیم کی۔ ہم نے اُنکے شاگردوں کی مفصل فہرست دیکھی ہے۔ اُن میں اکثر ایسے لوگ ہیں جو حلقۂ درس سے اُٹھکر ملکی عہدوں پر پہنچے اور نہایت قابلیت و دیانت سے اپنی خدمتوں کو انجام دیا قاضی ابویوسف صاحب۔ جو ہرون الرشید کے عہد میں صیغہ قضا کے وزیر تھے اور جنکی حسن تدبیر و انتظام نے اس صیغہ کو اس قدر وسیع و باقاعدہ مرتب کر دیا کہ اُس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اور زمانہ مابعد میں بھی اُس سے بڑھکر نہ ہوسکا یہ امام ابوحنیفہ ہی کی صحبت کا فیض تھا۔

یہ ضرور ہے کہ ملکی تعلقات کے ساتھ مذہب اور اخلاق کے فرائض کو سنبھالنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن امام صاحب اِس سے بیخبر نہ تھے۔ وہ شاگردوں کو ہمیشہ ایسی ہدایتیں کرتے تھے۔ جن کی پابندی سے دنیا و دین دونوں حاصل ہوں جو اِس آیت کی تفسیر ہے آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ قاضی ابویوسف کو امام صاحب کی زندگی میں اگرچہ دربار سے کوئی تعلق نہیں پیدا ہوا تھا۔ تاہم اُنکی قابلیت اور امام صاحب کی تعلیم نے جو لیاقت اُن میں پیدا کر دی تھی اُسکے جوہر صاف نظر آتے تھے۔ اسی لحاظ سے امام صاحب نے اُن کو کچھ ہدایتیں لکھکر دیں۔ جو تمام مہمات دینی اور دنیوی کے لئے دستور العمل تھیں۔ یہ تحریر[1]

[1] اشباہ والنظایر کے اخیر میں یہ وصیت تمامہا مذکور ہے اور میں نے اُسی سے التقاط کیا ہے ۱۲

کتابون مین مقول ہے۔ افسوس ہے کہ تطویل کے لحاظ سے ہم اُسکو تمامہا نہین نقل کر سکتے تاہم موقع اور مقام کی رعایت سے اُسکا انتخاب دکھانا ضرور ہے۔

قاضی ابویوسف کیلئے جو ہدایت نامہ لکھا تھا اُسکے بعض مقامات

اس تحریر مین پہلے سلطان وقت کے تعلقات کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہین کہ "بادشاہ کے پاس بہت کم آمد ورفت رکھنا۔ اُس سے ہر وقت اس طرح پُرخطر رہنا جیسا انسان آگ سے احتیاط رکھتا ہے۔ جب تک کوئی خاص ضرورت نہ ہو دربار مین نہ جانا کہ اپنا اعزاز اور وقار قائم رہے۔ اگر اتفاق سے دربار مین ایسے لوگ موجود ہون جنسے تمکو واقفیت نہ ہو تو اُنکی پرہیز کرنا کیونکہ جب انکا رتبہ معلوم نہین تو ممکن ہے کہ مخاطبت اور گفتگو مین اُن سے جو برتاؤ کیا جاوے اُن کی شان کے مناسب نہ ہو۔ وہ اگر تم سے زیادہ بلند رتبہ ہین اور تم نے اس کا لحاظ نہین کیا تو بے تمیزی سمجھی جائے گی۔ اگر معمولی آدمی ہین اور تم نے زیادہ تعظیم وتکریم کی تو بادشاہ کی آنکھ مین تمہاری ذلت ہوگی۔ بادشاہ اگر تمکو عہدۂ قضا پر مقرر کرنا چاہیے تو پہلے دریافت کر لینا کہ وہ تمہارے طریقۂ اجتہاد سے موافق ہے یا نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ سلطنت کے دباؤ سے تم کو اپنی رائے کے خلاف عمل کرنا پڑے۔ جس عہدہ اور خدمت کی تم مین قابلیت نہ ہو اُسکو ہرگز نہ قبول کرنا"۔

ان ہدایتون مین اگرچہ بادشاہ کی حرمت وتوقیر کی بہت تاکید کی ہے لیکن اظہار حق کے موقع پر پوری آزادی سے کام لیا ہے چنانچہ اخیر مین لکھتے ہین کہ "اگر کوئی شخص شریعت مین کسی بدعت کا موجد ہو تو علانیہ اُس کی غلطی کا اظہار کرنا۔ کہ اور لوگون کو اُس کی تقلید کی جرات نہ ہو۔ اس بات کی کچھ پروا نکرنا کہ وہ شخص جاہ وحکومت رکھتا ہے۔ کیونکہ اظہار حق مین خدا تمہارا مددگار ہوگا۔ اور وہ اپنے دین کا آپ محافظ وحامی ہے۔ خود بادشاہ سے اگر کوئی نامناسب حرکت صادر ہو تو صاف کہدینا کہ گو مین عہدہ وخدمت کے لحاظ سے آپ کا مطیع ہون

تاہم آپ کو ایکی غلطی پر مطلع کردینا میرا فرض ہے۔ پھر بھی زمانے تو تنہائی مین سمجھانا کہ آپ کا یہ فعل قرآن مجید اور احادیث نبوی کے خلاف ہے۔ اگر سمجھ گیا تو خیر ورنہ خدا سے دعا کرنا کہ آپ کی شر سے تمکو محفوظ رکھے۔“

زندگی کے معمولی کاروبار کے متعلق بھی نہایت عمدہ ہدایتین کین ہین۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہین کہ تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھنا اس سے فراغت ہوچکے تو جائز ذریعون سے دولت حاصل کرنا کیونکہ ایک وقت علم و دولت دونون کی تحصیل نہین ہوسکتی۔ پھر نکاح کرنا لیکن اسوقت جب یہ یقین ہو کہ اہل و عیال کی تمام ذمہ داریان اٹھا سکوگے۔ ایسی عورت سے شادی نکرنا جو دوسرے شوہر سے اولاد رکھتی ہو۔ عام آدمیون اور خصوصاً دولتمندون سے کم میل جول رکھنا ورنہ انکو گمان ہوگا کہ تم ان سے کچھ توقع رکھتے ہو اور اس خیال سے وہ رشوت دینے پر آمادہ ہون گے۔ بازار مین جانا۔ دوکانون پر بیٹھنا۔ راستہ یا مسجد مین کوئی چیز کھا لینے سقایات۔ یا سقاؤن کے ہاتھ سے پانی پی لینا۔ ان باتون سے احتراز رہے۔ کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو صرف سوال کا جواب دو۔ اپنی طرف سے کچھ نہ بڑھاؤ۔ عقائد کے متعلق عوام سے گفتگو نہین کرنی چاہیے۔ شاگردون کے ساتھ ایسے خلوص اور محبت سے پیش آؤ کہ کوئی غیر دیکھے تو سمجھے کہ تمہاری اولاد ہین۔ عام اور معمولی رتبہ کے لوگ مناظرہ کرنا چاہین تو احتراز کرو۔ کسی شہر مین جانا ہو تو وہان کے علما و فضلا سے اس طرح ملو کہ انکو رقابت کا خیال نہ ہو۔ علمی تذکرہ آئے تو جو بات کہو خوب سوچ سمجھکر کہو اور وہی کہو جسکا کافی ثبوت دے سکتے ہو۔ مناظرہ کے وقت نہایت جرأت و استقلال سے کام لو ورنہ دل مین ذرا بھی خوف ہوگا تو خیالات مجتمع نہ سکین گے۔ اور زبان مین لغزش ہوگی جو لوگ داب مناظرہ سے واقف نہین یا مکابرہ کرنا چاہتے ہیں ان سے ہرگز گفتگو نہین کرنی چاہیے۔ مناظرہ کیوقت

غصہ نہ کرنا چاہیئے۔ ہنسنا کم چاہیئے۔ زیادہ ہنسی سے دل افسردہ ہوتا ہے۔ جو کام کرو
اطمینان اور وقار کے ساتھ کرو۔ کوئی شخص جب تک سامنے سے نہ پکارے کبھی جواب نہ دو
کیونکہ پیچھے سے پکارنا جانورون کے لئے مخصوص ہے۔ رستہ چلو تو راین باین نہ دیکھو۔ حمام
مین جاؤ تو عام آدمیون کی بہ نسبت زیادہ اجرت دو صبح اور دوپہر کے وقت حمام مین نہ جاؤ
گفتگو مین سختی نہ ہو اور آواز بلند نہ ہونے پائے۔ کوئی چیز خریدنی ہو تو خود بازار نہ جاؤ بلکہ نوکر کو
بھیجکر منگوالو۔ خانگی کاروبار۔ دیانتدار نوکرون کے ہاتھ مین چھوڑ دینا چاہیئے۔ کہ تم کو اپنی
مشاغل کے لیئے کافی وقت اور فرصت ہاتھ آئے۔ بادشاہ کے قریب سکونت نہ اختیار کرو۔
ہر بات سے بے پروائی اور بے نیازی ظاہر ہو۔ اور فقر کی حالت مین بھی وہی استغنا قائم رہے
عام آدمیون مین بیٹھکر وعظ نہ کہو۔ کیونکہ ایسے موقع پر واعظ اکثر جھوٹ بولنے پر مجبور ہوتا ہے
شاگردون مین کسی کو فقہ کے درس کی اجازت دو تو خود بھی اُسکی درسگاہ مین شریک ہو کہ اُسکے
متعلق رائے قائم کرسکو۔ وہ اگر کبھی غلطی کرجائے تو بتادو ورنہ تمہارے چپ رہنے سے لوگون
کو گمان ہوگا کہ اُسنے جو کہا صحیح کہا۔ فقہ کے سوا اور علوم کی مجلس ہو تو خود نجاؤ بلکہ اپنے معتمد دوستو
یا شاگردون کو بھیجدو کہ وہ آکر تم سے پورے حالات بیان کرین"

"ہر بات مین تقوے اور امانت کو پیش نظر رکھو۔ خدا کے ساتھ دل سے وہی معاملہ
رکھو جو لوگون کے سامنے ظاہر کرتے ہو۔ جس وقت اذان کی آواز آئے فوراً نماز کے لئے تیار ہو جاؤ
ہر مہینہ مین دو چار دن روزہ کے لئے مقرر کرلو۔ نماز کے بعد ہر روز کسی قدر وظیفہ پڑھا کرو۔
قرآن کی تلاوت قضا نہ ہونے پائے۔ دنیا پر بہت نہ مائل ہو۔ اکثر قبرستان مین نکل جایا کرو۔
لہو ولعب سے پرہیز رکھو۔ ہمسایہ کی کوئی بُرائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو"

"اہل بدعت سے بچتے رہو۔ نماز مین جب تک تم کو لوگ خود امام نہ بنائین امام نہ ہو

جو لوگ تم سے ملنے آئیں اُن کے سامنے علمی تذکرہ کرو۔ اگر وہ اہلِ علم ہوں گے تو فائدہ اُٹھائیں گے ورنہ کم از کم اُن کو تم سے محبت پیدا ہوگی۔"

عبدالعزیز بن رداد کو خلیفہ نے دربار میں بلایا۔ وہ امام صاحب کے شاگرد تھے۔ مشورہ کے لئے ان کے پاس آئے اور کہا کہ "خلیفہ نے طلب کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے سامنے وعظ کہوں۔ مگر کیا کہوں اور کس طریقہ سے کہوں۔ اس میں آپ کی ہدایت چاہتا ہوں۔"

امام صاحب نے فرمایا۔ یہ کہنا کہ "اے امیرالمومنین دنیا کے طلب کرنے کی تین غرضیں ہو سکتی ہیں۔ عزت۔ ملک۔ مال۔ یہ سب آپ کو حاصل ہیں۔ اب تقویٰ اور عمل صالح بھی اختیار کیجئے کہ دنیا و آخرت دونوں دولتیں حاصل ہوں۔"

اس موقع پر امام صاحب کے حکیمانہ مقولے بھی سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو علم نے بھی معاصی اور فواحش سے نہ باز رکھا اُس سے زیادہ زیاں کار کون ہوگا۔ "جو شخص علم دین میں گفتگو کرے اور اُس کو یہ خیال نہ ہو کہ ان باتوں کی باز پرس ہوگی وہ مذہب اور خود اپنے نفس کی قدر نہیں جانتا۔" اگر "علما خدا کے دوست نہیں ہیں تو عالم میں خدا کا کوئی دوست نہیں۔" "جو شخص قبل از وقت۔ ریاست کی تمنا کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے۔" "جو شخص علم کو دنیا کے لئے سیکھتا ہے۔ علم اُسکے دل میں جگہ نہیں پکڑتا۔" "سب سے بڑی عبادت ایمان اور سب سے بڑا گناہ کفر ہے پس جو شخص افضل ترین عبادت کا پابند۔ اور بدترین معاصی سے محترز ہے۔ اُس کی مغفرت کی بہر حال اُمید کیجا سکتی ہے۔"

"جو شخص حدیث سیکھتا ہے اور اُس سے استنباط مسائل نہیں کرتا وہ ایک عطار ہے جس کے پاس دوائیں ہیں لیکن یہ نہیں جانتا کہ کون کس مرض کے لیئے ہے۔" جو شخص

علم کا مذاق نہیں رکھتا اُسکے آگے علمی گفتگو کرنی اُس کو اذیت دینی ہے۔" اپنے دوست (نفس) کے لئے گناہ جمع کرنے اور دشمن (وارثا) کے لیے مال فراہم کرنا کیسی غلطی ہے۔"

ایک شخص نے پوچھا فقہ کے حاصل ہونے میں کیا چیز معین ہو سکتی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا "دلجمعی" اُس نے عرض کی کہ دلجمعی کیونکر حاصل ہو۔ ارشاد ہوا کہ "تعلقات کم کئے جائیں" پوچھا کہ تعلقات کیونکر کم ہوں۔ جواب دیا کہ "انسان ضروری چیزیں لیلے اور غیر ضروری چھوڑ دے"۔ ایک بار کسی نے سوال کیا کہ حضرت علیؑ اور امیر معاویہؓ کی لڑائیوں کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں۔ فرمایا کہ "قیامت میں جن باتوں کی پرسش ہوگی مجھکو اُن کا ڈر لگا رہتا ہے اِن واقعات کو خدا مجھسے نہ پوچھے گا۔ اسی لئے اُسپر توجہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں"

اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ وہ اس بحث کے متعلق اپنی ذاتی رائے نہیں رکھتے تھے خود اُن کا قول ہے کہ حضرت علیؑ کی نظیر اگر ہمارے سامنے موجود نہ ہوتی تو ہم نہ بتاسکتے کہ باغیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ ان باتوں کو اسلام کا ایک ضروری مسئلہ قرار دینا اور اُس پر بحثوں کا دفتر تیار کرنا ایک فضول کام ہے۔ اور اسی کی طرف امام صاحب نے اشارہ کیا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص تحصیل علم کی غرض سے امام صاحب کے پاس حاضر ہوا اور سفارشی خط پیش کیا۔ امام صاحب نے فرمایا "علم میں سعی سفارش کا کام نہیں۔ علما کا خود فرض ہے کہ اُن کو جو کچھ آتا ہو دوسروں کو بھی بتائیں۔ علم کے دربار میں خاص عام کی کوئی تفریق

نہین"۔ ایک دن گورنر کوفہ نے کہا آپ ہم سے کیون الگ رہتے ہین۔ فرمایا روٹی کا ایک ٹکڑا اور معمولی کپڑا امن و عافیت سے ملجائے تو اُس عیش سے بہتر ہے جس کے بعد ندامت اُٹھانی پڑے"۔ اسی مضمون کو ایک شاعر نے نہایت خوبی اور سادگی سے ادا کیا ہے وہ کہتا ہے

دو قرص نان اگر گندم است یا از جو	دو تائے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو
چہار گوشۂ دیوار خود بخاطر جمع +	کہ کس نگوید ازین جا بخیز و آنجا رو
ہزار بار فزون تر بہ نزد ابن یمین	ز فر مملکت کیقباد و کیخسرو

امام صاحب کے بعض اشعار

امام صاحب کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے لیکن تشبیب و غزل کی حیثیت سے نہیں بلکہ وعظ و پند کے طور پر۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ومن المروۃ للفتی　　ما عاش دار فاخرۃ
فاشکر اذا اوتیتہا　　واعمل لدار الآخرۃ

یعنی انسان جبتک زندہ ہے عزت و آبرو کے لئے اُسکو اچھا مکان چاہیئے۔ ایسا مکان نصیب ہو تو شکر کرنا چاہیئے اور عاقبت کے مکان کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔

ذہانت و طباعی

امام صاحب کی ذہانت اور طباعی عموماً ضرب المثل ہے۔ یہانتک کہ اُنکا اجمالی ذکر بھی کہین آجاتا ہے تو ساتھ ہی یہ صفت بھی ضرور بیان کیجاتی ہے علامہ ذہبی نے عبر فی اخبار من غبر مین اُنکا ترجمہ نہایت اختصار کے ساتھ لکھا ہے تاہم اس فقرہ کو نہ چھوڑ سکے کہ کان من اذکیاء بنی آدم یعنی اولاد آدم مین جو نہایت ذکی گزرے ہین امام ابوحنیفہ اُن مین شمار کئے جاتے ہین"۔ مشکل سے مشکل مسئلون مین اُنکا ذہن اس تیزی سے لڑتا تھا کہ لوگ حیران رہجاتے تھے۔ اکثر موقعون پر اُنکے ہمعصر جو معلومات کے لحاظ سے اُنکے ہمسر تھے موجود ہوتے تھے۔ اُنکو حل مسئلہ بھی معلوم ہوتا تھا لیکن جو واقعہ درپیش ہوتا تھا اُس سے مطابق

کرکے فوراً جواب بتا دینا امام صاحب ہی کا کام تھا۔

ایک شخص کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہوا اور قسم کھا کر کہا کہ جب تک تو مجھ سے نہ بولیگی میں تجھ سے کبھی نہ بولونگا۔ عورت تند مزاج تھی اُسنے بھی قسم کھالی اور وہی الفاظ دوہرائے جو شوہر نے کہے تھے۔ اُسوقت تو غصہ میں کچھ نہ سوجھا مگر پھر خیال آیا تو دونوں کو نہایت افسوس ہوا۔ شوہر۔ امام سفیان ثوری کے پاس گیا اور صورت واقعہ بیان کی۔ سفیان نے کہا قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ اِس سے چارہ نہیں۔" وہ مایوس ہوکر اُٹھا اور امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ للّٰہ آپ کوئی تدبیر بتائیے۔ امام صاحب نے فرمایا جاؤ شوق سے باتیں کرو۔ کسی پر کفارہ نہیں ہے۔ امام سفیان ثوری کو معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے اور امام ابوحنیفہ سے جا کر کہا کہ آپ لوگوں کو غلط مسئلے بتا دیا کرتے ہیں۔ امام صاحب نے اُس شخص کو بلا بھیجا اور کہا کہ تم دوبارہ واقعہ کی صورت بیان کرجاؤ اُسنے اعادہ کیا امام صاحب سفیان کی طرف مخاطب ہوئے۔ اور کہا کہ میں نے پہلے جو کہا تھا اب بھی کہتا ہوں سفیان نے کہا کیوں؟ فرمایا کہ "جب عورت نے شوہر کو مخاطب کرکے وہ الفاظ کہے تو عورت کیطرف سے بولنے کی ابتدا ہوچکی۔ پھر قسم کہاں باقی رہی؟" سفیان نے کہا حقیقت میں آپ کو جو بات وقت پر سوجھ جاتی ہے۔ ہم لوگوں کا وہاں تک خیال بھی نہیں پہنچتا۔

کوفہ میں ایک شخص نے بڑی دھوم دھام سے ایک ساتھ اپنے دو بیٹیوں کی شادی کی ولیمہ کی دعوت میں شہر کے تمام اعیان و اکابر کو مدعو کیا۔ مسعر بن کدام۔ حسن بن صالح سفیان ثوری۔ امام ابوحنیفہ شریک دعوت تھے۔ لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ دفعۃً صاحب خانہ بدحواس گھر سے نکلا اور کہا غضب ہوگیا! لوگوں نے کہا خیر ہے؟ بولا کہ زفاف

ملہ اِس واقعہ کو امام رازی نے تفسیر کبیر میں نقل کیا ہے۔

کی رات عورتوں کی غلطی سے شوہر اور بیبیاں بدل گئیں۔ جو لڑکی جس کے پاس رہی وہ اسکا شوہر نہ تھا اب کیا کیا جائے۔ سفیان نے کہا امیر معاویہ کے زمانہ میں بھی ایسا ہی اتفاق ہوا تھا اس سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا۔ البتہ دونوں کو مہر دینا لازم ہوگا۔ مسعر بن کدام امام ابوحنیفہ کی طرف مخاطب ہوئے کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ امام صاحب نے کہا شوہر خود میرے سامنے آئیں تو جواب دوں۔ لوگ جاکر بلا لائے۔ امام صاحب نے دونوں سے الگ الگ پوچھا کہ رات جو عورت تمہارے ساتھ رہی وہی تمہارے نکاح میں رہے تو تم کو پسند ہے دونوں نے کہا "ہاں" امام صاحب نے کہا تو اپنی بیبیوں کو جنسے تمہارا نکاح بندھا تھا طلاق دیدو۔ اور ہر شخص اُس عورت سے نکاح پڑھلے جو اُسکے ساتھ ہم بستر رہ چکی"

سفیان نے جو جواب دیا اگرچہ فقہ کی رو سے وہ بھی صحیح تھا کیونکہ یہ صورت وطی بالشبہہ کی ہے جس سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ لیکن امام صاحب نے مصلحت کو پیش نظر رکھا وہ جانتے تھے کہ موجودہ صورت میں نکاح کا قائم رہنا غیرت وحمیت کے خلاف ہوگا۔ کسی مجبوری سے زوجین نے تسلیم بھی کرلیا تو دونوں میں وہ خلوص واتحاد نہ پیدا ہوگا جو تزویج کا مقصود اصلی ہے اسکے ساتھ مہر کی بھی تخفیف ہی کیونکہ خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دیجائے تو صرف آدھا مہر لازم آتا ہے۔

لیث بن سعد جو مصر کے مشہور امام تھے اُن کا بیان ہے کہ میں ابوحنیفہ کا ذکر اکثر سنا کرتا تھا اور اُنکے دیکھنے کا نہایت مشتاق تھا۔ حج کی تقریب سے مکہ معظمہ جانا ہوا۔ اتفاق سے ایک مجلس میں پہنچا۔ دیکھا تو بڑا ہجوم ہے۔ ایک شخص صدر کی جانب بیٹھا ہے اور لوگ اُس سے مسئلے پوچھ رہے ہیں۔ ایک شخص نے بڑھکر کہا "یا ابا حنیفہ" (یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اُنکو پہچانا) امام ابوحنیفہ۔ اُسکی طرف متوجہ ہوئے۔ اُسنے کہا "میرا ایک بد مزاج بیٹا ہے اُس کی شادی کردیتا ہوں تو بیوی کو طلاق دیدیتا ہے۔ لونڈی خرید تا ہوں تو آزاد کردیتا ہے

فرمائیے کیا تدبیر کرون" امام ابو حنیفہ نے برجستہ کہا کہ "تم اُسکو ساتھ لیکر بازار مین جہان لونڈیان
بکتی ہین جاؤ اور جو لونڈی اُس کو پسند آئے خرید کر اُس کا نکاح پڑھا دو۔ اب اگر وہ آزاد کرے گا
تو نہین کرسکتا کیونکہ لونڈی اُسکی ملک نہین طلاق دیگا تو تمہارا کچھ نقصان نہین تمہاری لونڈی
کہین نہین گئی" سعد کہتے ہین کہ مجکو جواب پر تو کم۔ لیکن حاضر جوابی پر بہت تعجب ہوا۔

ربیع جو خلیفہ منصور کا عرض بیگی تھا۔ امام ابو حنیفہ سے عداوت رکھتا تھا۔ ایک دن امام
صاحب حسب الطلب دربار مین گئے۔ ربیع بھی حاضر تھا۔ منصور سے کہا کہ "حضور! یہ شخص
امیر المومنین کے جد بزرگوار (عبد اللہ بن عباس) کی مخالفت کرتا ہے۔ انکا قول ہے کہ اگر
کوئی شخص کسی بات پر قسم کھائے اور دو ایک روز کے بعد انشاء اللہ کہدے تو وہ قسم مین
داخل سمجھا جائے گا اور قسم کا پورا کرنا کچھ ضرور نہ ہوگا۔ ابو حنیفہ اسکے خلاف فتوی دیتے ہین
اور کہتے ہین کہ انشاء اللہ کا لفظ قسم کے ساتھ ہو تو البتہ جزو قسم سمجھا جائے گا ورنہ لغو اور
بے اثر ہے" امام صاحب نے کہا امیر المومنین! ربیع کا خیال ہے کہ لوگون پر آپکی بیعت کا کچھ
اثر نہیں۔ منصور نے کہا۔ یہ کیونکر؟ امام صاحب نے کہا "انکا گمان ہے کہ جو لوگ دربار مین
آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرتے ہین اور قسم کھاتے ہین۔ گھر پر جاکر انشاء اللہ کہہ لیا
کرتے ہین جس سے قسم بے اثر ہو جاتی ہے۔ اور اُن پر شرعاً کچھ مواخذہ نہین رہتا۔ منصور ہنس
پڑا اور ربیع سے کہا کہ تم ابو حنیفہ کو نہ چھیڑو۔ انسے تمہارا داؤ نہین چل سکتا" امام صاحب دربار سے
نکلے تو ربیع نے کہا۔ آج تو آپ میری جان ہی لے چکے تھے فرمایا یہ تو تمہارا ارادہ تھا۔ مین نے
صرف مدافعت کی"

ایک دفعہ بہت سے خارجی۔ امام صاحب کے گھر پر چڑھ آئے اور کہا کہ کفر سے توبہ کرو امام صاحب
نے کہا "ہان مین تمہارے کفر سے توبہ کرتا ہون" خارجیون کا اعتقاد ہے کہ گناہ کرنے سے

انسان کافر ہوجاتا ہے۔ یعنی گناہ اور کفر ایک چیز ہے۔ امام صاحب کا مطلب یہ تھا کہ جس چیز کو
تم کفر سمجھتے ہو میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ کسی نے ان (خارجیوں) سے جا لگایا کہ ابوحنیفہ نے
تم لوگوں کو دھوکہ دیا اُن کا مطلب اور تھا۔ خارجیوں نے امام صاحب کو پکڑا کہ تم نے تاویل کیوں کی
امام نے کہا۔ تم کو یقین ہے یا محض گمان کی بنا پر میری نسبت ایسا خیال کرتے ہو۔ بولے کہ نہیں
گمان ہی گمان ہے۔" امام نے کہا تو تم کو خود توبہ کرنی چاہیئے کیونکہ خدا فرماتا ہے ان بعض الظن اثم
ایک دن مسجد میں تشریف رکھتے تھے شاگردوں کا مجمع تھا۔ دفعۃً خارجیوں کا ایک گروہ
مسجد میں گھس آیا لوگ بھاگ نکلے۔ امام صاحب نے روکا اور تسلی دی کہ ڈرو نہیں اطمینان سے
بیٹھے جاؤ۔ ایک خارجی۔ جو سب کا سردار تھا امام صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ تم کون لوگ ہو۔
امام صاحب نے فرمایا "مستجیر ہیں اور خدا نے فرمایا ہے کہ وان احدٌ من المشرکین استجارک
فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ یعنی "مشرکین میں سے کوئی شخص اگر پناہ چاہے
تو اسے پناہ دو تاکہ وہ خدا کا کلام سنے پھر اسکو اُسکے امن تک پہنچا دو" خارجی اپنے سوا مسلمانوں
کے تمام فرقوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں۔ اور واجب القتل جانتے ہیں۔ اس موقع پر وہ اسی
نیت سے آئے تھے کہ امام ابوحنیفہ۔ اپنا عقیدہ بیان کریں تو کفر کا الزام لگا کر انکو قتل کردیں۔
لیکن امام صاحب کے الزامی جواب نے انکو بالکل مجبور کردیا۔ چنانچہ اُنکے سردار نے ساتھیوں سے کہا کہ انکو
قرآن پڑھکر سنا دو اور انکو انکے گھر پہنچا آؤ"
ابو العباس جو منصور کے دربار میں ایک معزز درجہ رکھتا تھا۔ امام صاحب کا دشمن تھا اور ہمیشہ
انکو ضرر پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا۔ ایک دن امام صاحب کسی ضرورت سے دربار میں گئے
اتفاق سے ابو العباس بھی حاضر تھا۔ لوگوں سے کہا آج ابوحنیفہ میرے ہاتھ سے بچکر نہیں جا سکتے
امام صاحب کی طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ ابوحنیفہ! امیر المومنین کبھی کبھی ہم لوگوں کو بلا کر حکم

دیتے ہین کہ اُس شخص کی گردن مارو۔ ہمکو مطلق معلوم نہین ہوتا کہ وہ شخص واقعی مجرم ہے یا نہین۔ ایسی حالت مین ہمکو اس حکم کی تعمیل کرنی چاہیے یا انکار کرنا چاہیے۔ امام صاحب نے کہا تمہارے نزدیک خلیفہ کے احکام حق ہوتے ہین یا باطل؟ منصور کے سامنے کس کی تاب تھی کہ احکام خلافت کی نسبت ناجائز ہونے کا احتمال ظاہر کرسکتا۔ ابو العباس کو مجبوراً کہنا پڑا کہ حق ہوتے ہین۔ امام صاحب نے فرمایا پھر حق کی تعمیل مین پوچھنا کیا؟

ایک شخص نے قسم کھائی کہ آج اگر مین غسل جنابت کرون تو میری بیوی کو تین طلاق ہے تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ آج کی کوئی نماز قضا ہو تو میری زوجہ مطلقہ ہے۔ پھر کہا کہ اگر آج مین اپنی بیوی کے ساتھ صحبت نہ کرون تو ہمکو طلاق ہے۔ لوگون نے امام صاحب سے آکر مسئلہ پوچھا فرمایا کہ نماز عصر پڑھکر بیوی سے ہم صحبت ہو۔ اور غروب کے بعد غسل کرکے فوراً مغرب کی نماز پڑھ لے اس صورت مین سب شرطین پوری ہوگئین۔ بیوی سے ہم صحبت بھی ہوا۔ نماز بھی قضا نہین کی غسل جنابت کیا تو اسوقت کیا کہ دن گزر چکا تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص امام صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ مینے کچھ روپیے ایک جگہ احتیاط سے رکھدئے تھے۔ اب یاد نہین آتا کہ کہان رکھے تھے۔ مجھکو سخت ضرورت درپیش ہے کوئی تدبیر بتائیے امام نے فرمایا۔ بھائی! یہ مسئلہ تو فقہ مین کہیں مذکور نہین مجھسے کیا پوچھنے آئے ہو؟ اسنے زیادہ لجاجت کی تو کہا کہ آج ساری رات نماز پڑھو۔ اسنے جاکر نماز پڑھنی شروع کی اتفاق یہ کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد اسکو یاد آگیا کہ روپیے فلان جگہ رکھے تھے دوڑا ہوا امام صاحب کے پاس آیا۔ اور عرض کی کہ آپ کی تدبیر راست آئی۔ فرمایا کہ ہان شیطان کب گوارا کرتا کہ تم رات بھر نماز پڑھتے رہو اسی لئے اسنے جلد یاد دلادیا تاہم تمکو مناسب تھا کہ اسکے شکریہ مین شب بیداری کرتے اور نماز پڑھتے۔

ایک اور دن ایک شخص نے آکر کہا کہ "میں نے کچھ اسباب گھر کے کسی کونے میں گاڑ دیا تھا اب یاد نہیں آتا کہ کہاں گاڑا تھا۔ کیا کروں" امام صاحب نے کہا "تم کو یاد نہیں تو مجھکو اور بھی نہ یاد ہونا چاہیے" وہ رونے لگا۔ امام صاحب کو رحم آیا۔ چند شاگرد ساتھ لئے اور اسکے گھر پر گئے شاگردوں سے کہا کہ "اگر یہ تمہارا گھر ہوتا اور تم حفاظت کے لئے کوئی چیز چھپا کر رکھتے تو کہاں رکھتے" سب نے اپنے اپنے قیاس سے مختلف موقعے بتائے امام صاحب نے فرمایا کہ انہیں تین چار جگھوں میں سے کہیں نہ کہیں گاڑا ہوگا اُنکے کھدوانے کا حکم دیا۔ خدا کی شان تیسری جگہ کھودی تو اسباب بجنسہ مدفون ملا۔

ظرافت

امام صاحب اگرچہ نہایت ثقہ متین باوقار تھے تاہم ذہانت کی شوخیاں کبھی کبھی ظرافت کا رنگ دکھاتی تھیں۔ ایک دن اصلاح بنوا رہے تھے۔ حجام سے کہا کہ "سفید بالوں کو چن لینا" اُسنے عرض کی کہ جو بال چنے جاتے ہیں اور زیادہ نکلتے ہیں۔ امام صاحب نے کہا "یہ قاعدہ ہے تو سیاہ بالوں کو چن لینا کہ اور زیادہ نکلیں،" قاضی شریک نے یہ حکایت سُنی تو کہا کہ "ابوحنیفہ نے حجام کے ساتھ بھی قیاس کو نچھوڑا"۔

امام صاحب کے محلہ میں ایک پنہارا رہتا تھا۔ جو نہایت متعصب شیعہ تھا۔ اُسکے پاس دو خچر تھے تعصب سے ایک کا ابوبکر اور دوسرے کا عمر نام رکھا تھا۔ اتفاق سے ایک خچر نے لات ماری کہ اُس کا سر پھوٹ گیا اور اُسی صدمہ سے مر گیا محلہ میں اسکا چرچا ہوا امام صاحب نے سُنا تو کہا۔ دیکھنا! اُسی خچر نے مارا ہوگا جس کا نام اُسنے عمر رکھا تھا۔ لوگوں نے دریافت کیا تو واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔

کوفہ میں ایک غالی شیعہ تھا۔ جو حضرت عثمان کی نسبت کہا کرتا تھا کہ "یہودی تھے" امام صاحب ایک دن اسکے پاس گئے اور کہا کہ تم اپنی بیٹی کی نسبت ڈھونڈھتے تھے۔ ایک

شخص موجود ہے جو شریف بھی ہے۔ دولتمند بھی ہے۔ اسکے ساتھ پرہیزگار، قائم اللیل حافظ قرآن ہے"۔ شیعی نے کہا "تو اس سے بڑھکر کون ملے گا۔ آپ ضرور شادی ٹھہرا دیجئے"۔ امام صاحب نے کہا "صرف اتنی بات ہے کہ مذہباً یہودی ہے"۔ وہ نہایت برہم ہوا اور کہا "سبحان اللہ آپ یہودی سے رشتہ داری کرنے کی رائے دیتے ہیں"۔ امام صاحب نے فرمایا "کیا ہوا۔ خود پیغمبر خدا نے جب یہودی کو (تمہارے اعتقاد کے موافق) داماد بنایا تو تم کو کیا عذر ہے"۔ خدا کی قدرت۔ اتنی بات سے اسکو تنبیہ ہوگئی اور اپنے عقیدہ سے توبہ کی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حصۂ دوم

امام صاحب کی تصنیفات

فقہ اکبر

امام صاحب کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں اُنکے یہ نام ہیں - فقہ اکبر۔ العالم والمتعلم مسند فقہ اکبر۔ عقائد کا ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ مسائل اور ترتیب قریب وہی ہے جو عقائد نسفی وغیرہ کی ہے۔ یہ رسالہ چھپ گیا ہے اور ہر جگہ مل سکتا ہے۔ لوگوں نے اس پر شرحیں بھی لکھی ہیں۔ مثلاً محی الدین محمد بن بہاء الدین المتوفی ۹۵۳ھ - مولوی الیاس بن ابراہیم السینوبی - مولیٰ احمد بن محمد المغنیساوی - حکیم اسحق - شیخ اکمل الدین - ملا علی القاری - ملا علی قاری کی شرح متداول ہے بعض اور شرحوں کے نسخے بھی جابجا قلمی پائے جاتے ہیں - حکیم اسحق کی شرح کو ابو البقاء احمدی نے ۹۱۸ھ میں نظم کیا - اور اصل کتاب کو ابراہیم بن حسام نے جو شریفی کے نام سے مشہور ہیں۔

العالم والمتعلم

مسند

العالم والمتعلم۔ سوال وجواب کے طور پر ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ لیکن ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ مسند کے متعدد نسخے ہیں جنکو ابو المؤید محمد بن محمود الخوارزمی المتوفی ۶۶۵ھ نے یکجا جمع کر دیا ہے۔ دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ بلاد شام میں بعض جاہلوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ امام ابو حنیفہ کو فن حدیث میں چنداں دخل نہ تھا اور اسی وجہ سے حدیث میں اُن کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ اس پر مجھکو حمیت مذہبی کا جوش ہوا اور میں نے چاہا کہ اُن تمام مسندوں کو

یک جاکردون جو علماے امام ابو حنیفہ کی حدیثون سے مرتب کئے ہین اور جنکی تفصیل حسب ذیل
ہے (۱) مسند حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبد اللہ الاستاذ
(۲) مسند امام ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد (۳) مسند حافظ ابو الحسن محمد بن المظفر بن موسی
بن عیسی۔ (۴) مسند حافظ ابو نعیم الاصبہانی (۵) مسند شیخ ابو بکر محمد بن عبد الباقی محمد الانصاری
(۶) مسند امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی (۷) مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی۔ (۸) مسند
ابو بکر احمد بن محمد خالد الکلاعی (۹) مسند امام یوسف قاضی (۱۰) مسند امام محمد (۱۱) مسند حماد بن امام
ابو حنیفہ (۱۲) آثار امام محمد (۱۳) مسند امام ابو القاسم عبد اللہ بن العوام العدی۔

ابو المؤید الخوارزمی نے جن مسندون سے نام لکھے ہیں اُنکے سوا اور بھی مسانید ہین مثلاً
مسند حافظ ابو عبد اللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی المتوفی ۵۲۳ھ مسند حصفکی جسکی شرح ملا علی قاری
نے لکھی۔ مسند امام مہدی۔ مسند ابن البزازی المتوفی ۸۲۷ھ۔ ان مسندونکی شرحین بھی لکھی گئیں۔

جو لوگ امام صاحب کے سلسلۂ کمالات مین تصنیف و تالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے
ہیں۔ وہ انہین مصنفہ بالا کتابون کو شہادت مین پیش کرتے ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ان
تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس سے انکار نہین ہوسکتا
کہ امام صاحب کی زندگی مین ایک مجموعۂ فقہ مرتب ہوگیا تھا جسکے حوالے عقود الجمان وغیرہ
مین جا بجا ملتے ہیں۔ لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ وہ نسخہ معدوم ہوگیا اُس زمانہ کی ہزارون
تصنیفات کے نام۔ تراجم کی کتابون مین مذکور ہیں۔ لیکن دو تین کے سوا ایک کا بھی دنیا کے
کسی کتب خانہ مین پتہ نہین چلتا۔ خود امام صاحب کے ہمعصرون مین سے سفیان ثوری۔ امام
اوزاعی۔ حماد بن سلمہ۔ ہشیم۔ معمر۔ جریر بن عبد الحمید۔ عبد اللہ بن المبارک نے حدیث و فقہ مین
بڑی بڑی کتابین لکھین۔ لیکن آج انکا نام ہی نام رہ گیا ہے اور ایک کا بھی وجود نہین

امام رازی نے مناقب الشافعی میں تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔

مسند خوارزمی۔ گو امام صاحب کا مسند کہنا مجازی اطلاق ہے۔ خوارزمی خود ساتویں صدی میں تھے۔ جن مسندوں کو جمع کیا ہے۔ وہ بھی اکثر تیسری چوتھی صدی یا اس سے بھی بعد کی ہیں۔ حماد۔ قاضی ابویوسف۔ البتہ امام صاحب کے ہمعصر ہیں اور انکا مسند بے شبہ امام ابوحنیفہ کا مسند کہا جا سکتا تھا۔ لیکن خوارزمی کے سوا اور کسی نے ان مسندوں کا نام نہیں لیا ہے۔ حالانکہ حدیث کی کتاب جب تک مشہور اور مستند روایتوں سے نہ ثابت ہو اُس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے نزدیک اس بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کا فیصلہ کافی ہے۔ وہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ "طبقہ رابعہ کی وہ کتابیں ہیں جنکے مصنفوں نے ایک مدت دراز کے بعد اُن روایتوں کو جمع کرنا چاہا جو دو پہلے طبقوں میں موجود نہ تھیں۔ اور گمنام مسندوں اور مجموعوں میں پائی جاتی تھیں۔ ان لوگوں نے انکو بلند نام کرنا چاہا۔ حالانکہ وہ حدیثیں اُن لوگوں کی زبانوں پر تھیں جن کا محدثین اعتبار نہیں کرتے مثلاً زیادہ گو واعظین اور اہل بدعت اور ضعیف الرواۃ یا وہ صحابہ اور تابعین کے آثار۔ یا بنی اسرائیل کے قصے تھے۔ یا حکما اور واعظین کے مقولے تھے جنکو راویوں نے رسول اللہ کے کلام سے مخلوط کر دیا تھا۔ یا قرآن اور حدیث کے محتمل مضامین تھے جنکو اُن نیک آدمیوں نے بالمعنی روایت کیا جو فن روایت کی باریکیوں سے ناواقف تھے۔ ان لوگوں نے ان باتوں کو رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیا۔ یا ایسے مضامین تھے جو قرآن اور حدیث سے مستنبط ہوتے تھے۔ اُنکو قصداً حدیث نبوی بنا دیا۔ یا مختلف حدیثوں کے ٹکڑے تھے جو ایک عبارت میں مرتب کر دیے گئے۔ اس قسم کی حدیثیں کتاب الضعفاء ابن حبان کامل ابن عدی۔ تصنیفات خطیب۔ و ابونعیم و جوزقانی۔ و ابن عساکر۔ و ابن نجار و دیلمی میں مل سکتی ہیں۔ مسند خوارزمی بھی قریباً اسی طبقہ میں داخل ہے۔"

شاہ ولی اللہ صاحب نے ذرا سختی کی۔ بات اتنی ہے کہ جن مسندوں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے شاگردوں نے لکھے اُن کا نہ تاریخوں سے ثبوت ملتا ہے نہ وہ خود کہیں پائے جاتے ہیں۔ جو مسند۔ امام صاحب کے زمانہ سے بہت پیچھے لکھے گئے وہ البتہ موجود ہیں لیکن اُنکی حدیثوں کا امام صاحب تک بسند صحیح متصل پہنچنا نہایت مشتبہ ہے اس سے بڑھکر یہ کہ بعض بعض مسانید میں بے اعتباری کی اندرونی شہادتیں موجود ہیں۔ مسند حصکفی میں کئی روایتیں۔ امام صاحب کی طرف منسوب ہیں جنکو اُنھوں نے خود صحابہ سے سُنا اور روایت کیا ہے۔ حالانکہ امام صاحب کا صحابہ سے روایت کرنا محدثانہ تحقیقات کی رو سے ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا خوارزمی نے آثار امام محمد کو بھی امام کی مسانید میں داخل کیا ہے بے شبہہ اس کتاب میں اکثر روایتیں امام صاحب ہی سے ہیں۔ اس لیئے ناظرین کو اختیار ہے کہ اسکو امام ابوحنیفہ کا مسند کہیں یا آثار امام محمد کے نام سے پکاریں لیکن یاد رہے کہ امام محمد نے اس کتاب میں بہت سے آثار اور حدیثیں دوسرے شیوخ سے بھی روایت کی ہیں۔ اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب امام محمد کی طرف زیادہ موزون ہے۔

فقہ اکبر

فقہ اکبر۔ گو اگرچہ فخر الاسلام بزدوی۔ عبد العلی بحر العلوم۔ و شارحین فقہ اکبر نے امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے لیکن ہم مشکل سے اسپر یقین کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف بیان کی جاتی ہے اُسوقت تک یہ طرز تحریر پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ بطور ایک متن کے ہے اور ایسی اختصار و ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے جو متاخرین کا خاص انداز ہے ایک جگہ اُس میں جوہر عرض کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ یہ فلسفیانہ الفاظ اُسوقت تک زبان حال میں داخل نہیں ہوئے تھے بے شبہہ منصور عباسی کے زمانہ میں فلسفہ کی کتابیں یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئیں تھیں۔ لیکن یہ زمانہ امام صاحب کی آخر زندگی کا زمانہ ہے کسی طرح قیاس نہیں کیا جاسکتا

کہ ترجمہ ہوتے ہی یہ الفاظ اس قدر جلد شائع ہوجاتیں کہ عام تصنیفات میں انکا رواج ہوجائے فلسفہ کے الفاظ نے مذہبی دائرہ میں اُس وقت بار پایا ہے جب کثرت استعمال کی وجہ سے وہ زبان کا جز بن گئے اور عام بول چال میں بھی اُن کے استعمال کے بغیر چارہ نہ رہا۔ لیکن یہ دور امام صاحب کے زمانہ کے بعد شروع ہوا ہے۔

یہ بحث تو درایت کی حیثیت سے تھی۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی یہ امر ثابت نہیں ہوتا۔ دوسری تیسری بلکہ چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس کتاب کا پتہ نہیں چلتا۔ قدیم سے قدیم تصنیف جس میں اس رسالہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ (جہان تک ہمکو معلوم ہے) فخر الاسلام بزدوی کی کتاب الاصول ہے جو پانچوین صدی کی تصنیف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے ہزارون شاگرد تھے جنمین سے اکثر بجائے خود اُستاد تھے۔ اور واسطہ در واسطہ اُنکے ہزارون لاکھون شاگرد ہوئے۔ نہایت خلاف قیاس ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود ہوتی اور اتنے بڑے گروہ میں اُسکا نام تک نہ لیا جاتا۔ علم عقائد۔ اور اُسکے متعلقات پر جو بڑی بڑی کتابیں مثلاً صحایف۔ شرح مقاصد۔ شرح مواقف۔ ملل و نحل۔ وغیرہ تصنیف ہوئیں اُنمین کہیں اسکا ذکر تک نہیں ہے۔ اس کتاب کی جس قدر شرحیں ہوئیں سب آٹھوین صدی میں یا اُسکے بعد ہوئیں۔ اسکے علاوہ ابو مطیع بلخی۔ جو اس کتاب کے راوی ہیں حدیث و روایت میں چندان مستند نہیں ہیں۔ کتب رجال میں اُنکی نسبت محدثین نے نہایت نیبارک نکئے ہیں۔ اگرچہ میں اُنکو کلیتہً تسلیم نہیں کرتا۔ تاہم ایک ایسی مشتبہ کتاب جس کا ثبوت صرف ابو مطیع بلخی کی روایت پر منحصر ہو۔ محدثانہ اصول پر قابل تسلیم نہیں ہوسکتی۔

میرا خیال ہے کہ ابو مطیع بلخی نے ایک رسالہ میں بطور خود عقائد کے مسائل قلمبند کئے تھے رفتہ رفتہ وہ امام صاحب کی طرف منسوب ہوگیا۔ اس خیال کی تائید اس سے

ہوتی ہے کہ علامہ ذہبی نے عبر فی اخبار من عبر مین ابو مطیع کا جہان ذکر کیا ہے ان لفظون سے کیا ہے کہ وہ صاحب الفقہ الاکبر ہے جسکے تبادر معنی یہی ہین کہ خود ابو مطیع اُس کے مصنف ہین میرا یہ بھی خیال ہے کہ فقہ اکبر کی موجودہ ترتیب و عبارت۔ ابو مطیع کے زمانہ سے بھی بہت بعد کی ہے۔ اور یہ کچھ نئی بات نہین۔ جامع صغیر جو امام محمد کی تالیف ہے اُسکی موجودہ ترتیب امام ابو طاہر دباس نے کی ہے جو چوتھی صدی مین تھی۔

فرق یہ ہے کہ جامع صغیر کی عبارت وہی اصلی ہے۔ صرف ترتیب بدلدی گئی ہے۔ برخلاف اسکے فقہ اکبر کا انداز عبارت بھی زمانہ بعد کا معلوم ہوتا ہے۔

ہمنے اس بحث مین اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے۔ لیکن تمام واقعات بھی لکھ دئے ہیں۔ ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہین کرتے۔ اصلی واقعات اور ہماری رائین۔ دونون آنکے سامنے ہین۔ وہ جو چاہین خود فیصلہ کرلین۔ بے شبہہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔

عقائد و کلام

امام صاحب ابتدائی تحصیل مین علم کلام کی طرف زیادہ مائل تھے۔ صحابہ کے اخیر زمانہ مین نئے نئے فرقے پیدا ہو چلے تھے۔ معبد جہنی نے۔ جو صحابہ کا صحبت یافتہ تھا۔ مسئلہ قدر کو چھیڑا۔ واصل بن عطا نے جو علوم عربیہ و علم کلام کا بہت بڑا عالم اور امام حسن بصری کا شاگرد تھا۔ اعتزال کی بنیاد قائم کی۔ جہم بن صفوان۔ فرقہ جہمیہ کا بانی ہوا۔ خوارج کے متعدد فرقے اس سے پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ امام ابو حنیفہ کے زمانہ مین ان مسائل کے جابجا چرچے تھے اور ہر جگہ بحث و مناظرہ کا بازار گرم تھا۔ امام صاحب کو بھی اُنکی رد و قدح کی طرف التفات

ہوا۔ اس مین کہ انکی بے نظیر ذہانت نے ان مسائل مین نہایت دقیق بحثین پیدا ہونگی۔ لیکن چونکہ یہ شغل تھوڑے زمانہ تک رہا اور بالآخر وہ فقہ کے مہمات مین مصروف ہوئے اس لئے ان مباحث کا آج پتہ نہین چلتا۔ تاہم چند مسائل جو تبواتر اُن کی طرف منسوب ہین۔ اُن کی دقت نظر۔ حدت۔ ذہن۔ وسعت خیال کے شاہد عادل ہین۔ اُن مین سے ہم بعض مسائل کا ذکر کرتے ہیں جو محدثین کے نزدیک بڑے معرکۃ الآرا مسئلے ہین۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام صاحب۔ فرائض اور اعمال کو جزو ایمان نہین سمجھتے۔ آج تو اسکی نسبت بحث کرنی گویا تحصیل حاصل ہے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو دل سے متعلق ہے۔ فرائض اور اعمال جوارح کے کام ہین۔ اس لیئے نہ اُن دونون سے کوئی حقیقت مرکب ہو سکتی ہے۔ نہ اُن مین سے ایک دوسرے کا جزو ہو سکتا ہے لیکن اُس زمانہ مین یہ ایک بڑا بحث طلب مسئلہ تھا اور اکثر ارباب ظاہر بلکہ بعض مجتہدین بھی اس کے خلاف تھے۔

اعمال جزو ایمان نہین ہین

صحابہ کے زمانہ تک اسلامی عقائد کی سطح۔ نہایت ہموار اور غیر متحرک رہی۔ اہل عرب کو ان موشگافیون اور باریک بینیون سے سروکار نہ تھا بنو امیہ کے وسط زمانہ مین جب فوجی قوت کو زوال ہوا تو تمدن و معاشرت کی وسعت نے اور قسم کے اشغال پیدا کر دیئے۔ جبر و قدر تشبیہ و تنزیہ۔ عدل و جور کی بحثین چھڑ گئین۔ ان بحثون کی ابتدا اُن لوگون نے کی جو عجم کی خاک سے تھے۔ یا انپر عجم کا پرتو پڑا تھا۔ چونکہ یہ نامانوس صدائین تھین۔ ان باتون پر مذہبی گروہ مین جو زیادہ تر عرب سے تعلق رکھتا تھا سخت برہمی پیدا ہوگئی اور محدثین و فقہا نہایت سختی سے بدعتیون کے مقابلہ کو اُٹھے۔ اس مقابلہ کی بنا پر ان بزرگون کو خود بھی اُن مسائل مین نفی یا اثبات کا پہلو اختیار کرنا پڑا۔ لیکن جوش مخالفت نے اکثرون کو اعتدال کی حد پر نہ رہنے

دیا۔ معتزلہ کا مذہب تھا کہ قرآن مجید خدا کا ایک جدید کلام ہے جو رسول اللہ کی نبوت کے ساتھ وجود میں آیا۔ لوگوں نے اسکی یہانتک مخالفت کی کہ بعض محدثین نے ملفوظ یا قرآن کو بھی قدیم ٹھہرایا۔ امام ذہلی جو امام بخاری کے اساتذہ میں سے تھے۔ اور صحیح بخاری میں انکی سند سے اکثر روایتیں ہیں۔ اسی بات پر امام بخاری سے ایسے ناراض ہوئے کہ اُن کو حلقۂ درس سے نکلوا دیا اور عام حکم دیدیا کہ جو شخص بخاری کے پاس آمد و رفت رکھے وہ ہمارے حلقہ میں نہ آنے پائے[1] امام بخاری۔ خود قرآن کے قدم کے قائل تھے۔ لیکن قرءت قرآن کو حادث کہتے تھے ذہلی کو اصرار تھا کہ یہ بھی قدیم ہیں۔

اور مسائل میں بھی اس قسم کی بے اعتدالیاں ہوئیں۔ جنکی تفصیل کا یہ موقع نہیں امام ابوحنیفہ نے ان تمام بحثوں میں وہی پہلو اختیار کیا جو معتدل تھا اور جو عقل کے ساتھ نقل کے بھی مطابق تھا۔ انہیں مسائل میں ایمان و عمل کا مسئلہ بھی تھا۔ مرجیہ کا مذہب ہے کہ ایمان اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں اور ایمان اور تصدیق کامل ہو تو عمل کا نہ ہونا کچھ ضرر نہیں کرتا۔ ایک شخص اگر دل سے توحید و نبوت کا معترف ہے اور فرائض نہیں ادا کرتا۔ تو وہ مواخذہ سے بری ہے۔ اس رائے کا پہلا حصہ گو صحیح تھا۔ مگر محدثین نے کچھ تفریق نہ کی اور کل اس مذہب کے مخالف ہوگئے۔ چونکہ قرآن کی بعض آیتیں بھی بظاہر اسکے موید تھیں اُن کی رائے کو اور بھی قوت و شدت ہوگئی۔ یہ ایک اجتہادی رائے تھا اور یہیں تک ہوتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ ان بزرگوں نے یہانتک شدت کی کہ جو شخص اُنکی رائے کے ساتھ متفق نہ ہوتا تھا اسکو فاسق یا کافر سمجھتے تھے۔ قاضی ابو یوسف ایکبار شریک کی عدالت میں گواہ ہوکر گئے تو انھوں نے کہا "میں اس شخص کی شہادت نہیں قبول کرتا جسکا یہ قول ہو کہ نماز جزو ایمان نہیں"

[1] ان واقعات کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تفصیل کے ساتھ لکھی ہے ۱۲

ایمان اور عمل جداگانہ چیزیں ہیں

امام ابوحنیفہ کو اس سے کچھ بحث نہ تھی کہ یہ مسئلہ فلان شخص یا فلان فرقہ کا ہے وہ اصل حقیقت کو دیکھتے تھے اور مغز سخن کو پہنچتے تھے۔ جب یہ بحث انکے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے علانیہ کہا کہ ایمان اور عمل دو جداگانہ چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم مختلف ہے۔ اسپر بہت سے لوگوں نے انہیں بھی مرجیہ کہا۔ لیکن وہ ایسا مرجیہ ہونا خود پسند کرتے تھے محدثین اور فقہا میں سے جو لوگ امام صاحب کے ہمزبان تھے انکو بھی یہی خطاب عنایت ہوا۔ محدث ابن قتیبہ نے اپنی مشہور اور مستند کتاب المعارف میں مرجیہ کے عنوان سے بہت سے فقہا اور محدثین کے نام

جو لوگ مرجیہ کہلائے

گنائے ہیں جنمیں سے چند یہ ہیں ابراہیم تیمی۔ عمرو بن مرۃ۔ طلق الحبیب۔ حماد بن سلیمان۔ عبد العزیز بن ابی دواد۔ خارجہ بن مصعب۔ عمرو بن قیس الاصر۔ ابو معاویہ الضریر۔ یحیٰی بن زکریا۔ مسعر بن کدام۔ حالانکہ ان میں سے اکثر حدیث و روایت کے امام ہیں۔ اور صحیح بخاری و مسلم میں ان لوگوں کی سیکڑوں روایتیں موجود ہیں۔ ہمارے زمانہ کے بعض کوتاہ بین جو اسپر غش ہیں کہ امام صاحب کو بعض محدثین نے مرجیہ کہا ہے ابن قتیبہ کی فہرست دیکھتے تو شاید انکو ندامت ہوتی۔ محدث ذہبی نے میزان الاعتدال میں مسعر بن کدام کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ارجا (مرجیہ ہونا) بہت سے علمائے کبار کا مذہب ہے اور اس مذہب کے قائل پر مواخذہ نہ کرنا چاہیے

یہ اسی ارجا کی طرف اشارہ ہے جو امام ابوحنیفہ کا مذہب تھا۔

یہ مسئلہ اگرچہ بظاہر چندان مہتم بالشان نہ تھا۔ لیکن اسکے نتائج بہت بڑا اثر رکھتے تھے اسی لحاظ سے امام صاحب نے نہایت آزادی سے اسکا اظہار کیا۔ عمل کو جزو ایمان قرار دینا۔ اس بات کو مستلزم ہے کہ جو شخص اعمال کا پابند نہ ہو وہ مومن بھی نہ ہو جیسا کہ خارجیوں کا مذہب ہے جو مرتکب کبائر کو کافر سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اکثر محدثین ایسے شخص کو کافر نہیں سمجھتے تھے لیکن یہ نہ سمجھنا اس وجہ سے تھا کہ وہ لزوم سے ناواقف تھے۔ حالانکہ لزوم قطعی اور یقینی ہے جس سے انکار نہیں ہوسکتا

امام رازی نے جو امام شافعی کے بہت بڑے حامی ہیں۔ کتاب مناقب الشافعی میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں نے امام شافعی پر اعتراض کیا ہے کہ وہ متناقض باتوں کے قائل ہیں کیونکہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ ساتھ ہی اس بات کے بھی قائل ہیں۔ کہ ترک عمل سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا" حالانکہ مرکب چیز کا جب ایک جزو نہ رہا تو مرکب بھی من حیث المرکب نہ رہا۔ اسی لیئے معتزلہ جو اسبات کے قائل ہیں کہ عمل جزو ایمان ہے اسبات کے بھی قائل ہیں کہ عمل نہ ہو تو ایمان بھی نہیں۔ لیکن امام شافعی کی طرف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصل ایمان اقرار اور اعتقاد کا نام ہے۔ باقی اعمال۔ تو وہ ایمان کے ثمرات اور توابع ہیں۔ لیکن چونکہ توابع پر کبھی کبھی مجازاً اصل شے کا اطلاق ہوتا ہے اس لیئے مجازاً اعمال پر بھی ایمان کا اطلاق ہوا اور یہ مسلم ہے کہ توابع کے فوت ہونے سے اصل شے فوت نہیں ہوتی۔

لیکن یہ جواب توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ ہے اور خود امام رازی کو اس کا اعتراف کرنا پڑا چنانچہ جواب کے بعد فرماتے ہیں کہ فیہ ترک ھذا المذھب یعنی اس جواب سے یہ مذہب باطل ہوا جاتا ہے۔ امام رازی گو شافعی المذہب اور اپنے امام کے نہایت طرفدار ہیں۔ لیکن چونکہ صاحب نظر اور نکتہ شناس ہیں ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ۔ یا عمل کو ایمان کے توابع سے شمار کرنا چاہیئے۔ یا مان لینا چاہیئے کہ جو شخص پابند عمل نہیں۔ سو مومن بھی نہیں۔

اس بحث کے متعلق امام ابوحنیفہ کی ایک تحریر موجود ہے جس کی طرز استدلال و استنباط نرالا ہے۔ امام صاحب کی دقت نظر کا اندازہ ہو سکتا ہے اور اصل مسئلہ کی حقیقت کھلتی ہے اس موقع پر ہم اسکا حوالہ دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ یہ تحریر عثمان بتی کے ایک خط کا جواب ہے جو انھوں نے امام صاحب کو لکھا تھا۔ عثمان اس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے عام لوگوں میں جب امام ابوحنیفہ کے ان خیالات کے چرچے ہوئے تو انھوں نے امام صاحب کو ایک

دوستانہ خط لکھا جسکا مضمون یہ تھا کہ وہ لوگ آپ کو مرجیہ کہتے ہین اور بیان کرتے ہیں کہ آپ مومن کا ضال و گمراہ ہونا جائز قرار دیتے ہین ۔ مجھکو ان باتون کے سننے سے نہایت رنج ہوتا ہے ۔ کیا یہ باتین صحیح ہیں ۔ اس خط کے جواب مین امام صاحب نے ایک طولانی خط لکھا ہے جسکے فقرے کہین کہین سے ہم انتخاب کرتے ہین ۔ حمد و نعت کے بعد ۔ عثمان بتی کے دوستانہ نصیحت اور خیر خواہی کا شکریہ ادا کرکے اصل مضمون اس طرح شروع کیا ہے "مین آپ کو بتاتا ہون کہ رسول اللہ کے مبعوث ہونے سے پہلے تمام لوگ مشرک تھے رسول اللہ جب مبعوث ہوئے تو لوگون کو اس بات کی طرف دعوت کی کہ خدا کو ایک مانین اور رسول اللہ جو کچھ لائے اُسکو تسلیم کرین پس جو شخص اسلام مین داخل ہوتا تھا اور شرک چھوڑ دیتا تھا اُسکی جان اور مال حرام ہو جاتا تھا پھر خاص اُن لوگون کے لئے جو ایمان لا چکے تھے فرائض کے احکام آئے پس اُس کا پابند ہونا عمل ٹھہرا اور خدا نے اُسی کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ الذین آمنوا وعملوا الصلحت و من یومن باللہ و یعمل صالحا ۔ اس قسم کی اور آیتین ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عمل کے نہ ہونے سے ایمان جاتا نہین رہتا ۔ البتہ اگر تصدیق و اعتقاد نہ ہو تو مومن کا اطلاق نہین ہو سکتا ۔ عمل و تصدیق کا دو جدا گانہ چیز ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ تصدیق کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہین ۔ لیکن اعمال کے لحاظ سے مراتب مین فرق ہوتا ہے ۔ کیونکہ دین و مذہب سب کا ایک ہی ہے خدا نے خود کہا ہے شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم و موسی و عیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ ۔ یعنی تمہارے لیے اُسی دین کو شروع کیا جسکی وصیت نوح کو کی تھی ۔ اور جو تجھ پر وحی بھیجی اور جسکی وصیت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کو کی ۔ وہ یہ ہے کہ دین کو قائم رکھو اور اُس مین متفرق نہ ہو "

آپکو جاننا چاہیئے کہ تصدیق مین ہدایت اور اعمال میں ہدایت یہ دونون دو چیزین ہین آپ

امام صاحب کی تحریر

ایک شخص کو جو فرائض سے ناواقف ہو مومن کہہ سکتے ہین ۔ پس ایسا شخص فرائض کے لحاظ سے جاہل اور تصدیق کے لحاظ سے مومن ہے ۔ خود خدا نے قرآن مین یہ اطلاقات کئے ہین ۔ کیا آپ اُس شخص کو جو خدا اور رسول خدا کے پہچاننے مین گمراہ ہو اُس شخص کے برابر قرار دینگے جو مومن ہو لیکن اعمال سے ناواقف ہو خدا نے جہان فرائض بتائے ہیں اُس موقع پر ارشاد فرمایا ہے کہ یبین اللہ لکم ان تضلوا (یعنی خدا نے اس لئے بیان کیا کہ تم گمراہ نہ ہو) دوسری آیت مین ہے ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخریٰ (یعنی ایک گمراہ ہو تو دوسرا یاد دلا دے) حضرت موسیٰ کی زبان سے فرمایا فعلتہا اذا و انا من الضالین (یعنی جب مین نے وہ کام کیا تب مین گمراہ تھا) ان آیتون کے علاوہ اور بہت سی آیتین ہین جو اس دعوی کے ثبوت کے لئے دلائل قاطعہ ہیں اور حدیثین تو اور بھی واضح اور صاف ہیں ۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؑ امیر المومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے تو کیا اسکے یہ معنے تھے کہ وہ صرف اُن لوگون کے امیر تھے جو فرائض اور اعمال کے پابند تھے حضرت علیؓ نے شام والون کو جو اُن سے لڑتے تھے مومن کہا کیا قتل سے بڑھکر کوئی گناہ ہے ۔ پھر جو لوگ قتل کے مرتکب ہوئے ۔ کیا آپ قاتلین اور مقتولین ۔ دونون کو برسر حق قرار دیتے ہین ۔ اگر آپ صرف ایک کو (یعنی حضرت علیؓ اور طرفداران علیؑ) برسر حق تسلیم کرینگے تو دوسرے فریق کو کیا کہین گے اسکو خوب سمجھیئے اور غور کیجئے میرا یہ قول ہی کہ اہل قبلہ سب مومن ہین اور فرائض کے ترک سے کافر نہین ہو سکتے جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجالاتا ہے وہ مومن و جنتی ہے ۔ جو ایمان اور اعمال دونون کا ترک کرے وہ کافر اور دوزخی ہے ۔ جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اُس سے ترک ہو جاتے ہین وہ مسلمان ضرور ہے ۔ لیکن گنہگار مسلمان ہی ۔ خدا کو اختیار ہی اُسپر عذاب کرے یا معاف کردے

امام صاحب نے جس خوبی سے اس دعوی کو ثابت کیا ہے ۔ انصاف یہ ہے کہ اُس سے

بڑھکر نہیں ہوسکتا۔ فرائض اور ایمان کے باہمی امتیاز کی اس سے عمدہ تر کیا دلیل ہوگی۔ کہ آغاز اسلام میں ایمان کی دعوت ہوتی تھی اور فرائض کا وجود نہ تھا۔ امام صاحب نے قرآن کی جو آیتیں استدلال میں پیش کی ہیں۔ اُن سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ دونوں چیزیں ہیں۔ کیونکہ ان تمام آیتوں میں عمل کو ایمان پر معطوف کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جزو کل پر معطوف نہیں ہوسکتا۔ من یؤمن باللہ فیعمل صالحا میں حرف تعقیب آیا ہے۔ جس سے اس بحث کا قطعی فیصلہ ہوجاتا ہے۔ ان دلائل قاطعہ کے مقابلہ میں دوسری طرف بعض آیتیں اور حدیثیں ہیں لیکن اُن میں سے کوئی اثبات مدعا کے لئے کافی نہیں۔ بڑا استدلال اس حدیث پر ہے کہ "مومن ہوکر زنا اور چوری نہیں کرتا"۔ حالانکہ یہ کلام کے زور دینے کا ایک پیرایہ ہے ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں کہ بھلا آدمی ہوکر تو ایسا کام نہیں کرسکتا۔ جس کا صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ کام شان شرافت کے خلاف ہے۔ بے شبہہ زنا اور سرقہ بھی ایمان کی شان کے خلاف ہیں۔ اور حدیث کا مقصد اسی قدر ہے۔ ورنہ ابوذر کی حدیث میں صراحتہً یہ الفاظ موجود ہیں کہ "جو شخص لا الہ الا اللہ کا قائل ہے وہ جنت میں جائے گا۔ گو زانی اور چور ہو"

ایمان کم اور زیادہ نہیں ہوتا

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ الایمان لا یزید ولا ینقص یعنی ایمان کم و بیش نہیں ہوسکتا۔ بے شبہہ یہ امام صاحب کا قول ہے لیکن اسکی تعبیر میں لوگوں نے غلطی کی ہے۔ نہ صرف محدثین و شافعیہ نے بلکہ خود احناف نے بھی۔ ایمان کی کمی و زیادتی دو لحاظ سے ہوسکتی ہے۔ ایک اس اعتبار سے کہ وہ مقولہ کیف سے ہے جسمیں شدت و ضعف ممکن ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ایمان یقین کا نام ہے۔ اور یقین کے مراتب متفاوت ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خدا سے کہا کہ اے خدا تو مردوں کو کیونکر جلاتا ہے تو ارشاد ہوا کہ اولم تؤمن یعنے کیا اب تک تجھکو یقین نہیں آیا۔ عرض کی۔ کہ یقین ضرور ہے لیکن

لیطمئن قلبی یعنی اور زیادہ اطمینان خاطر چاہتا ہون" خدا نے متعدد آیتون مین صاف تصریح کر دی ہے کہ ایمان مین ترقی ہوتی ہے۔ ہمارا دعویٰ صرف اسقدر تھا کہ اس مسئلہ مین نص صریح ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کو بلحاظ اس معنی کے نہ انکار ہے نہ یہ امر اسوقت زیر بحث تھا۔ امام صاحب کے دعوی کا اور منشا ہے اور وہ بالکل صحیح ہے۔ جن لوگون نے عمل کو جزو ایمان قرار دیا۔ انکا مذہب ہے کہ ایمان بلحاظ مقدار کے زیادہ و کم ہوتا ہے۔ جو شخص اعمال کا زیادہ پابند ہے۔ وہ زیادہ مومن ہے جو گنہگار ہے وہ کم مومن ہے۔ محدثین صراحۃً اس کے مدعی ہین اور اسپر دلیلین لاتے ہین۔ علامہ قسطلانی صحیح بخاری کی شرح مین لکھتے ہین۔ فاعلم ان الایمان یزید بالطاعات وینقص بالمعصیۃ یعنی ایمان۔ ثواب کے کام کرنے سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور گناہ کرنے سے گھٹ جاتا ہے" اور محدثین نے بھی جا بجا اسکی تصریح کی ہے۔ امام ابو حنیفہ۔ اس اعتبار سے۔ ایمان کی زیادت و نقصان کے منکر تھے۔ انکے نزدیک جب اعمال جزو ایمان نہین۔ تو اعمال کی کمی بیشی سے۔ ایمان مین کمی بیشی نہین ہو سکتی۔ اور یہ بالکل صحیح ہے۔ حدیث مین آیا ہے کہ "ابو بکر کو تم لوگون پر جو ترجیح ہے وہ کثرت صوم و صلوۃ کی وجہ سے نہین۔ بلکہ اس چیز کی وجہ سے ہے جو اسکے دل مین ہے"

غرض امام صاحب کا یہ دعوی نہین ہے کہ ایمان بلحاظ کیفیت یعنی شدت و ضعف کے زیادہ و کم نہین ہو سکتا بلکہ انکا یہ دعویٰ ہے کہ ایمان مقدار کے اعتبار سے کم و بیش نہین ہوتا۔ یہ دعوی اسبات کی فرع ہے کہ اعمال جزو ایمان نہین۔ اور اسکو ہم ابھی ثابت کر چکے ہین۔ امام صاحب۔ اسبات کے بھی قائل تھے کہ متعلق ایمان مین کچھ تفاوت نہین ہے۔ یعنی معتقدات کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہین۔ ایمان کے لیے جن مسائل پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے وہ سب کے لیے یکسان ہین صحابہ اور عام مسلمان اس لحاظ سے برابر ہین کہ دونون ایک ہی چیز یعنی توحید و نبوت کا اعتقاد رکھتے ہین۔ فرق ہے تو اعتقاد کی شدت و ضعف مین ہے۔

متعلق ایمان مین سب برابر ہین

چیز یعنے توحید و نبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ فرق ہے تو اعتقاد کی شدت و ضعف مین ہے اِسی
مطلب کو امام صاحب نے۔ عثمان بتی کے جواب مین ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ دین اھل السماء
والارض واحد یعنی آسمان اور زمین والون کا ایک ہی دین ہے۔ پھر اس دعوی پر آیت قرآنی
سے استدلال کیا ہے شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا یعنے ہمنے تمہارے لئے وہی دین
مشروع کیا جسکی وصیت نوح کو کی تھی"۔ مخالفین نے بڑے زور شور سے امام صاحب پر یہ الزام
لگایا ہے۔ کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ "میرا ایمان اور ابوبکر صدیق رضی کا ایمان برابر ہے" اگرچہ
امام صاحب کی طرف اس قول کی اسناد ثابت نہین لیکن اگر ثابت ہو تو کیا نقصان ہے۔ جس اعتبار
سے وہ مساوات کے مدعی ہین اُس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ تعجب اور سخت تعجب ہے کہ
ایسا صاف مسئلہ معترضون کی سمجھ مین نہ آیا خطیب بغدادی نے صفحے کے صفحے سیاہ کر دیئے
اور یہ نہ سمجھے کہ امام صاحب کا دعوی کیا ہے۔ اُنکو یہ الفاظ نہایت گران گزرتے ہین۔ کہ "ہمارا اور صحابہ کا ایمان برابر ہے" وہ یہ نہین سمجھتے کہ بہت سی چیزون مین ہم اور صحابہ
برابر ہین۔ تاہم ہم مین اور صحابہ مین زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اگرچہ اس قسم کے تمام مسائل مین امام صاحب اپنی خاص رائین رکھتے تھے لیکن وہ
مخالف رایون پر کفر و فسق کا الزام نہین لگاتے تھے۔ یہ فیاض دلی امام صاحب کا خاصہ ہے
اور قرن اول کے بعد اسلام مین اس کی بہت کم نظیرین ملتی ہین۔ اسلام کو کسی چیز نے ان مشاجرات
سے زیادہ نقصان نہین پہنچایا جو اختلاف آرا کی بناء پر قائم ہو گئی۔ ان اختلافات کی بنیاد اگرچہ
خود صحابہ کے زمانہ مین شروع ہو چکی تھی۔ عبداللہ بن عباس اور بہت سے صحابہ کا اعتقاد
تھا کہ رسول اللہ نے معراج مین خدا کو آنکھون سے دیکھا حضرت عائشہ نہایت اصرار سے
اس کی مخالف تھین۔ امیر معاویہ کو معراج جسمانی سے انکار تھا۔ حضرت عائشہ سماع موتے

کی قائل نہ تھیں لیکن اُس زمانہ تک ان اختلافات پر ہدایت و گمراہی کا مدار نہ تھا۔ جو لوگ مختلف رائیں رکھتے تھے اُن میں کبھی کسی نے کسی کی تکفیر یا تفسیق نہیں کی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ "کچھ لوگ پیدا ہوئے ہیں جو قرآن کی غلط تاویل کرتے ہیں اور ہمکو کافر قرار دیتے ہیں۔ وہ خود کافر ہیں یا نہیں" حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ "اسوقت تک کوئی شخص کافر نہیں ہوسکتا جب تک خدا کو دو نہ کہے"[1] ہما یہ کے بعد یہ اختلاف زور پکڑتے گئے اور رفتہ رفتہ مستقل فرقے قائم ہوگئے۔ اعتقادی اور فقہی مسائل اکثر ایسے ہیں جن میں نص قاطع موجود نہیں۔ اور ہیں تو متعارض ہیں اسلئے استنباط۔ اور رفع تعارض کی ضرورت نے اجتہاد کو بہت وسعت دی۔ اور سینکڑوں رائیں قائم ہوگئیں بے شبہہ انمیں بہت سی رائیں صحیح نہیں لیکن یہ ضرور نہیں کہ وہ سب کفر ہوں۔

افسوس ہے کہ سرگرم طبیعتیں جو مذہبی جوش اور تقدس کے نشہ میں سرشار تھیں۔ اختلاف رائے کے صدمہ کی تاب نہ لاسکیں۔ اور نہایت بے صبری سے مخالفت پر آمادہ ہوگئیں بات بات پر کفر کے فتوے ہونے لگے جو لوگ جس قدر زیادہ مذہبی حرارت رکھتے تھے۔ اسی قدر کفر کے اطلاق میں کم احتیاط کرتے تھے رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچی کہ ہر فریق نے دوسرے کی ضلالت و گمراہی ثابت کرنے کے لئے۔ موضوع روایتوں سے اعانت لی۔ اور اس قسم کی حدیثیں ایجاد ہونے لگیں کہ میری امت میں ۷۳ فرقے پیدا ہونگے جنمیں صرف ایک جنتی ہوگا باقی سب دوزخی۔ اس فرضی تعداد کو پورا کرنا بھی ضرور تھا۔ اس لئے کھینچ تان کر ۷۳ فرقے قرار دیے ہیں۔ اور سب کے الگ الگ نام رکھے۔ اسپر بھی تسکین نہ ہوئی تو ہر ہر فرقے کے لئے جدا جدا روایتیں گھڑیں مثلاً القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ وغیرہ وغیرہ

[1] آثار امام محمد صفحہ ۱۳۶۵

ان تعصبات اور جھگڑون نے جماعت اسلامی کے تمام اجزا پراگندہ کردیئے۔ اور مذہب اخلاق حکومت تمدن۔ معاشرت۔ سب کا نقشہ بگڑ گیا۔ اس عالمگیر آشوب مین صرف ایک امام ابوحنیفہ تھے۔ جنکی صدا سب سے الگ تھی۔ اور جو پکارکر کہتے تھے لا نکفر احدا من اھل القبلۃ یعنی اہل قبلہ مین سے ہم کسی کو کافر نہین سمجھتے" اسوقت تو اس صدا پر چندان توجہ نہین ہوئی۔ لیکن زمانہ جسقدر ترقی کرتا گیا اس جملہ کی قدر بڑہتی گئی یہانتک کہ وہ علم کلام کا ایک بیش بہا اصول بنگیا۔ اگرچہ افسوس ہے کہ اسپر عمل کم کیا گیا اور تکفیر کے غلغلے اب بھی پست نہ ہوئے۔

امام صاحب اہل قبلہ کی تکفیر نہین کرتے تھے۔

امام صاحب کی یہ رائے نہایت غور و تحقیق و تجربہ کے بعد قائم ہوئی تھی۔ بڑے بڑے مشہور بانیان مذہب انہین کے زمانہ مین پیدا ہوئے تھے اور امام صاحب کو ان سے ملنے کا موقع حاصل ہوا تھا۔ خارجیون کا صدر مقام بصرہ تھا جو امام صاحب کے شہر سے نہایت قریب تھا واصل بن عطاء و عمرو بن عبید جو مذہب اعتزال کے بانی اور مروج تھے بصرہ ہی کے رہنے والے اور امام صاحب کے ہمعصر تھے۔ جہم بن صفوان۔ جس کے نام سے فرقہ جہمیہ مشہور ہے اسی زمانہ مین تھا۔ امام صاحب ان مین سے اکثرون سے ملے اور اُن کے خیالات سے مطلع ہوئے تھے۔ ان فرقون کی نسبت جو اقوال مشہور تھے کچھ تو سرے سے غلط اور افترا تھے۔ بعض کی تعبیر غلط طور پر کی گئی تھی۔ بعض درحقیقت لغو و باطل تھے۔ لیکن کفر کی حد تک نہ پہنچتے تھے اس لئے امام ابوحنیفہ نے یہ عام حکم دیا کہ "اہل قبلہ سب مومن ہین" وہ دیکھ رہے تھے کہ جن مسائل پر لڑائیان برپا ہین۔ جو کفر و اسلام کی معیار قرار دی گئی ہین وہ صرف لفظی بحثین اور فرضی اصطلاحین ہین سب سے بڑا مسئلہ قدم قرآن کا تھا جسکو لوگون نے قریباً کلمۂ توحید کے برابر قرار دیا تھا۔ بڑے بڑے علما کا قول ہے کہ اسلام کو دو شخصون نے نہایت نازک وقتون مین محفوظ رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق۔ جنھون نے رسول اللہ کی وفات کے بعد۔ مرتدین

اہل قبلہ سب مومن ہین

عرب کا استیصال کیا۔ اور امام احمد حنبل جو مامون الرشید کے زمانہ میں حدوث قرآن کے منکر رہے۔ بلکہ ایک اعتبار سے امام حنبل کو ترجیح ہے۔ کیونکہ صحابہ حضرت ابوبکر کے معاون اور انصار تھے۔ لیکن امام حنبل کا کوئی مددگار نہ تھا۔"

رجال کی کتابوں میں جب کسی شخص کو ثقہ اور مستند ثابت کیا جاتا ہے تو سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ وہ حدوث قرآن کو کفر سمجھتا تھا۔" حالانکہ یہ صرف ایک لفظی بحث ہے جو لوگ قرآن کو حادث کہتے تھے ان کی غرض۔ ان الفاظ اور اصوات سے تھی۔ جس کا ظہور رسول اللہ کی زبان سے ہوا یا جس پر عام طور سے قرآن کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ جو قدیم مانتے تھے وہ کلام سے کلام نفسی کو مراد لیتے تھے جو خدا کی صفات میں سے ہے۔ امام ابوحنیفہ سے اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں اور وہ اسی تفصیل کی بنا پر ہیں۔ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ قرآن حادث ہے۔ یا قدیم۔ فرمایا کہ حادث۔ کیونکہ قرآن خدا نہیں اور جو خدا نہیں وہ حادث ہے۔[1]

غرض اس قسم کے مسائل نفیاً یا اثباتاً۔ نصّی نہیں ہیں اور اسوجہ سے وہ کفر و اسلام کے معیار نہیں ہو سکتے۔ امام ابوحنیفہ کی نکتہ شناسی کی بڑی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے اسلام کے دائرہ کو جو من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ کی وسعت رکھتا تھا اصلی وسعت پر قائم رکھا افسوس ہے کہ انکی اس رائے پر بہت کم لحاظ کیا گیا ورنہ امام غزالی۔ محی الدین عربی۔ حضرت غوث الاعظم۔ ابن تیمیہ۔ ابو طالب مکی۔ کو ہم فقہا کی زبان سے کافر نہ سنتے۔

حدیث اور اصول حدیث

یہ خیال اگرچہ غلط اور بالکل غلط ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ علم حدیث میں کم مایہ تھے تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ عام طور پر وہ محدث کے لقب سے مشہور نہیں بزرگان

[1] کتاب الاوائل ابو ہلال عسکری ۱۲۔

سلف مین سینکڑون ایسے گزرے ہیں جو اجتہاد و روایت دونون کے جامع تھے۔ لیکن شہرت
اُسی صفت کے ساتھ ہوئی جو اُنکا کمال غالب تھا۔ امام ابوحنیفہ کی تو حدیث مین کوئی تصنیف
نہین تعجب ہے کہ امام مالک و امام شافعی بھی اِس لقب کے ساتھ مشہور نہ ہوئے نہ اُن کی
تصنیفون کو وہ قبول عام حاصل ہوا جو صحاح ستہ کو ہوا امام احمد بن حنبل۔ اِن لوگون کی نسبت
علم حدیث مین زیادہ نام آور ہیں۔ اُنکی مسند کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ صحیح حدیثون کا اتنا بڑا
مجموعہ اور کوئی نہیں مل سکتا۔ لیکن جس قدر حدیث و روایت مین اُنکا زیادہ اعتبار ہے اُسی قدر
استنباط اور اجتہاد مین اُنکی نام آوری کم ہے۔ علامہ طبری نے جو خود بھی محدث اور مجتہد تھے
مجتہدین مین اُنکا شمار نہین کیا[1]۔ قاضی ابن عبدالبر نے کتاب الانتصار فی الثلثۃ الفقہاء مین جو
مجتہدین کے حالات مین ہے۔ امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام شافعی پر اکتفا کی امام رازی مناقب
الشافعی مین لکھتے ہین کہ امام شافعی کے بعد کوئی مجتہد پیدا نہین ہوا۔ اگرچہ امام احمد حنبل کی نسبت
گروہ کثیر علما کی یہی رائے تھی کہ وہ اجتہاد کامل کا منصب رکھتے تھے۔ تاہم اُنکے اجتہاد پر اتفاق عام نہوا۔

مجتہد و محدث کی حیثیتین الگ الگ ہین

حقیقت یہ ہے کہ مجتہد و محدث کی حیثیتین الگ الگ ہیں۔ محدث۔ مواعظ۔ قصص
فضائل سیر۔ ہر ایک قسم کی روایتون کا استقصا کرتا ہے۔ بخلاف اسکے مجتہد کو زیادہ تر
صرف اُن احادیث سے غرض ہوتی ہے جن سے کوئی حکم شرعی مستنبط ہوتا ہے یہی سبب ہے
کہ محدثین کی نسبت مجتہدین ہمیشہ قلیل الروایۃ ہوئے۔ موطا مین جو امام مالک کی تمام
روایتون کا مجموعہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہزار حدیثین ہین جنمین صحابہ اور تابعین کے اقوال
بھی شامل ہین۔ امام شافعی نے امام احمد حنبل کے سامنے اکثر اعتراف کیا ہے کہ تم لوگ
بہ نسبت ہمارے احادیث سے زیادہ واقف ہو۔ قاضی یحیی بن اکثم جو ترمذی کے شیخ ہین حسن بن

[1] طبقات المفسرین حافظ جلال الدین سیوطی۔ ترجمہ علامہ طبری ۱۲

کہا کرتے تھے کہ اگر امام شافعی نے علم حدیث کی طرف پوری توجہ کی ہوتی تو ہم لوگون کو سب سے بے نیاز کردیا ہوتا"[1] حافظ ابن حجر نے توالی التاسیس مین جو امام شافعی کے حالات مین ایک مختصر اور مفید رسالہ ہے جہان امام شافعی کے شیوخ حدیث سے بحث کی ہے خاتمہ پر لکھا ہے کہ "ولم یکثر من الشیوخ کعادۃ اھل الحدیث لاقبالہ علی الاشتغال بالفقہ" یعنے وہ بہت سے شیوخ سے نہین ملے جیسا کہ اہل حدیث کی عادت ہے۔ کیونکہ انکو فقہ کا شغل رہتا تھا" حافظ ابن حجر نے امام شافعی کی نسبت قلت شیوخ کا جو سبب بیان کیا۔ امام ابو حنیفہ کی قلت روایت کا بھی وہی سبب ہے لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگون نے اس دائرہ کو زیادہ وسیع کیا۔ اور عموماً آن کی قلت روایت کے قائل ہوئے یہ خیال کچھ نیا نہین ہے۔ اگلے زمانہ مین بھی بعض بعض لوگون کی یہ رائے تھی اور وہی غلط فہمی آجتک چلی آتی ہے۔

اس سے انکار نہین ہوسکتا۔ کہ امام ابو حنیفہ کے وہ واقعات جو منظر عام پر نمایان ہین انسے ایک ظاہر بین شخص ایسی ہی رائے قائم کر سکتا ہے۔ حدیث مین انکی کوئی تصنیف موجود نہین۔ صحاح مین بجز ایک دو روایت کے انکا نام تک نہین پایا جاتا۔

سب سے زیادہ یہ کہ انکی شہرت اہل الرائے کے لقب سے ہے جس سے متبادر ہوتا ہے کہ حدیث سے انکو کم تعلق تھا۔

اس قدر ہم بھی تسلیم کرتے ہین کہ مغازی قصص سیر وغیرہ مین انکی نظر چندان وسیع نہ تھی امام مالک و امام شافعی کا بھی یہی حال تھا۔ لیکن احکام و عقائد کے متعلق امام ابو حنیفہ کو جو واقفیت اور تحقیق حاصل تھی اس سے انکار کرنا۔ صرف کم نظری اور ظاہر بینی کا نتیجہ ہے انکی تصنیف یا روایتون کا مدون نہ ہونا۔ قلت نظر کی دلیل نہین ہو سکتا حضرت ابو بکر

[1] توالی التاسیس لحافظ ابن حجر صفحہ ۵۱

خلفائے اربعہ کی قلت روایت

صدیقؓ سے زیادہ کسی صحابی کو رسول اللہ کے ساتھ جلوت و خلوت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ رسول اللہؐ کے اقوال و افعال سے جس قدر وہ واقف تھے اور کون ہو سکتا تھا لیکن حدیث کی تمام کتابوں میں اُنکی روایت سے جس قدر صحیح حدیثیں ہیں اُنکی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں[1]۔ کون شخص کہہ سکتا ہے کہ اُنکو صرف اسی قدر حدیثیں معلوم تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد۔ عمر فاروقؓ کا درجہ ہے۔ اُن سے بھی صرف پچاس حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بعض کا کافی ثبوت نہیں۔ حضرت عثمان رضؓ۔ اور جناب امیرؓ کا بھی یہی حال ہے۔ بخلاف اِن کے حضرت ابوہریرۃ سے ۵۳۷۴۔ انس سے ۲۲۸۶۔ عبداللہ بن عباس سے ۲۶۶۰۔ جابر سے ۱۵۴۰۔ عبداللہ بن عمر سے جو رسول اللہ کے زمانہ میں نوجوان تھے ۲۶۳۰ حدیثیں مروی ہیں۔ اگر روایتوں کا موجود ہونا ہی معیار ہے۔ تو خلفائے اربعہ کی نسبت تسلیم کرنا پڑے گا کہ یا اُن کا حافظہ ضعیف اور نہایت ضعیف تھا۔ یا دانستہ اُنکو رسول اللہ کے اقوال و افعال کی طرف التفات اور توجہ نہ تھی وحاشاھم عن ذلک

بخاری و مسلم نے امام شافعی کے واسطے سے کوئی حدیث روایۃ نہیں کی

یہ سچ ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے امام صاحب سے روایت نہیں کی (دو ایک روایتیں مستثنے ہیں) لیکن اس الزام میں اور ائمہ بھی اُنکے شریک ہیں۔ امام شافعی جنکو بڑے بڑے محدثین۔ مثلاً امام احمد حنبل۔ اسحاق بن راہویہ۔ ابو ثور۔ حمیدی۔ ابو زرعۃ الرازی۔ ابوحاتم نے حدیث و روایت کا مخزن تسلیم کیا ہے۔ اُنکی سند سے صحیحین میں ایک بھی روایت موجود نہیں۔ بلکہ بخاری و مسلم نے کسی اور تصنیف میں بھی امام شافعی کی سند سے

[1] مناقب الشافعی للامام الرازی خلفائے اربعہ کی نسبت یہ تعداد میں نے امام شافعی کے قول کے موافق لکھی ہے اور محدثین کے نزدیک اس سے زیادہ حدیثیں اُن لوگوں سے مروی ہیں تاہم اس قدر تعداد نہیں پہنچی جسپر کثرت روایت کا اطلاق کیا جا سکے۔

کوئی روایت نہین کی۔ امام رازی نے بخاری و مسلم کی اس بے اعتنائی کی بہت سی تاویلین کی ہیں۔ مگر کوئی معقول بات نہین بتا سکے صحیحین پر موقوف نہین ترمذی ابوداؤد و ابن ماجہ نسائی۔ مین بھی بہت کم ایسی حدیثین ہین جنکے سلسلہ رواۃ ہیں امام شافعی کا نام آیا ہو حقیقت یہ ہے کہ بعض محدثین نے اعتماد اور اسناد کا جو معیار قرار دیا تھا اُس مین اہل نظر۔ بلکہ اکثر لوگون کے لئے کم گنجایش تھی۔ علامہ قسطلانی نے شرح صحیح بخاری مین لکھا ہے۔ کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ مین نے کسی ایسے شخص سے حدیث نہین لکھی جس کا یہ قول نہ تھا کہ الایمان قول وعمل[1] اگر یہ صحیح ہے تو امام ابوحنیفہ کو انکے دربار مین پہنچنے کی کیونکر امید ہو سکتی تھی۔

جو شخص عمل کو ایمان کی حقیقت مین داخل نہین سمجھتا تو امام بخاری اس سے روایت نہین کرتے تھے

امام بخاری نے تاریخ کبیر مین امام شافعی کا ذکر کیا ہے۔ لیکن جس بے پروائی سے کیا ہے اسکے لحاظ سے امام رازی نے یہی غنیمت سمجھا کہ تضعیف نہین کی۔ چنانچہ امام شافعی کے فضائل مین فرماتے ہین۔ واما الامام محمد بن اسمٰعیل البخاری فقد ذکر الشافعی فی تاریخه الکبیر فقال فی باب محمد بن ادریس بن عبدالله محمد الشافعی القرشی مات سنه اربع ومائتین ثم انه ماذکره فی باب الضعفاء مع علمه بانه کان قد روی شیئاً کثیراً من الحدیث ولو کان من الضعفاء فی هذا الباب الذکر یعنی امام بخاری نے شافعی کا ذکر تاریخ کبیر مین کیا ہے چنانچہ فلان باب مین لکھا ہے کہ محمد بن ادریس بن عبداللہ محمد الشافعی القرشی نے ۲۰۴ھ مین وفات پائی۔ لیکن انکو ضعفاء کے باب مین ذکر نہین کیا۔ حالانکہ امام بخاری جانتے تھے کہ شافعی نے بہت سی حدیثین روایت کی ہین اور اگر وہ اس باب مین ضعیف ہوتے تو امام بخاری ضرور انکو ضعیف لکھتے۔"

امام اوزاعی۔ جو محدث اور مجتہد مستقل تھے اور بلاد شام مین انکا ہی اعزاز و اعتبار

[1] حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ مین امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے ۱۲۔

تھا۔ جو عرب و عراق میں۔ امام مالک۔ و شافعی کا انکی نسبت کسی نے امام احمد حنبل سے رائے پوچھی۔ فرمایا کہ "حدیث ضعیف درائے ضعیف[1]"

لطف یہ ہے کہ مجتہدین۔ جس چیز پر فخر کر سکتے ہیں وہ وقتِ نظر۔ قوت استنباط۔ استخراج مسائل۔ تفریع احکام ہے۔ لیکن محدثین نے ایک گروہ کے نزدیک یہی باتیں عجیب نقص میں داخل ہیں علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری۔ قاضی ابو یوسف کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ اہل حدیث[2] میں سے ایک گروہ نے انکی روایت سے اس بنا پر احتراز کیا ہے کہ آپ پر رائے غالب تھی اور فروع احکام کی تفریع کرتے تھے۔ ان باتوں کے ساتھ بادشاہ کی صحبت میں رہتے تھے اور منصب قضا پر مامور تھے۔ اگر فروع اور احکام کا استنباط بھی جرم ہے تو بے شبہ امام ابو حنیفہ قاضی ابو یوسف سے زیادہ مجرم ہیں۔

البتہ یہ بات غور کے قابل ہے کہ امام ابو حنیفہ۔ اور انکے اتباع کو کیوں اہل الرائے کہا جاتا تھا اس باب میں اکثر لوگوں نے غلطی کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے شہرت عام کے مقابلہ میں تحقیق کی پروا نہ کی۔

اہل الرائے کی تحقیق ربیعۃ الرائے

اس بحث کے تصفیہ کے لیے سب سے پہلے یہ پتہ لگانا چاہیے کہ یہ لقب کب ایجاد ہوا اور کن لوگوں پر اطلاق کیا گیا۔ جہانتک ہمکو معلوم ہے اس لقب کے ساتھ اول جسکو یہ امتیاز حاصل ہے وہ ربیعۃ الرائے ہیں جو امام مالک کے استاد اور شیخ الحدیث تھے۔ رائے کا لفظ انکے نام کا جزو بنگیا ہے اور تاریخ و اسماء الرجال میں ہمیشہ انکا نام ربیعۃ الرائے لکھا جاتا ہے یہ مشہور محدث اور فقیہہ تھے۔ اور بہت سے صحابہ سے ملے تھے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں انکا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے "تمام اصحاب کتب (یعنی صحاح ستہ) نے ان سے احتجاج کیا ہے

[1] مناقب الشافعی امام الرازی۔ باب رابع ۱۲ [2] تاریخ ابن خلکان ترجمہ قاضی ابو یوسف ۱۲

عبد العزیز ماجشون کا قول ہے کہ واللہ مین نے ربیعہ سے زیادہ کسی کو حافظ الحدیث نہین دیکھا

اسی زمانہ مین اور اُسکے بعد اور لوگ بھی اس لقب سے پکارے گئے محدث ابن قتیبہ نے

جو لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور ہیں

کتاب المعارف مین اہل الرائے کی سُرخی سے ایک باب باندھا ہے - اور عنوان کے نیچے یہ نام لکھے ہین - ابن ابی لیلی - ابو حنیفہ - ربیعۃ الرائے - زفر - اوزاعی - سفیان ثوری - مالک بن انس - ابو یوسف قاضی - محمد بن حسن - ابن قتیبہ نے ۲۷۶ھ مین وفات پائی - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم تیسری صدی تک مذکورۂ بالا لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے - اگرچہ یہ سب لوگ درحقیقت (زفر کے سوا) محدث ہین - لیکن امام مالک - سفیان ثوری - امام اوزاعی کی شہرت تو محتاج بیان نہین -

محدثین میں دو گروہ تھے

اصل یہ ہے کہ جو لوگ علم حدیث کی درس تدریس مین مشغول تھے اُن مین دو فرقے قائم ہو گئے تھے - ایک وہ جنکا کام صرف حدیثون اور روایتون کا جمع کرنا تھا - وہ حدیث سے صرف من حیث الروایۃ بحث کرتے تھے - یہانتک کہ انکو ناسخ و منسوخ سے بھی کچھ سروکار نہ تھا - دوسرا فرقہ حدیثون کو استنباطِ احکام اور استخراج مسائل کے لحاظ سے دیکھتا تھا اور اگر کوئی نص صریح نہیں ملتی تھی تو قیاس سے کام لیتا تھا - اگرچہ یہ دونو حیثیتین دونون فریق مین کسی قدر مشترک تھین - لیکن وصفِ غالب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممتاز تھا - پہلا فرقہ اہل الروایۃ - اور اہل الحدیث - اور دوسرا فرقہ - مجتہد اور اہل الرائے کے نام سے پکارا جاتا تھا - امام مالک - سفیان ثوری - اوزاعی - اس لئے اہل الرائے کہلائے کہ وہ محدث ہونے کے ساتھ مجتہد مستقل اور بانی مذہب تھے - لیکن چونکہ ان لوگون مین بھی معلوماتِ حدیث اور قوت اجتہاد کے لحاظ سے اختلاف مراتب تھا - اس لئے اضافی طور پر کبھی کبھی اس فرقہ مین سے ایک کو اہل الرائے اور دوسرے کو اہل حدیث کہتے تھے

مثلاً امام مالک کی بہ نسبت امام ابوحنیفہ پر مجتہد اور اہل الرائے کا لقب زیادہ موزون تھا۔ امام احمد حنبل سے ایک بار نضر بن یحییٰ نے پوچھا کہ "آپ لوگوں کو ابوحنیفہ پر کیا اعتراض ہے" انھوں نے جواب دیا کہ "رائے" نضر نے کہا کہ کیا امام مالک رائے پر نہیں عمل کرتے۔ امام احمد حنبل بولے کہ ہاں لیکن ابوحنیفہ رائے کو زیادہ دخل دیتے ہیں۔ نضر نے کہا تو حصہ رسدی کے موافق دونوں پر الزام آنا چاہیئے نہ صرف ایک پر امام احمد حنبل کچھ جواب نہ دے سکے اور چپ ہو گئے [۱]

امام صاحب اہل الرائے کے لقب سے مشہور ہونے کی وجہ

امام ابوحنیفہ سے پہلے فقہ کوئی مستقل اور مرتب فن نہ تھا۔ امام صاحب نے جب اسکی تدوین کی طرف توجہ کی تو ہزاروں مسئلے ایسے پیش آئے جن میں کوئی حدیث صحیح۔ بلکہ صحابہ کا قول بھی موجود نہ تھا۔ اس لیئے انکو قیاس سے کام لینا پڑا۔ قیاس پر گو پہلے بھی عمل تھا۔ خود صحابہ قیاس کرتے تھے اور اسکے مطابق فتوے دیتے تھے (اس کا مفصل بیان آگے آئیگا) لیکن اسوقت تک تمدن کو چنداں وسعت حاصل نہ تھی۔ اس لئے نہ کثرت سے واقعات پیش آتے تھے نہ چنداں قیاس کی ضرورت پڑتی تھی۔ امام صاحب نے فقہ کو مستقل فن بنانا چاہا تو قیاس کی کثرت استعمال کے ساتھ اسکے اصول و قواعد بھی مرتب کرنے پڑے۔ اس بات نے انکو اور زیادہ قیاس کے انتساب سے زیادہ شہرت دی۔ چنانچہ تاریخوں میں جہاں انکا نام لکھا جاتا ہے تو اہل الرائے لکھا جاتا ہے۔

ایک اور وجہ

اس شہرت کی ایک اور وجہ ہوئی۔ عام محدثین۔ حدیث و روایت میں درایت سے بالکل کام نہیں لیتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے اسکی ابتدا کی اور اسکے اصول و قواعد منضبط کئے۔ انہوں نے بہت سی حدیثیں اس بنا پر قبول نہ کیں کہ اصول درایت کے موافق ثابت نہیں ہوتی تھیں۔ اس لقب کو زیادہ شہرت ہوئی۔ کیونکہ درایت۔ اور رائے مترادف سے الفاظ ہیں اور کم

یہ کہ عام لوگ ان دونون مین فرق کر سکتے تھے۔

امام ابوحنیفہ کا محدث اور حافظ الحدیث ہونا

ان عارضی بحثون کے بعد ہم اصل مسئلہ پر متوجہ ہوتے ہین۔ یعنی یہ کہ امام ابوحنیفہ کو فن حدیث مین کیا رتبہ حاصل تھا۔ اس بحث کے فیصلے کے لئے انکی علمی زندگی کے ان واقعات پر نظر ڈالنی چاہیے جو نہایت صحیح اور مستند روایتون سے ثابت ہیں اس کتاب کے پہلے حصہ مین ہم امام ابوحنیفہ کی تحصیل حدیث کے حالات۔ ان کتابون کی سند سے لکھ آئے ہیں۔ جنپر فن رجال کا دارومدار ہے۔ اب غور کرو کہ جس شخص نے بیس برس کی عمر سے جو فہم کی درستی اور پختگی کا زمانہ ہے علم حدیث پر توجہ کی ہو۔ اور ایک مدت تک اس شغل مین مصروف رہا ہو جسنے کوفہ کے مشہور شیوخ حدیث سے حدیثین سیکھی ہون۔ جو حرم محترم۔ کی درسگاہون مین برسون تحصیل حدیث کرتا رہا ہو جسکو مدینہ منورہ کے شیوخ نے سند فضیلت دی ہو۔ جسکے اساتذہ حدیث عطا بن ابی رباح۔ نافع بن عمر۔ عمر بن دینار۔ محارب بن دثار۔ اعمش کوفی۔ امام باقر۔ علقمہ بن مرثد۔ مکحول شامی۔ امام اوزاعی۔ محمد بن مسلم الزہری۔ ابو اسحق السبیعی۔ سلیمان بن یسار۔ عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج۔ منصور المعتمر۔ ہشام بن عروہ۔ وغیرہ ہون۔ جو فن روایت کے ارکان ہین اور جنکی روایتون سے بخاری ومسلم مالامال ہین۔ وہ حدیث مین کس رتبہ کا شخص ہوگا؟

اسکے ساتھ۔ امام صاحب کے شاگردون پر لحاظ کرو[1]۔ یحییٰ بن سعید القطان جو فن جرح وتعدیل کے امام ہیں۔ عبدالرزاق بن ہمام جنکے جامع کبیر سے۔ امام بخاری نے فائدہ اٹھایا ہے یزید بن ہرون۔ جو امام احمد حنبل کے استاد تھے۔ وکیع بن الجراح۔ جنکی نسبت امام احمد حنبل کہا کرتے تھے کہ حفظ اسناد۔ روایت مین مین نے انکا ہمسر کسی کو نہیں دیکھا عبداللہ بن المبارک جو فن حدیث مین امیر المومنین تسلیم کیے گئے ہین۔ یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ۔ جنکو علی بن المدینی

---

[1] ان لوگون کا تذکرہ اس کتاب کے خاتمہ مین کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

(اُستاد بخاری) نتہائے علم کہلاتے تھے ۔ یہ لوگ برائے نام امام صاحب کے شاگرد نہ تھے بلکہ برسون اُنکے دامن فیض مین تعلیم پائی تھی اور اس انتساب پر اُنکو فخر و ناز تھا ۔ عبداللہ بن المبارک کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے ابوحنیفہ و سفیان ثوری سے میری مدد نہ کی ہوتی تو مین ایک معمولی آدمی ہوتا ۔ وکیع ۔ اور یحییٰ بن ابی زائدہ امام صاحب کی صحبت مین اتنی مدت تک رہے تھے کہ صاحب ابی حنیفہ کہلاتے تھے کیا اس رتبہ کے لوگ جو خود حدیث و روایت کے پیشوا اور مقتدا تھے کسی معمولی شخص کے سامنے سر جھکا سکتے تھے ؟

اجتہاد کے شرائط اور امام صاحب کا مجتہد مطلق ہونا

ان باتون کے علاوہ امام ابوحنیفہ ۔ کا مجتہد مطلق ہونا ایک ایسا مسلم مسئلہ ہے جس سے بارہ سو برس کی مدت مین شاید ایک آدہ ہی شخص نے انکار کیا ہو ۔ اجتہاد کی تعریف ۔ علمائے حدیث ۔ مثلاً ۔ بغوی ۔ رافعی ۔ علامہ نووی ۔ وغیرہ نے ان لفظون مین کی ہے "مجتہد وہ شخص ہے جو قرآن ۔ حدیث ۔ مذاہب سلف ۔ لغت ۔ قیاس ۔ ان پانچ چیزون مین کافی دستگاہ رکھتا ہو یعنی مسائل شرعیہ کے متعلق جسقدر قرآن مین آیتین ہین جو حدیثین رسول اللہ سے ثابت ہین جس قدر علم لغت درکار ہے ۔ سلف کے جو اقوال ہیں ۔ قیاس کے جو طریق ہیں قریب کل کے جانتا ہو ۔ اگر انمین سے کسی مین کمی ہے تو وہ مجتہد نہین ہے ۔ اور اسکو تقلید کرنی چاہیئے"[1]

اسی بنا پر علامہ ابن خلدون نے فصل علوم الحدیث مین مجتہدین کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ "بعض ناانصاف مخالفین کا قول ہے کہ ان مجتہدون مین سے بعض ۔ فن حدیث مین کم مایہ تھے ۔ اس لئے اُنکی روایتین کم ہین ۔ لیکن یہ خیال غلط ہے ۔ ائمہ کبار کی نسبت یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کیونکہ شریعت ۔ قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے ۔ پس جو شخص حدیث مین کم مایہ ہے اُسکو تلاش اور کوشش کرنی چاہیئے تاکہ دین کو اصول صحیحہ سے اخذ کر سکے" اسکے بعد علامہ موصوف

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲ و عقد الجید شاہ ولی اللہ صاحب بحث حقیقت اجتہاد ۱۲

لکھتے ہیں کہ فن حدیث میں امام ابو حنیفہ کا کبار مجتہدین میں ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکا مذہب محدثین میں معتبر خیال کیا جاتا ہے اور رداً و قبولاً اُس سے بحث کیجاتی ہے[1]۔ علامہ موصوف نے اسکا سبب بھی بتایا ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ کی روایتیں کم کیوں ہیں۔ ہم خود اسکو مفصل لکھیں گے

محدثین میں بھی اکثروں نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے جو زمانہ مابعد کے تمام محدثین کے پیشوا اور امام ہیں۔ حفاظ حدیث کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "یہ اُن لوگوں کا تذکرہ ہے جو علم نبوی کے حامل ہیں اور جنکے اجتہاد پر توثیق اور تضعیف تصحیح و تزئیف میں رجوع کیا جاتا ہے" علامہ موصوف نے تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور کسی ایسے شخص کا حال نہیں لکھا جو علم حدیث کا بڑا ماہر نہ ہو۔ چنانچہ خارجہ بن ثابت کا ضمناً ایک موقع پر ذکر آگیا ہے تو لکھتے ہیں کہ میں نے انکو حفاظ حدیث میں اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وہ قلیل الحدیث تھے" امام ابو حنیفہ کے محدث ہونے کا اس سے زیادہ کیا ثبوت درکار ہے کہ علامہ ذہبی نے اس کتاب میں انکا ترجمہ لکھا ہے اور انکو حفاظ حدیث سے شمار کیا ہے۔

حافظ ابو المحاسن دمشقی شافعی نے عقود ... ن میں ایک خاص باب باندھا ہے جس کے یہ الفاظ ہیں الباب الثالث والعشرون - فی بیان کثرۃ حدیثہ وکونہ من اعیان الحفاظ المحدثین - یعنی تیئسواں باب اس بیان میں کہ وہ (امام ابو حنیفہ) کثیر الحدیث اور اعیان الحفاظ سے تھے" قاضی ابو یوسف صاحب جنکو یحییٰ بن معین۔ صاحب الحدیث کہتے تھے۔ اور علامہ ذہبی نے انکو حفاظ حدیث میں محسوب کیا ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ "ہم لوگ امام

محدث ذہبی نے امام ابو حنیفہ کو حفاظ حدیث میں محسوب کیا ۱۲

[1] تعجب ہے کہ اس تصریح کے ہوتے ہوئے بعض کوتاہ بینوں نے امام صاحب کی ناواقفیت حدیث پر ابن خلدون کے ایک ضمنی قول سے استدلال کیا ہے جسکو خود ابن خلدون نے ایسے لفظوں میں بیان کیا ہے جو ضعف اور عدم وثوق پر دلالت کرتا ہے ۱۲

ابو حنیفہ سے مسائل میں بحث کرتے تھے۔ جب آپ کی رائے قائم ہو جاتی تھی تو میں حلقۂ درس سے اٹھ کر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا تھا۔ اور اُنسے اُس مسئلہ کے متعلق حدیثیں دریافت کر کے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔

امام صاحب اُن حدیثوں میں سے بعض کو قبول کرتے تھے بعض کو فرماتے تھے کہ صحیح نہیں۔ میں پوچھتا کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ فرماتے کہ کوفہ میں جو علم ہے میں اُس کا عالم ہوں[1]

یہ تمام باتیں اسبات کی شاہد ہیں کہ علم حدیث میں امام ابو حنیفہ کا کیا پایہ تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان باتوں نے امام ابو حنیفہ کو امام ابو حنیفہ نہیں بنایا۔ اگر وہ حافظ احادیث تھے تو اور لوگ بھی تھے اگر اُنکے شیوخ حدیث کئی سو تھے تو بعض ائمہ سلف کے شیوخ کئی کئی ہزار تھے اگر اُنھوں نے کوفہ و حرمین کی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی تو اوروں نے بھی یہ شرف حاصل کیا تھا۔ امام ابو حنیفہ کو جس بات نے تمام ہمعصروں میں امتیاز دیا وہ اور چیز ہے جو ان سب باتوں سے بالاتر ہے۔ یعنی احادیث کی تنقید اور بلحاظ ثبوت احکام اُنکے مراتب کی تفریق

امام ابو حنیفہ کے بعد علم حدیث کو بہت ترقی ہوئی غیر مرتب اور پریشان حدیثیں یکجا کی گئیں صحاح کا التزام کیا گیا۔ اصول حدیث کا مستقل فن قائم ہو گیا۔ جسکے متعلق سیکڑوں بیش بہا کتابیں تصنیف ہوئیں زمانہ اس قدر ترقی کر گیا ہے۔ باریک بینی اور دقت آفرینی کی کوئی حد نہیں رہی تجربہ اور دقت نظر نے سیکڑوں نئے نکتے ایجاد کئے۔ لیکن تنقید احادیث اصول درایت امتیاز مراتب۔ میں امام ابو حنیفہ کی تحقیق کی جو حد ہے آج بھی ترقی کا قدم اُس سے آگے نہیں بڑھتا۔

اس اجمال کی تفصیل اسوقت سمجھ میں آسکتی ہے کہ فن حدیث کی آغاز اور طرز ترقی کا اجمالی

[1] عقود الجمان ۱۲

نقشہ کھینچا جائے۔ جس سے ظاہر ہو کہ روایتوں کا سلسلہ کیونکر پیدا ہوا۔ اور کس کس دور میں آ کر کیا کیا حالتیں بدلیں۔ اسی سے اسباب کا اندازہ ہو سکے گا کہ احادیث کی تنقید میں اجتہاد و رائے کا کسقدر کام ہے اور امام ابو حنیفہ کو اس لحاظ سے اپنے تمام معاصرین میں کیا خاص امتیاز حاصل ہے۔

سلسلہ حدیث کی مختصر تاریخ

اسناد و روایت کا سلسلہ اگرچہ رسول اللہ کے عہد مبارک ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ لیکن اسوقت تک جسقدر تھا نہایت سادہ اور قدرتی صورت میں تھا۔ آغاز نبوت سے تیرہ برس کا زمانہ تو ایسا پر آشوب زمانہ تھا کہ صحابہ کو اپنی جان کی پڑی تھی اسناد و روایت کا کہاں موقع تھا اسی ضرورت سے احکام و فرائض بھی کم تھے۔ یعنی نماز کے سوا اور کچھ فرض نہ ہوا تھا۔ کیونکہ اس زحمت میں اور فرائض کی تکلیف تکلیف مالا یطاق سے کم نہ تھی۔ نمازیں بھی مختصر تھیں یعنی ظہر، عصر، عشا۔ سب میں صرف دو رکعتیں فرض تھیں۔ جمعہ و عیدین سرے سے مامور بہ نہ تھے۔ ۲ھ ہجری میں یعنی نبوت سے پندرھویں برس روزے فرض ہوئے زکوۃ کی نسبت اختلاف ہے علامہ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ ۹ھ میں فرض ہوئی[1] حج کا حکم بھی اسی سنہ میں ہوا۔ غرض آغاز نبوت سے ایک مدت تک نماز کے سوا نہ اور احکام صادر ہوئے تھے نہ انکے متعلق حدیثیں اور روایتیں پیدا ہوئی تھیں۔ صحابہ، مسائل و احکام کے متعلق زیادہ پرسش نہیں کرتے تھے۔ خود قرآن میں حکم آ چکا تھا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ کے اصحاب سے کسی قوم کو بہتر نہیں دیکھا۔ تمام زمانہ نبوت میں صرف ۱۳ مسئلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے جو سب قرآن میں مذکور ہیں[1] اور صحابہ سے بھی اسی قسم کے اقوال منقول ہیں۔

جو احکام اور واقعات پیش آتے تھے ان میں بھی روایت کا سلسلہ کم جاری ہوا تھا۔ صحابہ

---

[1] مسند دارمی ۱۲

خود رسول اللہ سے پوچھ لیا کرتے تھے۔ اور واسطہ روایت کی کم ضرورت پڑتی تھی۔ حدیثوں کی قلم بند کرنے کی اجازت نہ تھی صحیح مسلم میں روایت ہے کہ لا تکتبوا عنی شیئا الا القرآن ومن کتب عنی شیئا غیر القرآن فلیمحہ۔ رسول کے بعد حضرت ابوبکر کی خلافت شروع ہوئی ابتداء ہی میں عرب کی بغاوت عام کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس سے فارغ ہو کر روم و ایران کی مہمیں شروع ہو گئیں۔ اور انکی مختصر خلافت میں حدیثوں کی چنداں اشاعت نہ ہو سکی۔ حضرت عمر نے سات برس خلافت کی اور ملک میں نہایت امن و امان رہا۔ لیکن وہ دانستہ حدیثوں کی کثرت کو روکتے تھے۔ علامہ ذہبی نے طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر۔ اس خوف سے کہ حدیث بیان کرنے والا رسول اللہ کی طرف غلط روایت منسوب نہ کر دے۔ صحابہ کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کیا کریں[1]۔ ایک بار انصار کے ایک گروہ کو کوفہ بھیجا۔ چلتے وقت آپ نے فرمایا کہ "تم لوگ کوفہ جا رہے ہو۔ وہاں ایک قوم سے ملو گے جو بڑی رقت سے قرآن تلاوت کرتے ہیں وہ تمہاری آمد سنکر مشتاق ہونگے کہ رسول اللہ کے اصحاب آئے ہیں رسول اللہ کے اصحاب آئے ہیں لیکن جب وہ تمہارے پاس آئیں اور حدیثیں سننی چاہیں تو زیادہ حدیثیں نہ بیان کرنا"[2]۔ اسی طرح عراق۔ کو صحابہ جانے لگے تو حضرت عمر نے خود انکی مشایعت کی۔ اور ان سے پوچھا کہ "جانتے ہو میں کیوں تمہارے ساتھ آ رہا ہوں" لوگوں نے تکرمۃ علینا۔ یعنی ہماری عزت افزائی کے لیے" فرمایا کہ "ہاں لیکن ایک اور مقصد ہے۔ وہ یہ کہ جہاں جا رہے ہو وہاں لوگ اکثر قرآن کی تلاوت کیا کرتے ہیں۔ ان کو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا اور رسول اللہ سے کم روایت کرنا چنانچہ جب یہ لوگ قرظہ پہنچے تو لوگ یہ سنکر کہ صحابہ تشریف لائے ہیں زیارت کو آئے۔ اور حدیثوں کی خواہش ظاہر کی۔ ان لوگوں نے اس بنا پر انکار کیا کہ حضرت عمر نے منع کیا ہے[3]

حضرت عمر کثرت روایت کو روکتے تھے

[1] طبقات الحفاظ ترجمہ حضرت عمر ۱۲ [2] مسند دارمی ۱۲ [3] طبقات الحفاظ۔ ترجمہ حضرت عمر فاروق ۱۲

حضرت ابو ہریرہ سے ابو سلمہ نے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اس طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ بولے کہ "نہیں ورنہ عمرؓ درے لگاتے"[1]

حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی مجموعی خلافت بیس اکیس برس رہی۔ اس میں احادیث کی زیادہ اشاعت ہوئی۔ صحابہ دور دور پھیل گئے تھے۔ ضرورتیں بڑھتی جاتی تھیں۔ نئے نئے مسئلے پیش آتے تھے۔ ان اسباب نے حدیث و روایت کے سلسلہ کو بہت وسعت دی۔ حضرت عثمانؓ کے اخیر زمانہ میں بغاوت ہوئی جس کا خاتمہ خلیفہ وقت کی شہادت پر ہوا۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ جماعت اسلام میں فرقہ بندیاں قائم ہوئیں۔ حضرت علیؓ کی خلافت شروع ہی سے پرآشوب رہی۔ ان اختلافات اور فتن کے ساتھ وضع احادیث کی ابتدا ہوئی اور اگرچہ کثرت اور انتشار زیادہ تر زمانہ مابعد میں ہوا۔ لیکن خود صحابہ کے عہد میں اہل بدعت نے سیکڑوں ہزاروں حدیثیں ایجاد کر لی تھیں۔ مقدمہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک بار بشیر عدوی حضرت عبد اللہ ابن عباس کے پاس آیا اور حدیث بیان کرنی شروع کی۔ انھوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ بشیر نے "ابن عباس! میں رسول اللہ سے روایت کر رہا ہوں اور تم متوجہ نہیں ہوتے" فرمایا کہ "ایک زمانہ میں ہمارا یہ حال تھا کہ کسی کو قال رسول اللہ کہتے سنتے تھے تو فوراً ہماری نگاہیں اٹھ جاتی تھیں اور کان لگا کر سنتے تھے۔ لیکن جب سے لوگوں نے نیک و بد میں تمیز نہیں رکھی ہم صرف ان حدیثوں کو سنتے ہیں جنکو ہم خود بھی جانتے ہیں"

حدیثوں کا وضع کیا جانا

زبانی روایت سے گزر کر تحریروں میں بھی جعل شروع ہو گیا تھا۔ مسلم نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ عبد اللہ بن عباس۔ حضرت علیؓ کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے بیچ بیچ میں الفاظ چھوڑ دیتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ "واللہ علیؓ نے ہرگز یہ فیصلہ نہیں کیا ہوگا اسی طرح

---

[1] طبقات الحفاظ۔ ترجمہ عمر فاروقؓ ۱۲

ایک اور دفعہ عبد اللہ بن عباس نے حضرت علیؓ کی ایک تحریر دیکھی تو تھوڑے سے الفاظ کے سوا باقی سب عبارت مٹا دی۔

وضع حدیث اور روایت میں بے احتیاطی کے اسباب

لوگوں کو وضع حدیث کی زیادہ جرأت اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اُسوقت تک اسناد و روایت کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا۔ جو شخص چاہتا تھا قال رسول اللہ کہہ دیتا تھا اور اثبات سند کے مواخذہ سے بری رہتا تھا۔ ترمذی نے کتاب العلل میں امام ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ "پہلے زمانہ میں لوگ اسناد نہیں پوچھا کرتے تھے۔ جب فتنہ پیدا ہوا تو اسناد کی پوچھ گچھ ہوئی تاکہ اہل سنت کی حدیثیں لیجائیں اور اہل بدعت کی ترک کیجائیں۔" لیکن حدیث کی بے اعتباری اہل بدعت پر موقوف نہ تھی اسلئے یہ احتیاط چنداں مفید نہ ہوئی اور غلطیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

بنو امیہ کا دور شروع ہوا اور بڑے زور شور سے حدیث نے ترویج پائی۔ صحابہ کی تعداد جس قدر کم ہوتی جاتی تھی۔ اُسی قدر اُنکی قدر اور اُنکی طرف التفات بڑہتا جاتا تھا۔ تمدن میں بہت کچھ ترقی ہو گئی تھی۔ نئی نئی قومیں مسلمان ہوتی جاتی تھیں۔ ان نو مسلموں کو ادہر تو اسلام کا نیا نیا جوش تھا۔ اُدہر قوم فاتح کے مجمع میں عزت و اثر پیدا کرنے کی اس سے بڑھکر کوئی تدبیر نہ تھی۔ ان باتوں نے اُنکو معلومات مذہبی کا اس قدر شایق بنا دیا تھا کہ خود عرب۔ اُنکی ہمسری کا دعوی نہیں کر سکتے تھے۔ غرض تمام ممالک اسلامیہ میں گھر گھر حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے اور سیکڑوں ہزاروں درسگاہیں قائم ہو گئیں۔

لیکن جس قدر اشاعت کو وسعت حاصل ہوتی جاتی تھی۔ اعتماد اور صحت کا معیار کم ہوتا جاتا تھا۔ ارباب روایت کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ اُس میں مختلف خیال مختلف عادات مختلف عقاید مختلف قوم کے لوگ شامل تھے۔ اہل بدعت جابجا پھیل گئے تھے۔ اور اپنے مسائل کی ترویج میں مصروف تھے۔ سب سے زیادہ یہ کہ پوری ایک صدی گذر جانے پر بھی کتابت

کا طریقہ مروج نہین ہوا تھا۔ اِن اسباب سے روایتون مین اس قدر بے احتیاطیان ہوئین کہ موضوعات اور اغالیط کا ایک دفتر بے پایان تیار ہوگیا۔ یہان تک کہ امام بخاری نے اپنے زمانہ مین صحیح حدیثون کو جدا کرنا چاہا تو کئی لاکھ مین سے انتخاب کرکے جامع صحیح لکھی جس مین کل ۷۲۹۷ حدیثین ہین اُس مین بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائین تو صرف ۲۷۶۱ حدیثین باقی رہتی ہین

سیکڑون ہزارون بلکہ لاکھون حدیثین دانستہ لوگون نے وضع کرلین حماد بن زید کا بیان ہے کہ چودہ ہزار حدیثین صرف ایک فرقہ زنادقہ نے وضع کرلین۔ عبدالکریم وضاع نے خود تسلیم کیا تھا کہ چار ہزار حدیثین اُسکی موضوعات سے ہین۔ بہت سے ثقات اور پارسا تھے جو نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب مین حدیثین وضع کرتے تھے حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہین کہ "ان حدیثون نے بہت ضرر پہنچایا کیونکہ ان واضعین کی ثقاہت اور تورع و زہد کی وجہ سے یہ حدیثین اکثر مقبول ہوگئین اور رواج پاگئین۔

زنادقہ نے چودہ ہزار حدیثین اور ایک شخص نے چار ہزار حدیثین وضع کین

وضع کے بعد۔ مساہلات۔ غلط فہمیان سب بے احتیاطیون کا درجہ تھا جنکی وجہ سے ہزارون اقوال رسول اللہ کی طرف بے قصد منسوب ہوگئے۔ بعض محدثین کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ۔ حدیث کی تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے اور اکثر حروف تفسیر حذف کردیتے تھے جس سے سامعین کو دہوکا ہوتا تھا اور وہ اُنکے تفسیری جملون کو بھی حدیث مرفوع سمجھ لیتے تھے تعجب یہ ہے کہ اس قسم کے مسامحات بڑے بڑے ائمہ فن سے صادر ہوئے امام زہری جو امام مالک کے اُستاد۔ اور حدیث کے ایک بڑے رکن تھے۔ اُن کی نسبت علامہ سخاوی لکھتے ہین وکذا کان الزہری یفسر الحدیث کثیرا وربما اسقط اداۃ التفسیر یعنے "اسی طرح زہری۔ اکثر حدیث کی تفسیر کرتے تھے اور وہ حروف جن سے اُس عبارت کا

سلہ فتح المغیث صفحہ ۱۰۱ سلہ فتح المغیث صفحہ ۱۰۱-۱۰۲

تفسیر ہونا ظاہر ہو۔ چھوڑ دیا کرتے تھے"۔ وکیع۔ کا بھی یہی حال تھا۔ وہ اکثر حدیث کے بیچ بیچ
مین "یعنی" کہکر مطلب بیان کرتے جاتے۔ اور اکثر "یعنی" کا لفظ چھوڑ دیتے تھے جس سے
سامعین کو اشتباہ ہوتا تھا۔ کتب رجال و اصول حدیث مین اس قسم کی اور بہت مثالین
ملتی ہین۔

بڑی آفت تدلیس کی تھی جس کا ارتکاب بڑے بڑے ائمہ فن کرتے تھے۔ اس تدلیس نے
اسناد کے اتصال کو بالکل مشتبہ کر دیا تھا انکے سوا اور بہت سی بے احتیاطیان تھین جنکی تفصیل
حدیث کی کتابون مین ملسکتی ہے۔

غرض امام ابو حنیفہ کے زمانہ مین احادیث کا جو دفتر تیار ہو چکا تھا۔ ہزارون موضوعات
اغالیط۔ ضعاف۔ مدرجات۔ سے بھرا ہوا تھا۔ اسوقت امام بخاری۔ و مسلم نہ تھے۔ جو صحیح
حدیثون کے انتخاب کی کوشش کرتے۔ امام ابو حنیفہ۔ گو مہمات فقہ کی وجہ سے اس طرف متوجہ
نہ ہو سکے۔ تاہم انھون نے روایتون کی تنقیدی بنیاد ڈالی۔ اور اُس کے اصول و ضوابط قرار دیے
انکے اصول تنقید نہایت سخت خیال کئے گئے ہین۔ یہانتک کہ محدثین نے انکو متشدد فی الروایۃ
کا لقب دیا ہے۔ تمام اور محدثین کی بہ نسبت امام صاحب کی قلیل الروایۃ ہونے کی ایک یہ بھی
وجہ ہے بلکہ تمام اور وجوہ کی بہ نسبت یہ زیادہ قوی سبب ہے۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہین

والامام ابو حنیفۃ انما قلت روایتہ لما شدد فی شروط الروایۃ والتحمل

یعنی ابو حنیفہ کی روایتین اس لئے کم ہین کہ انھون نے روایت اور تحمل کی شرطوں مین
سختی کی"۔ حدیث کے متعلق پہلا اجمالی خیال جو امام صاحب کے دل مین پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ
بہت کم حدیثین ہین جو صحیح ہین۔ یا یہ کہ بہت کم حدیثین ہین جنکی صحت کا کافی ثبوت موجود ہو
یہ صدا۔ اگرچہ جدت کی وجہ سے کسی قدر نامانوس صدا تھی اور اسی وجہ سے بعض بعض ارباب حدیث

امام صاحب کا خیال تھا کہ بہت کم حدیثین صحیح ہین۔

نے نہایت سخت مخالفت کی۔ لیکن امام صاحب اس خیال پر مجبور بلکہ معذور تھے انھوں نے
یہ رائے مقلدانہ نہیں قائم کی تھی۔ وہ اپنے زمانہ کے اکثر مشہور شیوخ سے ملے تھے اور انکے
سرمایۂ حدیث سے متمتع ہوئے تھے۔ حرمین کی بڑی بڑی درسگاہوں میں برسوں تعلیم پائی
تھی۔ کوفہ۔ بصرہ۔ حرمین۔ میں ارباب روایت کا جو گروہ موجود تھا برسوں کے تجربہ سے انکے
ذاتی اوصاف۔ اخلاق و عادات پر اطلاع حاصل کی تھی۔ غرض اس مسئلہ کے متعلق اثباتاً یا نفیاً
مجتہدانہ رائے قائم کرنے کے لئے جو شرطیں درکار تھیں سب انمیں موجود تھیں۔

اس خیال کا ایک بڑا سبب

اس خیال کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہ مسئلہ کسی نہ کسی پیرایہ میں انکے خاندان تعلیم
میں وراثتاً چلا آتا تھا۔ حدیث و فقہ میں انکے خاندان تعلیم کے مورث اول۔ عبداللہ بن مسعود
ہیں اور مذہب حنفی کی بنیاد زیادہ تر انہیں کی روایات و استنباطات پر ہے۔ عبداللہ بن مسعود
اگرچہ بہت ہی بڑے محدث تھے۔ لیکن اور محدثین صحابہ کی نسبت قلیل الروایۃ تھے جسکی وجہ
یہ تھی کہ وہ متشدد اور محتاط تھے۔ علامہ ذہبی انکے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "ممن یتحری فی
الاداء ویشدد فی الروایۃ" "وکان یقل من الروایۃ للحدیث یعنی عبداللہ
بن مسعود اداء میں تحری اور روایت میں تشدد کرتے تھے۔ اور حدیث کی روایت کم کرتے
تھے" ابراہیم نخعی۔ جو عبداللہ بن مسعود کے بیک واسطہ شاگرد اور امام ابو حنیفہ کے بیک واسطہ
استاد تھے۔ انکا بھی یہی مذہب تھا اور اسی وجہ سے وہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے امام
ابو حنیفہ نے گو اور بہت سی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی لیکن انکی معلومات اور خیالات کا
اصلی مرکز یہی خاندان تھا۔ یہی خاندانی اثر تھا جس نے انکے دل میں یہ خیال پیدا کیا۔ اور اسکو
انکے ذاتی تجربہ اور وقت نظر نے اور بھی قوت دی۔

امام صاحب کے اس خیال نے اگرچہ قبول عام کی سند حاصل نہیں کی تاہم وہ بالکل

بے اثر نہیں رہا۔ امام مالک و امام شافعی۔ جو اجتہاد میں امام ابوحنیفہ سے متاخر ہیں اون کے اصول اجتہاد میں اس خیال کا صاف پرتو پایا جاتا ہے۔ امام مالک نے روایت کے متعلق جو قیدا اور شرطین لگائی ہیں وہ امام ابوحنیفہ کے شرائط کے قریب قریب ہین اور یہی وجہ ہے کہ متشددین فی الروایۃ میں امام ابوحنیفہ و امام مالک کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے۔ ابن الصلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ ومن مذاهب التشدد يد مذهب من قال لا حجة الا فيما رواه الراوي من حفظه وتذكره وذلك مروي عن مالك وابي حنيفه یعنی تشددین کا یہ مذہب ہے کہ صرف وہ حدیث قابل حجت ہے جسکو راوی نے اپنی حفظ سے یاد رکھا ہو اور یہ قول مالک و ابوحنیفہ سے منقول ہے۔" محدثین نے لکھا ہے کہ امام مالک نے اول جب موطا لکھی تو اُس میں دس ہزار حدیثین تھین۔ پھر امام مالک زیادہ تحقیق کرتے گئے تو یہ تعداد کم ہوتی گئی۔ یہانتک کہ چھ سات سو رہ گئی۔ امام شافعی نے صاف لفظونمین امام ابوحنیفہ کے خیالات ظاہر کئے ہین۔ امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک دن ہرم قرشی نے امام شافعی سے کہا کہ آپ وہ حدیثین لکھوایئے جو رسول اللہ سے ثابت ہین۔ انھون نے جواب دیا کہ ارباب معرفت کے نزدیک صحیح حدیثین کم ہین۔ کیونکہ ابوبکر صدیق رض نے جو حدیثین رسول اللہ سے روایت کین انکی تعداد سترہ سے زیادہ نہین ہے۔ عمر بن الخطاب رض باوجود اسکے کہ رسول اللہ کے بعد مدت تک زندہ رہے انکی روایت سے پچاس حدیثین بھی ثابت نہین۔ حضرت عثمان رض کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت علیؓ۔ اگرچہ لوگون کو حدیث سیکھنے کی ترغیب دلاتے تھے۔ لیکن۔ اُن سے بھی کم حدیثین مروی ہین کیونکہ وہ مطمئن نہین رہے ان سے جو حدیثین مروی ہین اکثر حضرت عمر۔ اور حضرت عثمان کے عہد خلافت کی ہین ان لوگون کے سوا اور صحابہ سے بہت سی حدیثین مروی ہین لیکن اہل معرفت کے

امام مالک و ابوحنیفہ کی شرط روایت قریب قریب متحد ہین۔

امام شافعی کا قول تھا کہ صحیح حدیثین بہت کم ہین

نزدیک وہ تمام روایتین صحیح سند سے ثابت نہین ہیں۔[1]

اِن باتون سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ امام ابو حنیفہ۔ معتزلیون کی طرح احادیث کے منکر تھے یا صرف دس بیس حدیثون کو تسلیم کرتے تھے۔ آنکے شاگردون نے خود آن سے سیکڑون حدیثین روایت کین ہیں۔ موطا امام محمد۔ کتاب الآثار۔ کتاب الحج۔ جو عام طور پر متداول ہین ان مین بھی امام صاحب سے بیسیون حدیثین مروی ہیں۔ البتہ اور محدثین کی نسبت ان کی احادیث مسلسل کی تعداد کم ہے اور آسکی وجہ وہی شروط روایت کی سختی ہے۔ امام صاحب نے روایت کے متعلق جو شرطین اختیار کین کچھ تو وہی ہین جو اور محدثین کے نزدیک مسلّم ہیں۔ کچھ ایسی ہین جنمین وہ منفرد ہین یا صرف امام مالک اور بعض اور مجتہدین آنکے ہمزبان ہین۔

امام صاحب نے روایت کے لئے کیا شرطین مقرر کین

ان مین سے ایک یہ مسئلہ ہے کہ صرف وہ حدیث حجت ہے جسکو راوی نے اپنے کانون سنا ہو اور روایت کے وقت تک یاد رکھا ہو" یہ قاعدہ بظاہر نہایت صاف ہے جس سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا لیکن آسکی تفریعین نہایت وسیع اثر رکھتی ہیں اور عام محدثین کو آن سے اتفاق نہین ہے۔ محدثین کے نزدیک ان پابندیون سے روایت کا دائرہ تنگ ہوجاتا ہے اور اس سے ہمکو بھی انکار نہین۔ لیکن اس کا فیصلہ ناظرین خود کرسکتے ہیں کہ احتیاط مقدم ہے۔ یا روایت کی وسعت۔ ہم بعض تفریعات کو کسی قدر تفصیل کیساتھ ذکر کرتے ہین جس سے ظاہر ہوگا کہ امام ابو حنیفہ۔ کو کس خیال نے اس قسم کی سختیون پر مجبور کیا تھا۔

اکثر شیوخ کا حلقہ درس نہایت وسیع ہوتا تھا یہانتک کہ ایک ایک مجلس مین دس دس ہزار سامعین جمع ہوتے تھے۔ آسوقت متعدد مستملی یعنے نائب جا بجا بٹھائے

[1] مناقب الشافعی اور امام رازی فصل ثامن شرح مذہب شافعی ۱۲

جاتے تھے کہ شیخ کے الفاظ کو دور والون تک پہنچائین۔ بہت سے ایسے لوگ ہوتے تھے
جنکے کانون مین شیخ کا ایک لفظ بھی نہین پہنچتا تھا وہ صرف مستملی کے الفاظ سُنکر حدیث
روایت کرتے تھے۔ اب بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ جس شخص نے صرف مستملی سے سُنا وہ اصل
شیخ کی نسبت حدثنا کہہ سکتا ہے یا نہین۔ اکثر ارباب روایت کا مذہب ہے کہ کہہ سکتا ہے
امام ابو حنیفہ اسکے خلاف ہین۔ ائمہ محدثین مین سے حافظ ابو نعیم فضل بن دکین۔ زائدہ بن قدامہ
امام صاحب ہمزبان ہین[1]۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ "مقتضائے عقل یہی (امام ابو حنیفہ
کا) مذہب ہے لیکن عام مذہب مین آسانی ہے[2]"

امام ابو حنیفہ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا تھا وہ یہ تھی کہ اُنکے زمانہ تک
روایت بالمعنی کا طریقہ نہایت عام تھا اور بہت کم لوگ تھے جو الفاظ حدیث کی پابندی کرتے
تھے اس لئے روایات مین تغیر و تبدل کا احتمال ہر واسطہ مین بڑھتا جاتا تھا۔ کم از کم یہ کہ ہر
روایت پہلے واسطہ مین جس قدر قوی ہوتی تھی دوسرے واسطہ مین اُس کا وہ پایہ نہین
قائم رہ سکتا تھا بے شبہہ مستملی کے مقرر کرنے کا طریقہ قائم رکھنا ضرور تھا کیونکہ اکثر موقعون
پر بغیر مستملی کے کام نہین چل سکتا تھا۔ لیکن ناانصافی تھی کہ جس شخص نے بلا واسطہ شیخ سے
سنا ہو اور جسنے مستملی سے روایت کی ہو دونون کا ایک درجہ قرار دیا جاوے۔ مستملی کبھی کبھی
نہایت غافل اور بے سمجھ ہوتے تھے۔ اسیلئے غلطیون کا احتمال اور بھی قوی ہو جاتا تھا۔

اخبرنا و حدثنا کی مفہوم کی وسعت

اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ غیر محتاط طریقہ یہ تھا کہ اخبرنا و حدثنا کو بعض بعض محدثین
نہایت عام معنون مین استعمال کرتے تھے۔ امام حسن بصری نے متعدد روایتون مین کہا ہے
حدثنا ابو ہریرہ حالانکہ ابو ہریرہ سے وہ کبھی نہین ملے تھے۔ انھون نے اسکی تاویل کی

[1] فتح المغیث صفحہ ۱۸۸ و صفحہ ۱۸۹ [2] فتح المغیث صفحہ ۱۴۲ و ۱۴۳

کہ ابوہریرہ نے جب وہ حدیث بیان کی تھی تو اُس شہر میں وہ موجود تھے۔ اسی طرح اور شیوخ صحابہ کی نسبت حدثنا کا لفظ استعمال کرتے تھے اور معنی یہ لیتے تھے کہ اُن کے شہر والوں نے اُن شیوخ سے سنا تھا۔ محدث بزار نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے اُن لوگوں سے روایت کی ہے جن سے وہ کبھی نہیں ملے اور تاویل یہ کرتے تھے کہ اُنکی قوم نے وہ حدیث اُن لوگوں سے سُنی تھی[1] یہ امر علاوہ اسکے کہ ایک قسم کی غلط بیانی تھی حدیث کی اسناد کو مشتبہ کر دیتا تھا۔ کیونکہ راوی نے جب خود شیخ سے حدیث نہیں سنی تو بیچ میں کوئی واسطہ ہوگا اور چونکہ راوی نے اُس کا نام نہیں بتایا اس لئے اُسکے ثقہ و غیر ثقہ ہونے کا حال نہیں معلوم ہو سکتا۔ صرف حسن ظن پر مدار رہگیا کہ ایسے شخص نے جس سے سُنا ہوگا وہ ضرور قابل اسناد ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو ناجائز قرار دیا۔ اور اُنکے بعد اور ائمہ حدیث نے بھی اُنکی متابعت کی۔

اجزا سے روایت

ارباب روایت کا ایک یہ طریقہ تھا کہ جب کسی شیخ سے کچھ حدیثیں سنیں اور قلمبند کرلیں تو اُن اجزا سے روایت کرنی ہمیشہ جائز سمجھتے تھے۔ اسکو اس قدر وسعت دیگئی کہ گو راوی کو اُن حدیثوں کے الفاظ و معانی کچھ یاد نہ رہے ہوں تاہم اس بنا پر کہ اجزا اُسکے پاس موجود ہیں اُنکی روایت کرسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو قائم رکھا لیکن یہ قید لگائی کہ حدیث کے الفاظ و مطالب محفوظ ہونے چاہئیں ورنہ روایت جائز نہیں۔

یہ مسئلہ بھی اگرچہ عام طور پر نہیں تسلیم کیا گیا تاہم جیسا کہ محدث سخاوی نے تصریح کی ہے امام مالک اور بہت سے ائمہ فن نے اُنکی موافقت کی۔ امام بخاری و مسلم وغیرہ کے زمانہ میں اس قید کی چنداں ضرورت نہیں رہی تھی کیونکہ اُسوقت روایت

[1] فتح المغیث صفحہ ۱۷۱ ۱۲

بالفاظ کا عام رواج ہوچکا تھا۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے عہد تک حدیثین زیادہ تر بالمعنے روایتہ کی جاتی تھین۔ اِس لئے اگر راوی کو الفاظ حدیث۔ موقع حدیث۔ شانِ نزول وغیرہ یاد نہین ہوتے تھے تو روایت کا بعینہا ادا کرنا قریبًا ناممکن ہوتا تھا۔ اِسی ضرورت سے امام ابوحنیفہ نے اِس طریقہ کو محدود کردیا اور انصاف یہ ہے کہ ایسا کرنا ضروری تھا۔

روایت بالمعنی

سب سے زیادہ مہتم بالشان اور قابلِ بحث مسئلہ یہ ہے کہ روایت بالمعنی جائز ہے یا نہین۔ یا یہ کہ ایسی روایت قطعاً قابل حجت ہے یا نہین۔ یہ مسئلہ ہمیشہ مختلف فیہ رہا ہے اور اب بھی ہے۔ امام شافعی نے روایت کی ہے کہ "بعض تابعین نے ایک حدیث۔ متعدد صحابہ سے سنی جسکو سب نے مختلف لفظون مین بیان کیا لیکن مطلب ایک تھا۔ انھون نے کسی صحابی سے یہ حقیقت بیان کی۔ صحابی نے جواب دیا کہ جب معنی مختلف نہین تو کچھ مضائقہ نہین" اگر امام شافعی نے تابعی کا نام نہ بتایا جس سے روایت کی قوت اور ضعف کا اندازہ ہو سکتا۔ تاہم اِس سے انکار نہین ہو سکتا کہ بعض صحابہ روایت بالمعنی جائز سمجھتے تھے اور اُسپر عمل کرتے تھے بخلاف اسکے بعض صحابہ مثلاً عبداللہ بن مسعود کو روایت باللفظ پر اصرار تھا۔ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ مین اُنکے حالات کے ذیل مین لکھتے ہین کہ وہ روایت مین سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردون کو زجر کرتے تھے تو ساتھ ہی یہ الفاظ استعمال کرتے تھے

روایت بالمعنی مین صحابہ کی احتیاط

او مثلہ او نحوہ او شبیہ۔ اما فوق ذلک۔ واما دون ذلک واما قریب من ذلک

یعنے رسول اللہ نے اِس طرح فرمایا تھا یا اسکے مثل یا اسکے مشابہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کم یا اسکے قریب فرمایا تھا۔ ابوالدرداء کا بھی یہی حال تھا وہ حدیث بیان کرکے کہا کرتے تھے ھذا او نحو ھذا او شکلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگون کو روایتِ حدیث سے منع کیا کرتے تھے انکا بھی غالبًا یہی منشا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ الفاظ کم یاد رہ سکتے ہین اور سننے کی عام

اجازت میں تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔

صحابہ کے دور کے بعد بھی یہ مسئلہ یکسو نہ ہوا تابعین کے دو گروہ تھے اور خود امام ابوحنیفہ کے استاد الاستاد روایت بالمعنی کے قائل تھے۔ آگے چلکر تو گویا اسپر اتفاق عام ہو گیا کہ روایت بالمعنی جائز ہے۔ چنانچہ اصول حدیث کی کتابوں میں جمہور کا یہی مذہب بیان کیا جاتا ہے۔ مجتہدین میں سے صرف امام مالک اسکے خلاف ہیں۔ محدثین کا ایک گروہ جنمیں امام مسلم قاسم بن محمد۔ محمد بن سیرین۔ رجاء بن حیوۃ۔ ابو زرعۃ۔ سالم بن ابی الجعد عبد الملک بن عمر داخل ہیں۔ روایت باللفظ پر عمل کرتا تھا۔ لیکن عام محدثین جواز ہی کے قایل ہیں۔ اور درحقیقت ایک ایسا فرقہ جس کا عام میلان ہر حالت میں کثرت روایت کی طرف ہو۔ جواز ہی کا قائل ہو سکتا تھا[1]۔

اس میں شبہ نہیں کہ اکثر تابعین اور صحابہ نے بالمعنی حدیثیں روایت کیں۔ اور اگر شروع سے یہ قید لگائی جائے تو روایتوں کا دائرہ اس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ مسائل و احکام کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ روایت بالمعنی میں اصل روایت کا اصلی حالت پر قائم رکھنا اس قدر مشکل ہے کہ قریباً ناممکن ہے۔ زبان کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ مرادف الفاظ بھی یکساں اثر نہیں رکھتے اور معنی کی حیثیتوں میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مجوزین نے مرادف وغیرہ کی قید بھی نہیں رکھی۔ اور ادائے مطالب کو نہایت عام وسعت دی ہے۔ صحابہ سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ کے الفاظ و مطالب کا اندازہ دان نہیں ہو سکتا تھا۔ اول تو وہ زباندان اور زبان کے حاکم تھے۔ اسکے ساتھ شرف صحبت کی وجہ سے رسول اللہؐ کی طرز ادا طریقہ گفتگو۔ انداز کلام۔ فحوائے سخن سے

---

[1] فتح المغیث ۱۲۔

خوب واقف تھے۔ تاہم کتب حدیث مین اسکی متعدد نظیرین ملتی ہین کہ خود صحابہ سے ادائے مطلب مین کمی زیادتی ہوگئی۔

ابن ماجہ مین روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعری نے آنحضرت سے روایت کی ان المیت یعذب ببکاء الحی اذا قالوا واعضداہ واکاسیاہ وانا صراہ واجبلاہ

صحابہ سے ادائے مطلب مین جو کمی یا زیادتی ہوگئی اسکی مثالین ۱۲

یعنی "جب مردہ پر یہ الفاظ کہکر رویا جاتا ہے تو اُسکو عذاب دیا جاتا ہے" کسی نے حضرت عائشہ سے کہا کہ ابن عمر یہ حدیث بیان کرتے تھے۔ حضرت عائشہ نے کہا مین یہ نہین کہتی کہ ابن عمر جھوٹ کہتے ہین لیکن اُنکو سہو ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی عورت مرگئی۔ اُسکے گھروالے اُسپر روتے تھے۔ آنحضرت نے سنا تو فرمایا کہ "اُسکے گھروالے رورہے ہین اور اُسپر قبر مین عذاب ہورہا ہے"

ایک اور روایت مین ہے کہ حضرت عائشہ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ جس سے اسبات پر استدلال کیا کہ ایک شخص کے فعل کا دوسرا شخص ذمہ دار نہین ہوسکتا گھر والے روتے ہین تو اُنکا قصور ہے مردے نے کیا گناہ کیا ہے کہ اُسپر عذاب کیا جاوے دیکھو اس حدیث مین رسول اللہ نے یہودیہ عورت کا معذب ہونا بطور ایک واقعہ بیان کیا تھا راوی نے رونے کو اُسکا سبب قرار دیا اور حدیث کے یہ الفاظ بیان کئے کہ ان المیت یعذب ببکاء الحی یعنی مردہ کو زندون کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔

اسی طرح غزوہ بدر کے واقعہ مین عام روایت یہ ہے کہ رسول اللہ نے قلیب پر کھڑے ہوکر فرمایا ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا لوگون نے عرض کی کہ آپ مردون سے خطاب فرماتے ہین۔ ارشاد ہوا کہ وہ جو مین نے کہا ان لوگون نے سن لیا" لیکن یہ واقعہ حضرت عائشہ کے سامنے بیان کیا گیا تو اُنھون نے فرمایا رسول اللہ نے یہ نہین فرمایا تھا بلکہ یہ الفاظ کہے تھے لقد علموا ان ما ادعو لھم حق[1] یعنے ان لوگون کو معلوم ہوگیا کہ جس چیز کی مین نے دعوت کی تھی

[1] تاریخ کبیر علامہ ابو جعفر جریر طبری صفحہ ۱۳۳۲۔ ۱۲

وہ حق ہے دیکھو اِن دونون جملون کے مفہوم مین کس قدر فرق ہے اور اُس سے سماع موتیٰ
کے مسئلہ پر کیسا مختلف اثر پڑتا ہے۔

غرض جب صحابہ سے اِس قسم کے مسامحات واقع ہوتے تھے تو دوسرے اور تیسرے
دور کا کیا ذکر ہے۔ لطف یہ ہے کہ جو لوگ روایت بالمعنی کے قائل ہین اُنھون نے چند الفاظ
مثالاً بتائے ہین کہ "انکو دوسرے لفظون مین اس طرح ادا کرسکتے ہین اور معنی مین مطلق فرق
نہین پیدا ہوگا" حالانکہ غور سے دیکھیے تو اِن لفظون کے اثر مین صاف تفاوت نظر آتا ہے
محدث سخاوی لکھتے ہین کہ حدیث مین آیا ہے۔ اقتلوا الاسودین الحیۃ والعقرب اب بجائے
اسکے یہ کہہ سکتے ہین کہ امر بقتلہما محدث سخاوی کے نزدیک اس مثال مین الفاظ کے اختلاف
سے معنی مین کچھ فرق نہین پیدا کیا۔ حالانکہ اقتلوا اور امر بالقتل مین صریح تفاوت ہے اقتلوا
اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن اس مین وہ تحتّم اور تاکید نہین ہے جو امر مین ہے۔

روایت بالمعنی کے متعلق امام ابوحنیفہ کے اصول

امام ابوحنیفہ نے اِن مشکلات کا اندازہ کرکے نہایت معتدل طریقہ اختیار کیا۔ جو حدیثین
اُنکے زمانے سے پہلے بالمعنی روایت ہوچکی تھین اور محدثین مین شائع تھین اُنکے قبول سے
توچارہ نہ تھا ورنہ روایت کا تمام دفتر بیکار ہوجاتا۔ اسلیئے امام صاحب نے اُن حدیثون
کو قبول کیا۔ لیکن یہ قید لگائی کہ رُواۃ حدیث فقیہ ہون۔ یعنی الفاظ کے اثر اور مطالب
کی تعبیر سے واقف ہون" تغیر مطالب کا احتمال اب بھی باقی رہتا ہے۔ لیکن احادیث کا
مدار (جیسا کہ محدثین نے تصریح کردی ہے) ظن غالب پر ہے۔ اس لیئے جب تک کوئی
مخالف دلیل موجود نہ ہو روایت بالمعنی قابل عمل ہوگی۔ امام صاحب نے اُن احادیث کو
بھی قبول کیا جنکے رُواۃ ثقہ ہون اور فقیہ نہ ہون۔ لیکن اُنکا درجہ پہلے کی بہ نسبت کم قرار دیا
اور اُن مین اصول درایت کی زیادہ ضرورت سمجھی۔ امام صاحب کے اِن اصول سے اور ائمہ کے

بھی اتفاق کیا۔ التقییہ الحدیث مین ہے کہ جو شخص مدلول الفاظ کو اچھی طرح نہین سمجھتا اُس کو روایت باللفظ ضروری ہے۔ البتہ جو شخص مطالب کا اندازہ دان ہے اُسکی نسبت اختلاف ہے۔ کثرت رائے اس طرف ہے کہ "وہ الفاظ کا پابند نہین"۔ لیکن امام ابوحنیفہ نے اس اجازت کو صحابہ اور تابعین تک محدود کر دیا اور لوگون کے لئے روایت بالالفاظ کی قید لگا دی۔ اور امام طحاوی نے بسند متصل آن سے روایت کی ہے کہ صرف وہ حدیث روایت کرنی چاہیئے جو روایت کرنے کے وقت اُسی طرح یاد ہو جس طرح سُننے کے وقت یاد تھی[1] ملا علی قاری اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہین اس کا حاصل یہ ہے کہ "امام ابوحنیفہ روایت بالمعنی کو جائز نہین رکھتے تھے" اس پابندی مین اگرچہ امام مالک اور بعض محدثین نے امام ابوحنیفہ سے اتفاق کیا۔ فتح المغیث مین ہے[2] وقیل لا تجوز له الروایة بالمعنی مطلقا قاله طائفه من المحدثین والفقها والاصولین من الشافعیه و غیرهم قال القرطبی وهو الصحیح من مذهب مالک لیکن عام ارباب روایت اس سختی کے کیونکر پابند ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ایک بڑے فرقہ نے مخالفت کی اور امام صاحب کو مشدد فی الروایۃ ٹھرایا تاہم انصاف یہ ہے کہ جو اصول امام صاحب نے اختیار کیا وہ ضروری اور نہایت ضروری تھا خود حدیث مین آیا ہے کہ نضر الله امرأ سمع منا شیئا فبلغه کما سمعه یعنی رسول اللہؐ نے فرمایا کہ خدا اُس شخص کو شاداب کرے جسنے ہمسے کچھ سنا اور اُسکو اُسی طرح پہنچایا جیسا کہ ہمسے سنا تھا" اس سے زیادہ اس باب مین کسی دلیل کی کیا ضرورت ہے۔ صحابہ مین سے جو لوگ روایت باللفظ کو غیر ضروری سمجھتے تھے ممکن ہے کہ یہ حدیث اُنکو نہ پہنچی ہو چنانچہ جن صحابہ کی

---

[1] شرح امام اعظم از ملا علی قاری ۱۲ [2] یعنی کہا گیا ہے کہ روایت بالمعنی مطلقاً جائز نہین۔ محدثین و فقہا و اصولین شافعیہ کا ایک گروہ اسی قول کا قایل ہے اور قرطبی نے کہا ہے کہ امام مالک کا صحیح مذہب یہی ہے ۱۲۔

نسبت ثابت ہے کہ انھون نے اس حدیث کو سنا تھا۔ مثلاً عبداللہ بن مسعود۔ جو اس حدیث
کے راوی ہین خود الفاظ کے پابند تھے۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ مین یہ حدیث عام ہو چکی تھی
اسلیے انکو اسکی تعمیل مین کیا عذر ہو سکتا تھا۔

اصول درایت

فن حدیث مین سب سے بڑا کام امام ابوحنیفہ نے یہ کیا کہ درایت کے اصول قائم کیے
اور انکو احادیث کی تحقیق و تنقید مین برتا۔ فن حدیث کی ایک شاخ یعنے روایت پر جسقدر علمانے
جس قدر توجہ کی اسکی کوئی نظیر دنیا کی گذشتہ اور موجودہ تاریخ مین نہین ملسکتی۔ لیکن یہ افسوس
ہے کہ اصول درایت کے ساتھ چندان اعتنا نہین کیا گیا۔ حافظ ابن حجر کی تحریر سے معلوم
ہوتا ہے کہ اس فن مین بعض تصنیفین لکھی گئین۔ لیکن وہ اس قدر کم اور غیر متعارف ہین کہ گویا
نہین ہین۔ اصول حدیث۔ ایک مستقل فن بن گیا ہے اور بڑی بڑی کتابین جو اس فن مین لکھی
گئین عموماً متداول ہین۔ لیکن اُن سے اصول درایت کے متعلق بہت کم واقفیت حاصل ہوتی
ہے۔ حالانکہ یہی اصول۔ فن حدیث کے نہایت ضروری اجزا ہین۔ یہ عزت صرف امام ابوحنیفہ
کو حاصل ہے کہ جب اس فن کا نام و نشان بھی نہ تھا اسوقت انکی نگاہ ان باریک نکتون پر پہنچی
بے شبہہ صحابہ کی تاریخ مین جستہ جستہ اصول درایت کے آثار نظر آتے ہین اور درحقیقت وہی امام
ابوحنیفہ کے لیے دلیل راہ بنے۔ لیکن وہ باتین عام مسائل کے ہجوم مین ایسی گم اور ناپید تہین
کہ انپر عام لوگون کی نگاہ نہین پڑ سکتی تھی۔

روایات کی صحت و عدم صحت کا مدار ہمیشہ راویون کے اعتبار و عدم اعتبار پر نہین ہوتا
اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک واقعہ کی روایت جس سند سے بیان کی جاتی ہے اسکے تمام راوی
ثقہ اور قابل اعتبار ہوتے ہین لیکن واقعہ صحیح نہین ہوتا۔ حدیث مین بھی اسکی سیکڑون مثالین
ملتی ہین۔ اس لیے ضرور ہے کہ صرف رواۃ کی بنا پر احادیث کا فیصلہ نہ کیا جاے بلکہ یہ بھی

دیکھا جائے کہ وہ اصول درایت کے مطابق ہیں یا نہیں۔

درایت سے یہ مطلب ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو اس پر غور کی جائے کہ وہ طبیعت انسانی کے اقتضا زمانہ کی خصوصیتیں۔ منسوب الیہ کے حالات۔ اور دیگر قرائن عقلی کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے۔ اگر اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو اسکی صحت بھی مشتبہ ہوگی۔ یعنی یہ احتمال ہوگا کہ روایت کے تغیرات نے واقعہ کی صورت بدل دی ہے۔ اس قسم کے قواعد۔ حدیث کی تحقیق و تنقید میں بھی استعمال کیے جاتے ہیں اور انہیں کا نام اصول درایت ہے۔ علامہ ابن جوزی۔ جو فن حدیث میں بڑا پایہ رکھتے تھے لکھتے ہیں[1] کہ جس حدیث کو تم دیکھو کہ عقل کے مخالف یا اصول کے مناقض ہے تو یہ سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے۔ اس میں راویوں کی تحقیق حال کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح وہ حدیث بھی موضوع ہے جو حس و مشاہدہ سے باطل ثابت ہو۔ یا قرآن۔ حدیث متواتر۔ اجماع قطعی کے خلاف ہو اور قابل تاویل نہ ہو۔ یا جس میں ایک معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو یا ذرا سے کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو اس طرح کی حدیثیں واعظوں اور صوفیوں کی روایتوں میں بہت پائی جاتی ہیں۔

امام ابو حنیفہ نے درایت کے جو اصول قائم کئے اُن میں سے بعض ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

---

[1] كل حديث رايته يخالفه العقول او يناقض الاصول فاعلم انه موضوع فلا يتكلف اعتباره اى لاتعتبر رواية ولا تنظر فى جرحهم او يكون مما يدفعه الحس والمشاهدة او مباينا لنص الكتاب او السنة المتواترة او الاجماع القطعى حيث لا يقبل شيئ من ذلك التاويل او تضمن الافراط بالوعيد الشديد على الامر اليسير او بالوعد العظيم على الفعل اليسير وهذا الاخير كثير موجود فى حديث القصاص والطرقية

جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو صحیح نہیں

(۱) "جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو وہ اعتبار کے قابل نہیں" یہ وہی قاعدہ ہے جسکو ابن جوزی نے تمام اصول روایت پر مقدم رکھا ہے۔ ابن جوزی چھٹی صدی میں تھے اسوقت اسلامی علوم اوج کمال تک پہنچ گئے تھے۔ اور فلسفیانہ خیالات کا اثر زیادہ عام ہوگیا تھا لیکن امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک مذہب میں عقل کا نام لینا ایک جرم عظیم تھا۔ امام صاحب نے اول اول جب یہ قاعدہ قرار دیا اور روایات میں برتا تو سخت مخالفت ہوئی۔ اس قسم کی حدیثیں جن میں ناممکن اور محال واقعات بیان کئے جاتے ہیں امام صاحب کے سامنے پیش کیجاتی تھیں تو وہ ان سے انکار کرتے تھے۔ یہ امر عام لوگوں پر گران گزرتا تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کے خیال میں روایات کی تحقیق و تنقید کا مدار صرف رواۃ کی حالت پر تھا۔ اصول درایت سے غرض نہ تھی۔ زمانہ مابعد میں اگرچہ یہ قاعدہ۔ اصول حدیث۔ میں داخل کرلیا گیا لیکن ارباب روایت نے اسکو بہت کم برتا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بیسیوں مزخرف اور دور از کار حدیثیں قبول عام کے شرف سے ممتاز ہیں۔

تلك الغرانیق العلی کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ "رسول اللہ کی زبان سے (سورہ نجم کی تلاوت کے وقت) بتوں کی تعریف میں یہ الفاظ ادا ہوئے تلك الغرانیق العلی وان شفاعتهن لترتجی یعنے "یہ بت بہت معزز ہیں اور انکی شفاعت کی امید کیجا سکتی ہے" اور یہ الفاظ شیطان نے آنحضرت کی زبان میں ڈال دئے تھے۔ چنانچہ تلاوت کے بعد جبرئیل آئے اور انھوں نے یہ شکایت کی کہ میں نے تو یہ الفاظ آپ کو نہیں سکھائے تھے آپ نے کہاں سے پڑھ دئے۔ اس حدیث کو امام صاحب کے اصول کے موافق بعض محدثین مثلاً قاضی عیاض و ابو بکر بیہقی وغیرہ نے غلط کہا۔ لیکن محدثین کا ایک بڑا گروہ اسکو

[1] اس اصول کو علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ۱۲

اب بھی صحیح تسلیم کرتا ہے۔ متاخرین میں حافظ ابن حجر سے زیادہ ناقد کوئی محدث نہیں گزرا۔ وہ بڑے زور شور سے اس حدیث کی تائید کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ چونکہ اسکے رواۃ ثقہ ہیں اس لئے اُسکی صحت سے انکار نہیں کیا جا سکتا!! اسی طرح والشمس کی حدیث کو جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ کی نماز عصر قضا ہو گئی تھی اسلئے آنحضرت کی دعا سے آفتاب غروب ہونے کے بعد پھر طالع ہوا۔ محدث ابن جوزی نے جرأت کر کے موضوع کہا۔ لیکن حافظ ابن حجر و جلال الدین سیوطی وغیرہ نے نہایت شدت سے مخالفت کی۔ امام صاحب کے زمانہ میں اس سے زیادہ مخالفتیں ہوئیں لیکن وہ ان باتوں کی کچھ پروا نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ لفظ عقل سے امام صاحب کی مراد وہ وسیع معنی نہیں ہیں جو آجکل کے تعلیم یافتہ لوگوں نے قرار دیئے ہیں جسکی رو سے شریعت کے بہت سے اصلی مسائل برباد ہو جاتے ہیں

(۲) جو واقعات تمام لوگوں کو رات دن پیش آیا کرتے ہیں اُنکے متعلق اگر رسول اللہ سے کوئی ایسی روایت منقول ہو جو اخبار احاد کے درجہ سے زیادہ نہ ہو تو وہ روایت مشتبہ ہو گی یہ اصول اس بنا پر ہے کہ جو واقعات تمام لوگوں کو اکثر پیش آیا کرتے تھے اُنکے متعلق جو کچھ آنحضرت کا ارشاد تھا اُسکی ضرورت تمام لوگوں سے متعلق تھی۔ اس لئے صرف ایک آدہ شخص تک اُس روایت کا محدود رہنا درایت کے خلاف ہے۔

مخالفت قیاس

اکثر مصنفین نے تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ اُس روایت کو قبول نہیں کرتے تھے جو قیاس کے مخالف ہو۔ اگرچہ یہ قول محض بے اصل نہیں ہے۔ لیکن اُسکی تعبیر میں لوگوں نے اکثر غلطی کی ہے اور انہیں غلط تعبیرات کا اثر ہے کہ امام ابو حنیفہ کی نسبت ارباب ظاہر میں بہت سی بدگمانیاں قائم ہو گئیں۔ ان لوگوں نے امام صاحب کے مقصد و منشا پر کافی غور نہیں کی اور عام رائے قائم کر لی کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہیں۔ امام صاحب سے اس

مسئلہ کے متعلق جو اقوال منقول ہیں وہ صریح اس دعوے کے خلاف ہیں۔ مسائل فقہ میں متعدد مثالیں موجود ہیں جن میں امام ابوحنیفہ نے حدیث و اثر کی وجہ سے قیاس کو مطلقاً ترک کر دیا ہے۔ امام محمد۔ اس بحث میں کہ قہقہہ نماز ناقض وضو ہے۔ امام ابوحنیفہ کی طرف سے استدلال کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ لولا ماجاء من الاثار کان القیاس علی ما قال اھل المدینۃ ولکن لا قیاس مع اثر ولا ینبغی الا ان ینقاد للاثار ؛

یعنی قیاس وہی ہے جو اہل مدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث کے ہوتے قیاس کوئی چیز نہیں۔ اور صرف حدیث ہی کی پیروی کرنی چاہیے" اس سے زیادہ اسباب میں کیا تصریح ہو سکتی ہے عقود الجمان کے مصنف نے مختلف روایتوں سے امام ابوحنیفہ کے خاص اقوال نقل کئے ہیں کہ میں حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو دخل نہیں دیتا۔ امام جعفر صادق سے امام صاحب نے جو گفتگو کی تھی اس میں بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے۔

ان تصریحات کو دیکھکر بعضوں نے اس انتساب میں تخصیص کی اور دعوے کیا کہ وہ جو حدیث قیاس جلی کے مخالف ہو اسکو امام صاحب قبول نہیں کرتے" عبدالکریم شہرستانی نے اصحاب الرائے کے بیان میں جہاں امام ابوحنیفہ۔ اور اُنکے تلامذہ کا ذکر آیا ہے لکھا ہے کہ ربما یقدمون القیاس الجلی علی احاد الاخبار یعنی یہ لوگ اکثر قیاس جلی کو اخبار احاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ امام رازی نے بھی مناقب الشافعی میں اسکی جابجا تصریح کی ہے اور اسی بنا پر امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں۔ امام شافعی کی ترجیح کے وجوہ قائم کئے ہیں"

میں نے بہت کچھ جد وجہد کی کہ اس مسئلہ کے متعلق امام صاحب کا کوئی صریح قول ملے لیکن نہ ملسکا۔ جن لوگوں نے امام صاحب کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے غالباً صرف استنباط سے کام لیتے ہیں صریح قول نہیں پیش کرتے۔ بے شبہ حنفیوں کے اصول فقہ میں

یہ مسئلہ مذکور ہے کہ وہ حدیث جسکی رواۃ فقیہ نہ ہون اور ہر طرح قیاس کے مخالف ہو قابل حجت نہین" لیکن یہ حنفیون کا مسئلہ اصول نہین ہے۔ بلکہ صرف عیسےٰ بن ابان۔ اور اُن کے پیرو ون کی رائے ہے۔ ابوالحسن کرخی۔ وغیرہ صریح اسکے مخالف ہین۔ اور صاحب مسلم الثبوت نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ تعجب اور سخت تعجب ہے کہ بغیر کسی ثبوت کے امام ابوحنیفہ کی طرف یہ دعوے صرف اس اعتماد پر منسوب کر دیا گیا کہ فقہائے حنفیہ مین سے چند علما ر اسکے قایل ہیں۔ بہت بڑی مثال۔ بیع مصراۃ۔ کی پیش کی جاتی ہے جس سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس مسئلہ مین صریح حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کو مقدم رکھا ہے[1] لیکن ان مدعیون کو معلوم نہین کہ اس مثال مین قیاس کی تقدیم بعض علمائے حنفیہ کی ذاتی رائے ہے۔ امام صاحب سے اسکو کچھ واسطہ نہین۔ امام رازی۔ نے مناقب الشافعی مین اتنی احتیاط کی کہ اس موقع پر امام ابوحنیفہ کا نام نہین لیا۔ بلکہ اصحاب ابی حنیفہ لکھا لیکن ہم اس احتیاط مین بھی اُنکو معذور نہین رکھتے۔ کیونکہ یہ رائے بعض حنفیون کی ہے نہ سبکی امام رازی نے اصحاب کے لفظ سے جو تعمیم ظاہر کی وہ صحیح نہین۔

بیع مصراۃ کی حدیث کو امام ابوحنیفہ نے قیاس کی بنا پر رد نہین کیا بلکہ اسکے نسخ کا دعوے کیا ہے۔ امام طحاوی نے معانی الآثار مین اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد۔ کا مذہب لکھکر لکھتے ہین۔ وذھبوا الی ان ما روی عن رسول اللہ فی ذلک مما تقدم ذکرنا لہ فی ھذا الباب منسوخ یعنی "یہ لوگ اس بات کے قائل ہوئے ہین کہ اس بارہ مین جو کچھ رسول اللہ سے روایت کیا گیا ہے وہ منسوخ ہے"۔

[1] تعجب ہے کہ بڑے بڑے علماء یہانتک کہ امام غزالی۔ امام رازی۔ نے بھی۔ امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ الزام لگایا اور یہی بیع مصراۃ کی مثال پیش کی ۱۲

اس موقع پر ہم اس بحث کی تفصیل نہین کر سکتے صرف یہ بتانا چاہتے ہین کہ اس مسئلہ مین امام صاحب نے قیاس کو ترجیح نہین دی بلکہ نسخ کا دعویٰ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے موقعون پر نہایت دقیقہ بینی سے دیکھنا چاہیے کہ جو اقوال امام صاحب کی طرف منسوب کیے جاتے ہین وہ ان سے ثابت بھی ہین یا نہین؟ ۔ متاخرین نے ان باتون مین کم احتیاط کی ہے ۔ اس لیے ہمکو نہایت غور اور تحقیق سے کام لینا ہے ۔ یہی مسئلہ مصراۃ کی حدیث ہمیشہ اصول موضوعہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے اور اس سے ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ قیاس کو ۔ حدیث پر مقدم رکھتے تھے ۔ لیکن ذرا تحقیق سے کام لو تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام شور و غل کی کچھ اصل نہین ۔

بخلاف اسکے نہایت قوی ذریعہ سے امام ابوحنیفہ کی تصریحات ثابت ہیں کہ وہ حدیث صحیح کے مقابلہ مین قیاس کا مطلق اعتبار نہین کرتے تھے ۔ امام محمد ۔ اس بحث کے ذیل مین کہ جو شخص رمضان مین بھولکر کچھ کھا پی لے تو روزہ نہین ٹوٹتا اور قضا نہین لازم آتی ۔ حدیث پر استدلال کر کے لکھتے ہین کہ آثار کے ہوتے ہوئے رائے کچھ چیز نہین ۔ پھر امام ابوحنیفہ کا خاص قول نقل کرتے ہین کہ لولا ما جاء فی ھذا من الاثار لامرت بالقضاء یعنے اگر اس بارہ مین آثار موجود نہ ہوتے تو مین قضا کا حکم دیتا[1]"

امام صاحب نے تصریح کی ہے کہ وہ حدیث کے مقابلہ مین قیاس کا اعتبار نہین کرتے تھے

ہان یہ ضرور ہے کہ احادیث کے ثبوت کے متعلق امام ابوحنیفہ کی شرطین نہایت سخت ہین ۔ جب تک وہ شرطین پائی نہ جائین وہ حدیث کو قابل استدلال نہیں سمجھتے لیکن ان شرطون کے ساتھ ۔ حدیث ثابت ہو تو ان کے نزدیک پھر قیاس کوئی چیز نہیں ۔

[1] کتاب الحجج امام محمد ۱۲

جس حد تک ہم تحقیق کر سکے امام ابو حنیفہ نے قیاس فقہی کو حدیث پر ہرگز مقدم نہین رکھا۔ لیکن اُن کے زمانہ تک قیاس کا لفظ نہایت وسیع معنون مین مستعمل تھا اور بے شبہہ اُن معنون کے لحاظ سے امام صاحب نے قیاس کو حدیثون مین دخل دیا ہے مسائل اور احکام شرعیہ کے متعلق اسلام مین شروع ہی سے دو فریقے قائم ہوگئے تھے۔ ایک کا خیال تھا کہ شرعی احکام کسی مصلحت اور اقتضائے عقل پر مبنی نہین ہین۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ حسن و قبح اشیاء عقلی نہین ہے۔ دوسرے فریق کی رائے تھی کہ تمام احکام مصالح پر مبنی ہین۔ جن مین سے بعض کی مصلحتین صاف نمایان ہین اور خود شارع کے کلام سے اُسکے اشارے پائے جاتے ہین۔ بعض ایسے ہین جنکی مصلحت ہمکو معلوم نہین لیکن فی الواقع وہ مصالح سے خالی نہین اس اختلاف رائے نے حدیثون کی روایت پر مختلف اثر پیدا کیے۔ بعض لوگ جب کسی حدیث کو سنتے تھے تو صرف یہ دیکھ لیتے تھے کہ اُسکے راوی ثقہ ہین یا نہین۔ اگر اُن کے خیال کے موافق قابل حجت ہین تو پھر اُنکو کوئی بحث نہین ہوتی تھی۔ اور بے تکلف اُس حدیث کو قبول کر لیتے تھے دوسرا فریق جو حسن و قبح عقلی کا قائل تھا یہ بھی دیکھتا تھا کہ جو مسئلہ یا عقیدہ حدیث سے مستنبط ہوتا ہے۔ وہ عقل و مصلحت کے موافق ہے یا نہین۔ اگر نہین ہوتا تھا تو وہ حدیث کی زیادہ تحقیق و تنقید کی طرف مائل ہوتے تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ راوی۔ فہم و درایت کے لحاظ سے کیا پایہ رکھتے ہین۔ روایت باللفظ ہے یا بالمعنی۔ صرف حدیث کیا تھا کون لوگ مخاطب تھے۔ کیا حالت تھی۔ غرض اس قسم کے اسباب اور وجوہ پر غور کرتے تھے ان باتون سے اکثر اصل حقیقت کا پتہ لگ جاتا تھا۔

یہ طرز تحقیق خود صحابہ کے زمانہ مین قائم ہوچکا تھا۔ صحیح ابن ماجہ و ترمذی مین ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے رسول اللہ سے حدیث روایت کی کہ توضوءا مما غیرت النار

یعنی جس چیز کو آگ نے متغیر کردیا ہو اسکے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے" اسی بنا پر بعض مجتہد قائل ہیں کہ گوشت کھانے سے وضو لازم آتا ہے۔ ابوہریرہ نے جب یہ حدیث بیان کی تو عبداللہ بن عباس موجود تھے بولے کہ "انتوضا من الحمیم یعنی اسی بنا پر تو گرم پانی کے استعمال سے بھی وضو لازم آتا ہے" ابوہریرہ نے کہا "اے برادرزادہ! جب رسول اللہ سے کوئی روایت سنو تو اس پر مثالیں نہ کہو"، لیکن عبداللہ بن عباس اپنی رائے پر قائم رہے حضرت عائشہ نے ابن عمر کی اس حدیث پر ان المیت یعذب ببکاء اھلہ۔ جو اعتراض کیا تھا، اسی طرز تحقیق پر مبنی تھا۔ صحابہ کے حالات میں اس قسم کی متعدد مثالیں ملتی ہیں جن کا استقصا اس موقع پر ضروری نہیں۔

امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مسلک تھا اور اسی کو لوگوں نے قیاس کے لفظ سے شہرت دی اس مسئلہ پر کہ احکام شریعت مصالح پر مبنی ہیں۔ اس موقع پر ہم تفصیلی گفتگو نہیں کرسکتے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی بے نظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ اس بحث کے لئے کافی ووافی ہے۔ یہاں صرف اس قدر کہنا ضرور ہے کہ علمائے اسلام میں جو لوگ عقل ونقل دونوں کے جامع تھے مثلاً امام غزالی۔ عزالدین عبدالسلام۔ شاہ ولی اللہ وغیرہ ان لوگوں کا یہی مسلک تھا۔ امام ابوحنیفہ۔ احادیث کی تنقید میں اس اصول کو ضروری طور پر ملحوظ رکھتے تھے۔ وہ متعارض حدیثیں جو روایت کی حیثیت سے یکساں نسبت رکھتی تھیں ان میں وہ اس حدیث کو ترجیح دیتے تھے جو اصول مذکور کے موافق ہو۔

امام صاحب نے بعض موقعوں پر محض اس اصول کی مخالفت کی وجہ سے بعض حدیثوں کے تسلیم میں تامل کیا ہے۔ انکی اصطلاح میں یہ ایک علت خفیہ ہے۔ محدثین نے اقسام حدیث میں ایک قسم معلل قرار دی ہے جسکی یہ تعریف کی ہے کہ حدیث میں بظاہر صحت کی تمام

شرطیں پائی جاتی ہیں۔ اور وہ قابل استدلال نہیں ہوتی" اس قسم کی حدیثوں کی تمیز پر محدثین
کو نہایت فخر ہے اور وہ اُسکو ایک قسم کا الہام سمجھتے ہیں۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے
استاد اور بہت بڑے مشہور محدث تھے انکا قول ہے کہ ھی الھام ولو قلت للقیم
بالعلل من این لک ھذا لم تکن لہ حجۃ [1] یعنی "یہ الہام ہے اور اگر تم ماہر علل سے پوچھو کہ تم نے
کیونکر اسکو معلل کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا" محدث ابو حاتم سے ایک شخص نے چند
حدیثیں پوچھیں انھوں نے بعض کو مدرج۔ بعض کو باطل۔ بعض کو منکر۔ بعض کو صحیح بتایا۔
پوچھنے والے نے کہا کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ کیا راوی نے آپ کو ان باتوں کی اطلاع دی
ابو حاتم نے کہا۔ نہیں! بلکہ مجھکو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ سائل نے کہا تو کیا آپ علم غیب
کے مدعی ہیں۔ ابو حاتم نے جواب دیا کہ تم اور ماہرین فن سے پوچھو۔ اگر وہ میرے
ہمزبان ہوں تو سمجھنا کہ میں نے بیجا نہیں کہا۔ سائل نے ابو زرعہ سے وہ حدیثیں جاکر دریافت
کیں۔ انھوں نے ابو حاتم کی موافقت کی۔ تب سائل کو تسکین ہوئی۔ [2]

بعض محدثین کا قول ہے اثر یھجم علی قلوبھم لا یمکنھم ردہ وھیئۃ نفسانیۃ
لا معدل لھم یعنے "وہ ایک امر ہے جو ائمہ حدیث کے دل پر وارد ہوتا ہے اور وہ اسکو
رد نہیں کر سکتے اور نفسانی اثر ہے جس سے گریز نہیں ہو سکتا" محدثین کا یہ دعوے بالکل
صحیح ہے۔ بے شبہہ فن روایت کی ممارست سے ایک ملکہ یا ذوق پیدا ہو جاتا ہے جس سے خود
تمیز ہو جاتی ہے کہ یہ قول رسول اللہ کا ہو سکتا ہے یا نہیں۔

اسی طرح شریعت کے احکام اور مسائل۔ اور اُنکے اسرار و مصالح کے تتبع اور استقراء سے
ایسا ذوق حاصل ہو سکتا ہے۔ جس سے یہ تمیز ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ نے یہ حکم دیا ہوگا

[1] فتح المغیث صفحہ ۹۸ [2] فتح المغیث صفحہ ۹۹

یا نہیں۔ لیکن ان اسرار اور مصالح کا تتبع محدث کا فرض نہیں ہے۔ وہ مجتہد کے ساتھ مخصوص
ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب ان دقیق وجوہ کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ نے بعض حدیثوں
کو معلل قرار دیا تو ارباب ظاہر نے مخالفت کی اور بعضوں کو بدگمانی ہوئی کہ امام صاحب
حدیث کو عقل و رائے کی بنا پر رد کرتے ہیں۔ لیکن انصاف پسند انصاف کر سکتا ہے کہ
جب روایات اور ظاہر الفاظ کے استقرار سے محدثین کو ایسا مذاق پیدا ہو جاتا ہے کہ جس
وہ ایک حدیث کو جس میں بظاہر صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں۔ رد کر سکتے ہیں۔
رد کر سکتے ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ جس شخص نے وقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ احکام شریعت
کے اسرار اور مصالح کا تتبع کیا ہو وہ ایسے وجدان اور ذوق سے محروم رہے۔ البتہ یہ نہایت
نازک اور ذمہ داری کا کام ہے جس کا صرف وہ شخص متکفل ہو سکتا ہے جو بہت بڑا
عالم۔ مجتہد۔ محدث۔ دقیقہ بین۔ مؤید بتائید الٰہی ہو۔ لیکن ان شرطوں کا جامع امام ابوحنیفہ
سے زیادہ کون ہو سکتا ہے۔

مراتب حدیث کا تفاوت

نہایت مہتم بالشان اور دقیق چیز جو امام ابوحنیفہ نے اس فن میں اضافہ کی وہ احادیث
کے مراتب کا تفاوت اور ان تفاوتوں کے لحاظ سے احکام شرعیہ کی تقسیم ہے۔ احکام اور
مسائل کا پہلا ماخذ قرآن ہے جس میں کسی کو گفتگو نہیں ہو سکتی۔ قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے
حدیث اور قرآن میں اصل امر کے لحاظ سے توچنداں فرق نہیں۔ وہ وحی متلو ہے اور یہ غیر
متلو۔ جو کچھ تفاوت اور اختلاف ہے وہ ثبوت کی حیثیت سے ہے۔ اگر کوئی حدیث اسی
تواتر اور قطعیت سے ثابت ہو جس طرح قرآن ثابت ہے تو اثبات احکام میں وہ قرآن کے
ہم پلہ ہے لیکن حدیثوں کے ثبوت کے مراتب متفاوت ہیں۔ اور احکام کے ثبوت میں
انہیں تفاوتوں کے لحاظ کی ضرورت ہے۔ محدثین نے حدیث کی جو تقسیمیں کی ہیں ان کی

حسن۔ ضعیف۔ مشہور۔ عزیز۔ غریب۔ وغیرہ اُنکے اختلاف مراتب سے احکام پر چنداں اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ ان قسموں میں سے محدثین صرف ضعیف کا اعتبار نہیں کرتے۔ باقی اقسام کو قریباً یکساں قابل حجت قرار دیتے ہیں۔ محدثین کو اس سے زیادہ تدقیق اور امتیاز مراتب کی ضرورت بھی نہ تھی۔ کیونکہ استنباط احکام اور تفریع مسائل اُنکا فرض نہ تھا لیکن امام ابوحنیفہ کو تدوین فقہ کی وجہ سے جسکے وہ بانی اول ہیں زیادہ تدقیق اور فرق مراتب کی ضرورت پڑی۔ اُنھوں نے نوعیت ثبوت کے لحاظ سے حدیث کی تین قسمیں قرار دیں۔

متواتر (۱) متواتر۔ یعنی وہ حدیث جسکی رواۃ ہر طبقہ روایت میں اس کثرت سے ہوں جنکی تواتر علی الکذب کا گمان نہیں ہو سکتا۔ یعنی رسول اللہ سے بیشمار لوگوں نے روایت کی ہو اسی طرح اُن لوگوں سے لیکر اخیر زمانہ تک بیشمار رواۃ روایت کرتے آئے ہوں۔

مشہور (۲) مشہور یعنی وہ حدیث جسکی رواۃ پہلی طبقہ روایت میں تو بہت نہ ہوں لیکن دوسرے طبقہ سے اخیر تک اُسی کثرت سے ہوں جو متواتر کے لئے مشروط ہے۔

احاد (۳) احاد۔ جو متواتر اور مشہور نہ ہو۔ اس تقسیم کا اثر اُنکی رائے کے موافق احکام شرعیہ پر جو پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ متواتر سے فرضیت اور رکنیت ثابت ہو سکتی ہے مشہور کا درجہ چونکہ متواتر سے کم ہے۔ اس لئے اُس سے فرضیت کا اثبات تو نہیں ہو سکتا۔ لیکن قرآن میں جو حکم مطلق ہو حدیث مشہور سے مقید ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اُس سے زیادہ علی الکتاب ہو سکتی ہے۔ احاد کا ثبوت چونکہ بالکل ظنی ہے اسی لئے وہ قرآن کے احکام منصوصہ پر کچھ اثر نہیں پیدا کر سکتی۔ یہ مسئلہ اگرچہ نہایت واضح اور صاف ہے لیکن تعجب ہے کہ امام شافعی اور بعض اور محدثین اسکے مخالف ہیں امام بیہقی وغیرہ نے بعض مناظرات نقل کئے ہیں جو امام شافعی اور امام محمد میں واقع ہوئے اور جنمیں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی نے امام محمد کو بند کر دیا۔ اگرچہ ہمارے نزدیک

یہ مناظرے فرضی مناظرے ہین جنکا ثبوت اصول روایت کے مطابق ہرگز نہین ہو سکتا۔ لیکن
اس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا انتساب۔ امام ابو حنیفہ کی طرف ضرور صحیح ہے۔
قوی سے قوی اعتراض اس مسئلہ پر جو کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خود امام ابو حنیفہ اور اُن کے
تلامذہ اسکے پابند نہ رہ سکے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین لکھا ہے کہ امام شافعی نے
امام محمد سے کہا کہ کیا آپ کے نزدیک خبر واحد سے قرآن پر زیادتی نہین ہو سکتی امام محمدؒ نے کہا ہان
امام شافعیؒ نے کہا قرآن مجید مین وارثون کے حق مین وصیت کا حکم ہے آپ اس حدیث کی بنا پر
لا وصیۃ الوارث وصیت کو ناجائز کیون قرار دیتے ہین۔
غالباً شاہ صاحب نے یہ روایت بیہقی کی کتاب مناقب الشافعی سے لی ہے جس مین
اور بھی بہت بے سر و پا روایتین مذکور ہین لیکن ہم شاہ صاحب کی خدمت مین عرض کرتے
ہین کہ حنفیون کے نزدیک وارثون کے حق مین وراثت کا حکم کسی حدیث سے نہین منسوخ ہوا
بلکہ خود قرآن مجید کی اُس آیت سے جسمین توریث کے احکام ہین۔ یہ صرف حنفیون ہی کی راے
نہین بلکہ تمام مفسرین کا یہی قول ہے (الا الشاذ النادر منہم)
ان مسائل پر اور بھی بہت سی بحثین پیدا ہو گئی ہین جنکی تفصیل ہم نہین کر سکتے۔ لیکن اخبار
احاد کی بحث اور اُس سے عقائد اسلام پر جو اثر پڑتا ہے اُسکو ہم اس موقع پر تفصیل سے
لکھتے ہین کیونکہ بعض محدثین کو زیادہ تر اسی مسئلہ مین اُن سے اختلاف ہے۔
اخبار احاد کی نسبت اگرچہ محققین اور اکثر ائمہ حدیث کا یہی مذہب ہے کہ وہ ظنی الثبوت
ہین لیکن ایک فرقہ اسکے خلاف بھی ہے۔ جسکے سرگروہ علامہ بن الصلاح ہین۔ اگرچہ علامہ
بن الصلاح نے بھی اخبار احاد کی تمام اقسام کو قطعی نہین تسلیم کیا ہے۔ انھون نے حدیث
صحیح کی سات قسمین کی ہین (۱) جسپر بخاری و مسلم دونون متفق ہون (۲) بخاری منفرد ہون

(۴) مسلم متفرد ہوں (۴) بخاری ومسلم نے اسکو روایت نہ کیا ہو لیکن انکی شرطوں کے موافق ہو۔ (۵) صرف بخاری کی شرط پر ہو۔ (۶) صرف مسلم کی شرط پر ہو۔ (۷) بخاری ومسلم کی شرط کے موافق نہ ہو۔ لیکن اور محدثین نے اسکو صحیح تسلیم کیا ہو۔ ان سات قسموں میں سے علامہ ابن الصلاح۔ پہلی قسم کو قطعی الصحۃ قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں وھذا القسم جمیعہ مقطوع بصحتہ و العلم النظری واقع بہ متفردات بخاری اور مسلم کی نسبت انکی رائے ہے کہ اسی قبیل میں داخل ہیں۔ بجز ان چند حدیثوں کے جن پر دار قطنی وغیرہ نے جرح کی ہے ابن الصلاح کا قول۔ اگرچہ ظاہر بینوں میں اور بالخصوص آج کل زیادہ رواج پا گیا ہے۔ لیکن کچھ شبہہ نہیں کہ وہ بالکل غلط اور بے دلیل خیال ہے۔ اور خود ائمہ حدیث اسکے مخالف ہیں علامہ نووی شرح صحیح مسلم میں ابن الصلاح۔ کا قول تفصیلاً نقل کرکے لکھتے ہیں وھذا الذی ذکرہ الشیخ فی ھذہ المواضع خلاف ما قولہ المحققون والاکثرون فانہم قالوا احادیث الصحیحین التی لیست بمتواترۃ انما تفید الظن فانہا احاد والاحاد انما تفید الظن علی ما تقرر ولا فرق بین البخاری ومسلم وغیرہما فی ذلک یعنے شیخ ابن الصلاح۔ نے ان موقعوں پر جو کچھ کہا وہ محققین اور اکثروں کی رائے کے خلاف ہے کیونکہ محققین اور اکثروں کا قول ہے کہ صحیحین کی حدیثیں جو تواتر کے رتبہ کو نہیں پہنچیں صرف ظن کی مفید ہیں۔ کیونکہ وہ اخبار احاد ہیں اور اخبار احاد کی نسبت ثابت ہو چکا ہے کہ ان سے صرف ظن پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اس باب میں بخاری ومسلم اور اور لوگ سب برابر ہیں"۔ ابن الصلاح کے قول کو اور ائمہ فن نے بھی رد کیا ہے لیکن ہم اس بحث کو نقلی طور سے طے کرنا نہیں چاہتے۔ ہم کو خود غور کرنا چاہیے کہ اخبار احاد سے یقین پیدا ہو سکتا ہے یا ظن۔

احاد کی ظنی الثبوت ہونے کی تحقیق

کسی حدیث کو جب ایک محدث گو وہ کسی رتبہ کا ہو۔ صحیح کہتا ہے تو اُسکا یہ دعویٰ درحقیقت چند ضمنی دعوؤں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ یہ روایت متصل ہے۔ اُسکے رواۃ ثقہ ہیں۔ ضابطہ القلب ہیں۔ روایت میں شذوذ نہیں ہے۔ کوئی علۃ قادحہ نہیں ہے۔ یہ سب امور ظنی اور اجتہادی ہیں۔ جن پر یقین کی بنیاد قائم ہو سکتی۔ جس طرح ایک فقیہ کسی مسئلہ کو قرآن یا حدیث سے استنباط کرکے اپنی دانست میں صحیح سمجھتا ہے اور اُسکی صحت یقینی نہیں ہوتی۔ کیونکہ استنباط میں جن مقدمات سے اوسنے کام لیا ہے اکثر اُسکے ظنیات ہیں۔ اسی طرح حدیث کا حال ہے۔ کسی حدیث کو صحیح کہنا محدث کے ظنیات و اجتہادات پر مبنی ہے ایک یا چند محدثین نے کسی حدیث کو اگر صحیح کہا ہے۔ اور دوسرا شخص اُسکی صحت نہیں تسلیم کرتا تو وہ صرف اِس گناہ کا مجرم ہے کہ اُس محدث یا محدثین کے اصول تحقیق قواعد استنباط۔ طریق روایت۔ غرض اُنکے اجتہادات اور شروط کا مخالف ہے۔

حدیث کی تحقیق و تنقید کے لئے محدثین نے جو اصول مقرر کئے ہیں اور جنپر احادیث کی صحت کا مدار ہے۔ سب عقلی اور اجتہادی مسائل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُن میں۔ خود محدثین باہم اختلاف عظیم رکھتے ہیں۔ ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ حدیث کا فن نقلی ہے نہ عقلی لیکن جس شخص نے اصول حدیث پر غور کی ہے وہ اس خیال کی غلطی کو آسانی سے سمجھہ سکتا ہے۔ اسی نکتہ کی طرف امام ابو حنیفہ نے اشارہ کیا ہے کہ ھذا الذی نحن فیہ رای لا نجبر علیہ احدا ولا نقول یجب علی احد قبولہ بعضوں نے غلطی سے امام صاحب کے اِس وسیع قول کو فقہ پر محدود سمجھا لیکن اُنکو معلوم نہیں کہ مجتہد کو مسائل سے زیادہ مسائل کے ماخذ سے بحث ہوتی ہے اصول حدیث کے ظنی اور اجتہادی ہونے کا ہی اثر ہے کہ محدثین کو احادیث کی صحت و عدم صحت میں باہم اختلاف ہوتا ہے۔ ایک محدث ایک حدیث کو نہایت صحیح۔ مستند واجب العمل

قرار دیتا ہے۔ دوسرا اسی کو ضعیف بلکہ موضوع کہتا ہے۔ محدث ابن جوزی نے بہت سی حدیثوں کو موضوعات میں داخل کیا ہے۔ جنکو دوسرے محدثین صحیح اور حسن کہتے ہیں۔ ابن جوزی نے تو یہ قیامت کی کہ صحیحین کی بعض حدیثوں کو موضوع لکھدیا۔ علامہ سخاوی لکھتے ہیں۔

بل ربما ادرج فیھا الحسن والصحیح مما ھو فی احدی الصحیحین فضلاً عن غیرھما

ابن جوزی نے حسن اور صحیح تک کو جو بخاری یا مسلم میں موجود ہیں موضوعات میں درج کردیا ہے۔ دوسری کتابوں کا کیا ذکر ہے "بے شبہہ ابن جوزی نے اس افراط میں غلطی کی۔ لیکن یہ غلطی ایک اجتہادی غلطی ہے۔ جس کا حاصل یہی قدر ہے کہ انھوں نے بخاری یا مسلم کی صحیح اجتہاد کو غلط خیال کیا۔ ان اصولی اختلافات کی وجہ سے احادیث کی صحت اور عدم صحت میں جو اختلافات پیدا ہوگئے ہیں انکا استقصا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

حدیث مرفوع کی پہلی ضروری شرط یہ ہے کہ رسول اللہ تک متصل ثابت ہو لیکن اتصال کے ثبوت کے جو طریقے تسلیم کئے ہیں انمیں اکثر ظنی اور اجتہادی ہیں۔ صحابہ کے ان الفاظ کو۔ یہ امر سنت ہے"، "ہمکو یہ حکم دیا گیا تھا"، "ہم اسبات سے روکے گئے تھے"، "رسول اللہ کے زمانہ میں ہم فلاں کام کرتے تھے"، "یا ہم اسکو برا نہیں سمجھتے تھے" اکثروں نے مرفوع قرار دیا ہے۔ اور بعضوں نے یہانتک وسعت دی کہ جن حدیثوں میں یہ الفاظ تھے ان کو ان لفظوں سے روایت کردیا کہ "رسول اللہ نے یہ فرمایا" حالانکہ یہ الفاظ تھے ان کو ان لفظوں سے روایت کردیا کہ رسول اللہ نے یہ فرمایا" حالانکہ یہ الفاظ اس معنی میں قطعی الدلالۃ نہیں ہیں۔ بلکہ صحابہ کے ظن اور اجتہاد پر مبنی ہیں جسکی نسبت عموماً تسلیم کیا گیا ہے کہ فھم الصحابی لیس بحجۃ یعنی صحابی کی سمجھ کوئی دلیل نہیں۔ اسی بنا پر بعض علما نے اختلاف کیا اور کہا کہ یہ الفاظ اتصال و رفع کے لئے کافی نہیں ہیں۔

امام شافعی - ابن حزم ظاہری - ابوبکر رازی - اور دیگر محققین نے - صحابہ کے اس قول کو کہ "یہ فعل سنت ہے"، حدیث مرفوع نہین قرار دیا - کتب سیر و احادیث مین بیسیوین مثالین ملتی ہین جنمین صحابی نے یہ الفاظ استعمال کیئے اور وہ حدیث نبوی نہ تھی - بلکہ خود اُن کا قیاس و اجتہاد تھا - لیکن اکثر محدثین نے اِن حدیثون کو مرفوع کہا - اس خیال نے یہ آفت پیدا کی کہ اسکی بنا پر بعض رواۃ نے صریح مرفوع الفاظ مین حدیث کی روایت کردی جسکی وجہ سے ایک عام شبہہ پیدا ہوگیا -

معنعن روایتین

معنعن روایتون مین اتصال کا ثابت ہونا نہایت مشکل ہے - حالانکہ اس قسم کی روایتیں کثرت سے ہین - امام بخاری کا مذہب ہے کہ معنعن حدیثون مین اگر یہ ثابت ہو کہ راوی اور مروی عنہ دونون ہمزبان تھے اور کبھی ملے بھی تھے تو وہ حدیث متصل سمجھی جائے گی - امام مسلم حالانکہ امام بخاری کے شاگرد اور زیادہ تر اُنہین کے طریقے کے پیرو تھے - تاہم اُنھون نے نہایت سختی سے اس شرط کی مخالفت کی اور صرف ہمزمان ہونا کافی سمجھا[1] اس اختلاف کا یہ نتیجہ ہے کہ امام بخاری کے اصول کے موافق - امام مسلم کی وہ تمام معنعن روایتین جن مین لقا نہین ثابت ہے منقطع ہین - حالانکہ امام مسلم - اُنکو متصل سمجھتے ہین - اور اسپر اُنکو یہانتک اصرار ہے کہ اپنے مخالف کو سخت الفاظ سے یاد کرتے ہین - امام مسلم نے تو زیادہ توسیع کی لیکن امام بخاری کی شرط کے موافق بھی - معنعن روایت مین - اتصال کا ثبوت محض ظنی ہے یہ کچھ ضرور نہین کہ دو شخص ہمزمان اور باہم لقا ہوں تو اُنکی روایتین ہمیشہ بالذات ہون جہان حدثنا اور اخبرنا ہوگا - وہان ایسا ہونا البتہ ضرور ہے - لیکن اگر یہ الفاظ نہین ہین اور راوی نے عن کے لفظ سے روایت کی ہے تو اتصال کا خیال قیاس غالب ہوگا لیکن

[1] دیکھو مقدمہ صحیح مسلم ۱۲

یقینی نہ ہوگا۔ حدیث و سیر مین بیسیون مثالین ملسکتی ہین کہ دو راوی۔ ایک زمانہ مین تھے اور آپس مین ملاقات بھی تھی۔ تاہم ایک نے دوسرے سے بعض روایتین بواسطہ کین۔ روزمرہ کے تجربون مین اسکی سیکڑون شہادتین ملتی ہین۔

رجال کی تنقید

سب سے بڑا ضروری اور اہم مسئلہ رجال کی تنقید ہے۔ اخبار احاد کا تمامتر مدار رجال پر ہے۔ لیکن رجال کی تنقید و توثیق۔ ایسا ظنی مسئلہ ہے۔ جس کا قطعی فیصلہ نہایت مشکل اور قلیل الوجود ہے۔ ایک شخص کو بہت سے لوگ نہایت ثقہ۔ نہایت متدین۔ نہایت راستباز سمجھتے ہین اسی شخص کو بہت سے لوگ ضعیف الروایۃ۔ غیر ثقہ۔ ناقابل اعتبار خیال کرتے ہین۔ لطف یہ ہے کہ دونون فریق اس رتبہ کے ہوتے ہین جنکی عظمت و شان سے انکار نہین کیا جا سکتا۔ امام بخاری و مسلم مین گو ایسا سخت اختلاف نہین ہے۔ تاہم بہت سی رواۃ ہین جنکو ان دونون امامون مین سے ایک قابل حجت سمجھتا ہے اور دوسرا نہین سمجھتا علامہ نووی نے مقدمہ شرح صحیح مسلم مین بعضون کے نام بھی لکھے ہین۔ اور محدث حاکم۔ کی کتاب المدخل سے نقل کیا ہے کہ اُن لوگون کی تعداد جن سے امام مسلم نے مسند صحیح مین احتجاج کیا ہے اور امام بخاری نے جامع صحیح۔ مین اُنسے حجت نہین لی ۶۲۵ ہے۔

میزان الاعتدال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیکڑون بلکہ ہزارون رواۃ ہین جنکی جرح و تعدیل مختلف فیہ ہے اور ایسا ہونا ضرور تھا کسی شخص کے اُن تمام اوصاف و عادات پر مطلع ہونا۔ جنکا اثر روایت کی قوت و ضعف پر پڑ سکتا ہے۔ مدتون کی ملاقات اور تجربہ پر موقوف ہے۔ جو لوگ جرح و تعدیل کے کام مین مصروف تھے سیکڑون ہزارون راویون سے ایسی عمیق واقفیت کیونکر حاصل کر سکتے تھے۔ اسی لئے مختلف قرائن ظاہری آثار۔ عام شہرت سمعی روایتون سے۔ کام لینا پڑتا تھا اور بہت کم قطعی فیصلہ ہو سکتا تھا۔ اگرچہ محدثین نے

ان متعارضات کے رفع کرنے کے لئے اصول قرار دیئے ہیں - لیکن وہ اصول خود اجتہادی اور مختلف فیہ ہین - اسکے علاوہ متعدد موقعون پر محدثین کو خود اپنے اصول سے انحراف کرنا پڑتا ہے - جرح کو عموماً تعدیل پر مقدم مانا گیا ہے - لیکن بہت سی رواۃ ہین جنکی نسبت اس قاعدہ کی پابندی نہین کیجاتی - محمد بن بشار المصری - احمد بن صالح مصری - عکرمہ مولی ابن عباس کی نسبت مفسر جرحین موجود ہین تاہم ان جرحون کا اعتبار نہین کیا جاتا -

تعجب یہ ہے کہ جارحین و معدّلین دونون ائمہ فن ہوتے ہین اور انکی راویون مین اس قدر اختلاف ہوتا ہے جس سے تعجب پیدا ہوتا ہے - جابر جعفی کوفی - ایک مشہور راوی ہے - جسکو دعوے تھا کہ مجھکو پچاس ہزار حدیثین یاد ہین - اسکی نسبت ائمہ جرح و تعدیل کی یہ رائین ہین سفیان کا قول ہے کہ مین نے جابر سے زیادہ محتاط حدیث مین نہین دیکھا - شعبہ کہتے ہین کہ جابر جب اخبرنا وحدثنا کہین تو وہ اوثق الناس ہین امام سفیان ثوری نے شعبہ سے کہا کہ اگر تم جابر جعفی مین گفتگو کرو گے - تو مین تم مین گفتگو کرون گا - وکیع کا قول ہے کہ تم لوگ اور کسی بات مین شک کرو تو کرو - لیکن اس بات مین کچھ شک نہ کرو کہ جابر جعفی - ثقہ ہین - اسکے مقابلہ مین اور ائمہ فن کی رائین ہین جسکے یہ الفاظ ہین کہ وہ متروک ہے - کذاب ہے - وضاع ہے چنانچہ اخیر فیصلہ جو پچھلے محدثون نے کیا وہ یہی ہے کہ جابر کی روایت قابل اعتبار نہین -

اس سے یہ غرض نہین کہ جرح و تعدیل کا فن ناقابل اعتبار ہے - بلکہ یہ مقصود ہے کہ جن مسائل اور طرق سے رجال کے حالات قلمبند کئے گئے اور کئے جاسکتے تھے - انکا مرتبہ ظن غالب یا محض ظن سے فائق نہین ہو سکتا - اس لیے اسپر یقینیات او قطعیات کی بنیاد نہین قائم ہو سکتی -

ادائے مطلب

ان امور کے بعد تادیہ معنی کی بحث باقی رہتی ہے - مثلاً ایک حدیث تمام محدثین اور مجتہدین کے اصول کے موافق متصل بھی ہے - رواۃ بھی ثقہ ہین - شذوذ بھی نہین ہے لیکن یہ بحث

اب بھی باقی ہے کہ راوی نے ادائے مطلب کیونکر کیا؟ موقع اور محل روایت کی تمام خصوصیتیں ملحوظ رکھیں یا نہیں؟ فہم مطلب۔ یا طریقہ ادا میں تو کوئی غلطی نہیں کی؟ چونکہ یہ مسلّم ہے کہ حدیثیں اکثر بالمعنی روایت کی گئی ہیں اسلئے اِن احتمالات کو زیادہ قوت ہو جاتی ہے۔ صحابہ کے زمانہ میں کسی روایت کی صحت سے انکار کیا جاتا تھا۔ تو اسی بنا پر کیا جاتا تھا ورنہ یہ ظاہر ہے کہ صحابہ عموماً ثقہ تھے اور اُنکی روایت میں انقطاع کا کوئی احتمال نہ تھا۔ صحیح مسلم باب التیمم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے مسئلہ دریافت کیا کہ مجھکو غسل کی حاجت ہوئی اور پانی نہ ملسکا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نماز نہ پڑھو۔ عمار۔ موجود تھے انھوں نے اس مسئلہ کے متعلق رسول اللہؐ سے ایک روایت بیان کی اور کہا کہ اُس موقع پر آپ بھی موجود تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ اتق اللہ یا عمار۔ یعنی اے عمار خدا سے ڈرو۔" یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ۔ عمار کو کاذب الروایۃ نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن اس احتمال پر کہ شاید ادائے مطلب میں غلطی ہوئی۔ یہ الفاظ فرمائے چنانچہ عمار نے کہا۔ "کہ اگر آپ کی مرضی نہ ہو تو میں یہ حدیث نہ روایت کیا کروں"۔ اخبار احاد کی بحث کو ہمنے قصداً اسی لئے طول دیا کہ محدثین زیادہ تر اسی مسئلہ کی وجہ سے امام ابو حنیفہ پر ردو قدح کرتے ہیں۔ حالانکہ امام صاحب کا مذہب۔ نہایت تحقیق اور دقت نظر پر مبنی ہے۔

یہ تمام احتمالات اور اجتہادات اخبار احاد کے ساتھ مخصوص ہیں۔ متواتر اور مشہور میں ان بحثوں کا مساغ نہیں۔ انہیں وجوہ اور اسباب سے اخبار احاد کے متعلق مختلف رائیں پیدا ہو گئیں۔ معتزلہ نے تو سرے سے انکار کیا۔ اُنکے مقابلہ میں بعض محدثین نے یہ شدت کی کہ خبر واحد کو قطعی قرار دیا۔ صرف یہ شرط لگائی کہ رواۃ ثقہ ہوں۔ اور انقطاع و شذوذ و علت نہ ہو۔ بعض محدثین اگرچہ اصول کے طور پر اخبار احاد کو ظنی کہتے ہیں لیکن

خبر واحد قطعی نہیں

جزئیات احکام اور مسائل اعتقادی مین اس کا خیال نہین رکھتے - امام ابوحنیفہ نے اس بحث مین جو مسلک اختیار کیا وہ نہایت معتدل اور انکی دقت نظر کی بہت بڑی دلیل ہے انھون نے نہ معتزلے کی طرح سرے سے انکار کیا - نہ ظاہر بینون کی طرح خوش اعتقادی سے اسکی قطعیت تسلیم کی - امام صاحب کی یہ رائے بڑے بڑے صحابہ کی رائے کے موافق ہے حضرت عمر - حضرت عائشہ - عبداللہ بن مسعود نے متعدد موقعون پر خبر واحد کی تسلیم مین تردد کیا ہے جسکی وجہ یہی تھی کہ وہ اخبار احاد کو قطعی نہین سمجھتے تھے - فاطمہ بنت قیس نے جب حضرت عمر کے سامنے رسول اللہ سے روایت کی کہ لا سکنیٰ ولا نفقۃ تو حضرت عمر نے فرمایا لا نترک کتاب اللہ بقول امرءۃ لا ندری صدقت ام کذبت یعنی ایک عورت کی روایت کی بنا پر جس کی نسبت معلوم نہین کہ اسنے غلط کہا یا صحیح - ہم کتاب الٰہی کو چھوڑ نہین سکتے

خبر واحد مین صحابہ نے شک کیا

فقہی احکام اس قاعدہ کی متعدد تفریعیں ہیں مثلاً یہ کہ اخبار احاد سے کسی حکم کا فرض ہونا نہین ثابت ہوسکتا - کیونکہ فرضیت - ثبوت قطعی کی محتاج ہے البتہ اس سے ظن غالب پیدا ہوتا ہے اس لئے وجوب - تسنن - استحباب - ثابت ہوسکتا ہے - اسی بنا پر نماز مین قرأۃ فاتحہ کو امام شافعی فرض سمجھتے ہیں - اور امام ابوحنیفہ - واجب - اس اصول پر بہت سے احکام متفرع ہین -

فقہ سے زیادہ اس قاعدہ کا اثر علم کلام پر پڑتا ہے - اور یہی چیز ہے جسنے ایک زمانہ کو امام ابوحنیفہ کا مخالف بنا دیا تھا - امام صاحب نے مذکورہ بالا قاعدہ کی بنا پر یہ اصول قرار دیا تھا کہ جو مسائل اور عقائد اسلام مین متفق علیہ ہین انکے خلاف اخبار احاد - قابل اعتبار نہین مثلاً انبیا کی عصمت - اہل حق کا ایک مسلم مسئلہ ہے - اسکے برخلاف - جن روایتون سے انبیا کا مرتکب کبائر ہونا ثابت ہوتا ہے - امام ابوحنیفہ کے اصول کے موافق وہ روایتین قابل اعتبار نہین - اس اصول کی بنا پر بہت سے اشکالات سے جو ملاحدہ پیش کرتے ہین نجات

اس قاعدہ کا اثر علم کلام کے مسائل پر

ملتی ہے لیکن افسوس ہے کہ اکثر ارباب روایت نے اس عمدہ اصول کی قدر نہ کی بلکہ الٹی اور مخالفت کی۔ علامہ ابن عبدالبر نے جو مشہور محدث ہیں کتاب الکنی میں لکھا ہے کان من مذہب الامام ابی حنیفۃ فی اخبار احاد ان لا یقبل منہا المخالف الاصول المجمع علیہا فانکر علیہ اصحاب الحدیث فافرطوا[1] یعنی اخبار احاد میں امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب تھا کہ اصول متفق علیہ کے خلاف ہو تو قابل قبول نہیں۔ اسپر اصحاب حدیث نے انکی مخالفت کی اور افراط کو پہنچا دیا۔"

محدثین اور امام ابوحنیفہ کے اصول میں عملاً یہ فرق ہے کہ جو حدیث اصول متفق علیہ کے خلاف ہوتی تھی محدثین اسکی صحت کو تسلیم کر کے تاویل سے کام لیتے تھے حالانکہ اکثر جگہ تعسف بارد تاویل ہوتی تھی بخلاف اسکے امام صاحب اس طرف مائل ہوتے تھے کہ چونکہ وہ حدیث متواتر اور مشہور نہیں ہے اس لئے ممکن ہے کہ رواۃ نے غلطی یا مسامحت کی ہو۔ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں ایک بحث لکھی ہے جو اس موقع کی ایک عمدہ مثال ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص سے میں نے کہا کہ یہ حدیث جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم تین بار جھوٹ بولے ما کذب ابراہیم الا ثلث کذبات صحیح نہیں کیونکہ اس سے حضرت ابراہیم کا نعوذ باللہ کاذب ہونا لازم آتا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ اس حدیث کی رواۃ ثقہ ہیں انکو کاذب کیونکر کہا جاوے۔ میں نے جواب دیا کہ حدیث کو صحیح مانیں تو حضرت ابراہیم کا کذب لازم آتا ہے اور غلط تسلیم کریں تو راوی کو کاذب ماننا پڑتا ہے۔ لیکن یہ بدیہی بات ہے کہ حضرت ابراہیم کو راوی پر ترجیح ہے۔ امام رازی کا استدلال۔ امام ابوحنیفہ کے اسی خیال پر مبنی ہے یعنی چونکہ انبیا کا معصوم اور صادق ہونا متفق علیہ ہے۔ اسی لیے خبر واحد اسکے متعارض نہیں ہو سکتی۔ افسوس ہے کہ محدث قسطلانی

[1] اس عبارت کو حافظ ابوالمحاسن نے عقود الجمان میں نقل کیا ہے ۱۲

صحیح بخاری کی شرح مین ابن استدلال کو نقل کرکے لکھتے ہین کہ جب رواۃ ثقہ ہین تو حدیث کو بہرحال صحیح ماننا چاہیئے"

اسی اصول پرامام صاحب اسبات کے قائل ہین کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - ہر سورہ کے شروع مین جزو قرآن نہین ہے" امام شافعی - اور بعض محدثین اسکے خلاف ہین اور سند مین چند حدیثین پیش کرتے ہیں - امام ابوحنیفہ - کی طرف سے یہ جواب ہے کہ قرآن تواتر سے ثابت ہے اور جو تواتر سے ثابت ہے وہی قرآن ہے - اخبار احاد سے قرآن نہین ثابت ہوسکتا - اسی طرح امام صاحب کے اصول کے مطابق - وہ روایتین قابل اعتنا نہین جن مین عبداللہ بن مسعود - کی طرف معوذتین کا انکار منسوب کیا گیا ہے - حافظ ابن حجر نے ان روایتون کو صحیح تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ ان روایت سے انکار نہین کرنا چاہیئے" کہ معوذتین - متواتر نہیں ہیں - یا تواتر کا اتنا زنبہ گھٹانا ہوگا کہ رسول اللہ کے اصحاب کو بھی اس سے واقف ہوناضرور نہ ہو امام صاحب کے اس اصول کے مطابق اسلام کا دائرہ اس قدر وسیع رہتا ہے جس قدر کہ اسکو رہنا چاہیئے - بخلاف اسکے اور لوگون کی رائے کے مطابق اسکی وسعت نقطہ سے بھی کم رہجاتی ہے مثلاً یہ مسلّم اور یقینی ہے کہ جو شخص توحید و نبوت کا قائل ہے اور دل سے اسپر اعتقاد رکھتا ہے وہ قرآن مجید کی نص کے مطابق مسلمان ہے - اب اسکے مقابلہ مین وہ حدیثین جو قطعی الثبوت نہین ہیں - اور جنمین بہت سے خارجی امور پر کفر کا حکم دیا گیا ہے - کچھ اثر نہین پیدا کرسکتین اسی بنا پر امام صاحب معتزلہ قدریہ - جہمیہ - وغیرہ کو کافر نہین کہتے تھے اور اس قسم کی حدیثون کا کہ "۷۲ بہتر فرقون مین سے صرف ایک فرقہ جنتی ہے اور باقی دوزخی" اعتبار نہین کرتے تھے - لیکن بہت سے ظاہر بینون نے ان حدیثون کا یہ رتبہ قائم کیا کہ انکی بنا پر بات بات پر کفر کے فتوے دیے یہانتک کہ جو شخص وضع قطع مین ذرا بھی کسی دوسرے کے مشابہ ہوجائے وہ کافر ہے خود متاخرین حنفیہ نے امام صاحب کے اس عمدہ اصول کو نظر انداز کردیا

اور سیکڑون ہزارون مسئلے کفر کے ایجاد کر دیے جنکی تفصیل سے فقہ کی کتابین مالا مال ہین۔

فقہ

اسلامی علوم مثلاً تفسیر۔حدیث۔فقہ۔مغازی۔انکی ابتدا اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی لیکن جسوقت تک انکو فن کی حیثیت نہین حاصل ہوئی وہ کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہین ہوئے۔دوسری صدی کے اوائل مین تدوین و ترتیب شروع ہوئی ہے اور جن لوگون نے تدوین و ترتیب کی وہ ان علوم کے بانی کہلائے چنانچہ بانی فقہ کا لقب۔امام ابوحنیفہ کو ملا جو درحقیقت اس لقب کے سزاوار تھے۔اگر ارسطو علم منطق کا موجد ہے تو بے شبہ امام ابوحنیفہ بھی علم فقہ کے موجد ہین۔امام صاحب کی علمی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہی ہے اس لئے ہم اُسپر تفصیلی بحث کرنی چاہتے ہین لیکن اصل مقصد سے پہلے ضرور ہے کہ مختصر طور پر ہم علم فقہ کی تاریخ لکھین جس سے ظاہر ہو کہ علم کب شروع ہوا اور کیونکر شروع ہوا؟ اور خاصکر یہ کہ امام ابوحنیفہ نے جب اُسکو پایا تو اُسکی کیا حالت تھی؟

فقہ کی مختصر تاریخ

فقہ کی تاریخ پر شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک نہایت عمدہ مضمون لکھا ہے جس کا التقاط ہمارے لئے کافی ہے۔وہ لکھتے ہین کہ رسول اللہ کے زمانہ مین احکام کی قسمین نہین پیدا ہوئی تھین۔آنحضرت صحابہ کے سامنے وضو فرماتے تھے۔اور کچھ نہ بتلاتے تھے۔کہ یہ رکن ہے۔یہ واجب ہے۔یہ مستحب ہے۔صحابہ آپکو دیکھکر۔اُسی طرح وضو کرتے تھے۔نماز کا بھی یہی حال تھا یعنی صحابہ۔فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہین کیا کرتے تھے۔جس طرح رسول اللہ کو نماز پڑھتے دیکھا۔خود بھی پڑھ لی۔ابن عباس کہتے ہین کہ مین نے کسی قوم کو رسول اللہ کے اصحاب سے بہتر نہین دیکھا۔لیکن اُنھون نے رسول اللہ کی تمام زندگی مین تیرہ مسئلون سے زیادہ نہین پوچھے جو سب کے سب قرآن مین موجود ہین البتہ جو واقعات غیر معمولی طور سے

پیش آتے تھے اُن میں ۔لوگ آنحضرت سے استفتا کرتے اور آنحضرت جواب دیتے ۔اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگوں نے کوئی کام کیا اور آپ نے اسپر تحسین کی یا اُس سے نارضامندی ظاہر کی ۔اس قسم کے فتاوے اکثر عام مجمعوں میں ہوتے تھے ۔اور لوگ آنحضرت کے اقوال کو محفوظ رکھتے تھے ۔

دو آنحضرت کی وفات کے بعد ۔فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا ۔واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کردیا ۔اب بحث یہ پیش آئی کہ "نماز ہوئی یا نہیں" اس بحث کے پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جس قدر اعمال تھے سب کو فرض کہہ دیا جاتا ۔صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض و واجب ہیں کتنے مسنون اور مستحب ۔اس تفریق کے لئے جو اصول قرار دیے جا سکتے تھے ۔اُن پر تمام صحابہ کی رایوں کا متفق ہونا ممکن نہ تھا ۔اس لئے مسائل میں اختلاف آرا ہوا اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کی مختلف رائیں قائم ہوئیں بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں اُنکا عین و اثر بھی پایا گیا تھا ۔صحابہ کو ان صورتوں میں استنباط ۔تفریع ۔حمل النظیر علے النظیر ۔قیاس ۔سے کام لینا پڑا ۔ان اصول کے طریقے یکساں نہ تھے ۔اس لئے ضروری اختلافات پیدا ہوئے ۔غرض صحابہ ہی کے زمانہ میں ۔احکام اور مسائل کا ایک دفتر بنگیا اور جدا جدا طریقے قائم ہوگئے صحابہ میں سے جن لوگوں نے استنباط و اجتہاد سے کام لیا ۔اور مجتہد یا فقیہہ ۔کہلائے اُن میں سے چار بزرگ نہایت ممتاز تھے ۔عمر ۔علی ۔عبد اللہ بن مسعود ۔عبد اللہ بن عباس ۔حضرت علیؑ و عبد اللہ بن مسعود زیادہ تر کوفہ میں رہے اور وہیں اُن کے مسائل و احکام کی زیادہ

مجتہدین صحابہ

ترویج ہوئی - اس تعلق سے کوفہ - فقہ کا دار العلوم بنگیا - جس طرح کہ حضرت عمر و عبد اللہ بن عباس کے تعلق سے حرمین کو دار العلوم کا لقب حاصل ہوا تھا -

حضرت علی

وہ حضرت علیؓ بچپن سے رسول اللہ کی آغوش تربیت میں پلے تھے - اور جسقدر انکو آنحضرتؐ کے اقوال و افعال سے مطلع ہونے کا موقع ملا تھا کسی کو نہیں ملا تھا - ایک شخص نے اُن سے پوچھا کہ آپ اور صحابہ کی نسبت کثیر الروایۃ کیون ہین - ؟ فرمایا کہ "مین آنحضرت سے کچھہ دریافت کرتا تھا تو بتاتے تھے اور چپ رہتا تھا تو خود ابتدا کرتے تھے" اُسکے ساتھہ ذہانت قوت استنباط - ملکہ استخراج - ایسا بڑہا ہوا تھا کہ عموماً صحابہ - اعتراف کرتے تھے حضرت عمرؓ کا عام قول تھا کہ "خدا نہ کرے کہ کوئی مشکل مسئلہ آن پڑے اور علیؓ موجود نہ ہون" عبد اللہ بن عباس - خود مجتہد تھے مگر کہا کرتے تھے کہ "جب ہمکو علیؓ کا فتوی ملجائے تو کسی اور چیز کی ضرورت نہین"۔

عبد اللہ بن مسعود

عبد اللہ بن مسعود بھی حدیث و فقہ - دونون مین کامل تھے - رسول اللہ کے ساتھہ جس قدر جلوت و خلوت مین وہ ہمدم و ہمراز رہے تھے بہت کم لوگ رہے ہونگے - صحیح مسلم مین ابو موسی سے روایت ہے کہ "ہم یمن سے آئے اور کچھہ دنون تک (مدینہ مین) رہے ہم نے عبد اللہ بن مسعود - کو رسول اللہ کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم انکو رسول اللہ کے اہلبیت سے گمان کرتے رہے" عبد اللہ بن مسعود کو دعوے تھا کہ "قرآن مجید مین کوئی آیت ایسی نہین ہے جسکی نسبت مین یہ نہ جانتا ہون کہ کس باب مین اتری ہے" وہ کہا کرتے تھے کہ "اگر کوئی شخص قرآن مجید - کا مجھسے زیادہ عالم ہوتا تو مین اُسکے پاس سفر کرکے جاتا" صحیح مسلم مین ہے کہ انھون نے ایک مجمع مین دعوے کیا کہ تمام صحابہ جانتے ہین کہ مین قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہون - شقیق اس جلسہ مین موجود تھے - وہ کہتے ہین کہ

اس واقعہ کے بعد۔ مین اکثر صحابہ کے حلقون مین شریک ہوا مگر کسی کو عبداللہ بن مسعود کے دعوے کا منکر نہین پایا۔

عبداللہ بن مسعود۔ باقاعدہ طور پر حدیث و فقہ کی تعلیم دیتے تھے اور اُن کی درس گاہ مین بہت سے تلامذہ کا مجمع رہتا تھا۔ جن مین سے چند شخص۔ یعنی اسود۔ عبیدہ حارث علقمہ۔ نہایت نام آور ہوئے علقمہ۔ رسول اللہ کی زندگی مین پیدا ہوئے تھے اور حضرت عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ عائشہؓ۔ سعدؓ۔ حذیفہ۔ خالد بن الولید۔ خباب۔ اور بہت سے صحابہ سے حدیثین روایت کین۔ خاصکر عبداللہ بن مسعود کی صحبت مین۔ اس التزام سے رہے تھے اور اُنکے طور و طریقہ کے اس قدر قدم بقدم چلتے تھے کہ لوگون کا قول تھا کہ جنے علقمہ کو دیکھ لیا اُسنے عبداللہ بن مسعود کو دیکھ لیا" خود عبداللہ بن مسعود کا قول تھا کہ" جس قدر علقمہ کی معلومات ہین۔ میری معلومات اُس سے زیادہ نہیں ہین" اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ صحابہ اُن سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے۔ عبداللہ بن مسعود کے شاگردون مین اگر کوئی شخص۔ علقمہ کا ہمسر تھا تو اسود تھے۔

ابراہیم نخعی

علقمہ و اسود کے انتقال کے بعد ابراہیم نخعی مسند نشین ہوئے۔ اور فقہ کو بہت کچھ وسعت دی یہانتک کہ اُنکو فقیہ العراق کا لقب ملا۔ علم حدیث مین اُنکا یہ پایہ تھا کہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے۔ امام شعبی نے جو علامۃ التابعین کے لقب سے ممتاز ہین اُنکی وفات کے وقت کہا کہ "ابراہیم نے کسی کو نہین چھوڑا جو اُن سے زیادہ عالم اور فقیہ ہو" اُسپر ایک شخص نے تعجب سے پوچھا کہ کیا حسن بصری۔ اور ابن سیرین بھی" شعبی نے کہا حسن بصری اور ابن سیرین پر کیا ختم ہے۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شام۔ حجاز۔ مین کوئی شخص اُنسے زیادہ عالم نہین تھا ابراہیم نخعی کے عہد مین مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ تیار ہو گیا تھا جسکا ماخذ حدیث

نبوی اور حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعود کے فتاوے تھے۔ یہ مجموعہ گو مرتب طور پر قلمبند نہین کیا گیا لیکن انکے شاگردون کو اسکے مسائل زبانی یاد تھے سب سے زیادہ یہ مجموعہ حماد کے پاس جمع تھا۔ جو ابراہیم کے تلامذہ مین نہایت ممتاز تھے۔ چنانچہ انکے مرنے کے بعد فقہ کی مسند خلافت بھی انہین کو ملی۔ حماد نے گو فقہ کو چندان ترقی نہین دی لیکن وہ ابراہیم کے مجموعہ فقہ کے بہت بڑے حافظ تھے۔ حماد نے ۱۲۰ھ ہجری مین قضا کی اور لوگون نے انکی جگہ امام ابوحنیفہ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا۔

امام ابوحنیفہ کو فقہ کی تدوین کا خیال کیونکر پیدا ہوا

امام صاحب کے زمانہ تک اگرچہ فقہ کے معتدبہ مسائل مدون ہو چکے تھے لیکن اولاً تو یہ تدوین صرف زبانی روایت تھی۔ دوسرے جو کچھ تھا فن کی حیثیت سے نہ تھا نہ استنباط واستدلال کے قواعد قرار پائے تھے نہ احکام کی تفریع کے اصول منضبط تھے نہ حدیثون مین امتیاز مراتب تھا اور شبہ النظیر علی النظیر کے قاعدے مقرر تھے مختصر یہ کہ فقہ جزئیات مسائل کا نام تھا اور اسکو قانون کے رتبہ تک پہنچانے کے لئے بہت سے زینے باقی تھے۔ تاریخ سے اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ امام ابوحنیفہ کو خاص کس وجہ سے فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا۔ قلائد عقود العقیان کے مصنف نے کتاب انموذج القتال سے اسکا ایک قصہ نقل کیا ہے وہ لکھتے ہین کہ دو شخص حمام مین نہانے گئے اور حمامی کے پاس کچھ امانت رکھتے گئے۔ ایک ان مین سے نہا کر نکلا اور حمامی سے امانت طلب کی اسنے دیدی یہ لیکر چلتا ہوا۔ دوسرا حمام سے باہر آیا اور امانت مانگی تو اسنے عذر کیا کہ مین نے تمہارے شریک کو حوالہ کر دی۔ اسنے عدالت مین استغاثہ کیا۔ قاضی صاحب نے حمامی کو ملزم ٹھہرایا کہ جب دونون نے ملکر تیرے پاس امانت رکھی تھی تو تجھکو ضرور تھا کہ دونون کی موجودگی مین واپس کرتا۔ حمامی گھبرایا ہوا امام ابوحنیفہ کے پاس آیا۔ امام صاحب نے کہا کہ تم جا کر اس شخص سے کہو کہ

مین تمہاری امانت ادا کرنے کے لئے تیار ہون۔ لیکن قاعدہ کے موافق۔ تنہا تم کو نہین دے سکتا۔ شریک کو لاؤ تو لیجاؤ۔ اس واقعہ کے بعد امام صاحب کو فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا۔ اور اُسکی ترتیب شروع کی۔

اصلی اسباب

ممکن ہے کہ یہ واقعہ صحیح ہو لیکن اس خیال کے پیدا ہونے کے اصلی اسباب اور تھے یہ امر تاریخون سے ثابت ہے کہ امام صاحب کو تدوین فقہ کا خیال قریباً سنہ ۱۲۰ھ مین پیدا ہوا یعنے جب اُنکے اُستاد۔ حماد نے وفات پائی۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ اسلام کا تمدن نہایت وسعت پکڑ گیا تھا۔ عبادات اور معاملات کے متعلق اس کثرت سے واقعات پیدا ہو گئے تھے اور ہوتے جاتے تھے کہ ایک مرتب مجموعہ قانون کے بغیر کسی طرح کام نہین چل سکتا تھا۔ نیز سلطنت کی وسعت اور دوسری قومون کے میل جول سے تعلیم و تعلم نے اسقدر وسعت حاصل کر لی تھی کہ زبانی سند و روایت اُسکا تحمل نہین کر سکتی تھی ایسے وقت پر قدرتی طور پر لوگون کے دل مین خیال آیا ہو گا کہ ان جزئیات کو اصول کے ساتھ ترتیب دیکر ایک فن بنا دیا جائے۔

امام ابو حنیفہ کی طبیعت مجتہدانہ اور غیر معمولی طور پر متقنانہ واقع ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ تجارت کی وسعت اور ملکی تعلقات نے اُنکو معاملات کی ضرورتون سے خبردار کر دیا تھا۔ اطراف و بلاد سے ہر روز جو سیکڑون ضروری استفتاآتے تھے اُن سے اُنکو اندازہ ہوتا تھا کہ ملک کو اس فن کی کس قدر حاجت ہے قضاۃ اور حکام۔ فصل قضایا مین جو غلطیان کرتے تھے۔ وہ اپنی آنکھون سے دیکھتے تھے۔ غرض یہ اسباب اور وجوہ تھے جنہون نے اُنکو اس فن کی تدوین و ترتیب پر آمادہ کیا۔ ممکن ہے کہ کسی خاص واقعہ سے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اس آمادگی کو اور تحریک ہوئی جسکے ساتھ عملی کوشش کا ظہور ہوا۔

تلامذہ جو فقہ کی تدوین مین شریک تھے

امام صاحب نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ نہایت وسیع اور پُر خطر کام تھا۔ اِس لئے اُنھون نے اتنے بڑے کام کو اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہین چاہا۔ اِس غرض سے اُنھون نے اپنے شاگردون مین سے چند نامور شخص۔ انتخاب کئے جنمین سے اکثر خاص خاص۔ فنون مین جو تکمیل فقہ کے لئے ضروری تھے استاد زمانہ تسلیم کئے جاتے تھے۔ مثلاً یحییٰ بن ابی زایدہ۔ حفص بن غیاث۔ قاضی ابو یوسف۔ داؤد الطائی۔ حبان مندل حدیث و آثار مین نہایت کمال رکھتے تھے۔ امام زفر۔ قوت استنباط مین مشہور تھے قاسم بن معن اور امام محمد۔ کو ادب اور عربیت مین کمال تھا۔ امام صاحب نے اِن لوگون کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی۔ اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کی ہے کہ "ابوحنیفہ کے تلامذہ جنھون نے فقہ کی تدوین کی چالیس تھے جنمین یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے۔ ابو یوسف زفر داود الطائی۔ اسد بن عمر یوسف بن خالد التیمی۔ یحییٰ بن ابی زایدہ" امام طحاوی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ لکھنے کی خدمت یحییٰ سے متعلق تھی۔ اور وہ تیس برس تک اِس خدمت کو انجام دیتے رہے"۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اِس کام مین کم و بیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا یعنی ۱۲۱ھ ہجری سے ۱۵۰ھ تک جو امام ابو حنیفہ کی وفات کا سال ہے لیکن یہ غلط ہے کہ یحییٰ۔ شروع سے اِس کام مین شریک تھے۔ یحییٰ ۱۲۰ھ مین پیدا ہوئے تھے اِس لئے وہ شروع سے کیونکر شریک ہو سکتے تھے۔ طحاوی نے جن لوگون کے نام گنائے ہین اُنکے سوا۔ عافیہ ازدی۔ ابو علی مغزی۔ علی مسہر۔ قاسم بن معن۔ حبان۔ مندل۔ بھی اِس مجلس کے ممبر رہے تھے۔

طریقہ تدوین

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا۔ اگر اُس کے جواب مین سب لوگ متفق الرائے ہوتے تو اُسی وقت قلمبند کر لیا جاتا۔ ورنہ نہایت آزادی سے مُباحثہ

شروع ہوتیں ۔ کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی ۔ امام صاحب غور اور تحمل کے ساتھ سب کی تقریریں سنتے اور بالآخر ایسا جچا تلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رایوں پر قائم رہتے ۔ اسوقت وہ سب مختلف اقوال قلمبند کر لئے جاتے ۔ اِس کا التزام تھا کہ جب تک تمام شرکائے جلسہ جمع نہ ہولیں کسی مسئلہ کو طے نہ کیا جائے ۔

جواہر مضیئہ کے مصنف نے عافیہ بن یزید کے تذکرہ میں اسحٰق سے روایت کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے اصحاب کسی مسئلہ میں بحث کرتے ہوتے ۔ اور عافیہ ۔ موجود نہ ہوتے ۔ تو امام صاحب فرماتے کہ عافیہ کو آلینے دو ۔ جب وہ آلیتے اور اتفاق کرتے تب وہ مسئلہ درج تحریر کیا جاتا ۔ اِس طرح تیس برس کی مدت میں یہ عظیم الشان کام انجام کو پہونچا امام صاحب کی اخیر عمر قید خانہ میں گزری وہاں بھی یہ کام برابر جاری رہا ۔

اِس مجموعہ کی ترتیب جیسا کہ ۔ حافظ ابو المحاسن نے بیان کی ہے یہ تھی اول باب الطہارۃ باب الصلوٰۃ ۔ باب الصوم ۔ پھر عبادات کے اور ابواب ۔ اسکے بعد ۔ معاملات ۔ سب کے اخیر میں باب المیراث ۔

اِس مجموعہ کا رواج

امام صاحب کی زندگی ہی میں اِس مجموعہ نے وہ حسن قبول حاصل کیا کہ اسوقت کے حالات کے لحاظ سے مشکل سے قیاس میں آسکتا ہے ۔ جس قدر اسکے اجزا تیار ہوتے جاتے تھے ساتھ ہی ساتھ تمام ملک میں اسکی اشاعت ہوتی جاتی تھی ۔ امام صاحب کا درس گاہ ایک قانونی مدرسہ تھا جسکے طلبا نہایت کثرت سے ملکی عہدوں پر مامور ہو ئے ۔ اور انکی آئین حکومت کا یہی مجموعہ تھا ۔ تعجب یہ ہے کہ جن لوگوں کو امام صاحب سے ہمسری کا دعوٰی تھا وہ بھی اِس کتاب سے بےنیاز نہ تھے ۔ امام سفیان ثوری نے بڑے لطائف الحیل

سے کتاب الرہن - کی نقل حاصل کی اور اسکو اکثر پیش نظر رکھتے تھے - زایدہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سفیان کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جسکا وہ مطالعہ کر رہے تھے ان سے اجازت مانگ کر میں اسکو دیکھنے لگا تو - ابوحنیفہ - کی کتاب الرہن - نکلی - میں نے تعجب سے پوچھا کہ "آپ ابوحنیفہ - کی کتابیں دیکھتے ہیں" بولے "کاش - انکی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں"[1]

یہ بھی کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ باوجودیکہ اسوقت بڑے بڑے مدعیان فن موجود تھے اور انمیں بعض امام ابوحنیفہ سے مخالفت بھی رکھتے تھے - تاہم کسی کو اس کتاب کی رد و قدح کی جرات نہیں ہوئی - امام رازی - مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں "

ان اصحاب الرای اظہر دلائل اصحابہم و کان الدنیا مملوۃ من المحدثین و رواۃ الاخبار فلم یقدر احد منہم الطعن فی اقاویل اصحاب الرای یعنی اصحاب الرائے (ابوحنیفہ اور انکے تلامذہ) نے اپنے مسائل جس زمانہ میں ظاہر کیئے - دنیا محدثین اور راویان اخبار سے بھری ہوئی تھی تاہم کسی کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ انکے اقوال پر اعتراض کرتا - امام رازی نے تو عام نفی کی ہے لیکن ہکو زیادہ استقصا سے معلوم ہوا کہ اس عموم میں ایک استثنا رہی - کیونکہ بیہقی نے تصریح کی ہے کہ امام اوزاعی نے ابوحنیفہ کی کتاب السیر کا رد لکھا تھا جسکا جواب قاضی ابو یوسف نے لکھا -

غالبا یہ مجموعہ بہت بڑا مجموعہ تھا اور ہزاروں مسائل پر مشتمل تھا - قلائد عقود العقیان کے مصنف نے کتاب الصیانہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "امام ابوحنیفہ نے جس قدر مسائل مدون کیئے انکی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہے" شمس الائمہ کردری نے لکھا ہے کہ "یہ مسائل چھ لاکھ تھے" یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ

---

[1] عقود الجمان باب العاشر ۱۲

اُنکی تعداد لاکھون سے کم نہ تھی۔ امام محمد کی جو کتابین آج موجود ہین اُن سے اِس کی تصدیق ہوسکتی ہے۔

اگرچہ اِس مین کسی طرح شبہہ نہین ہوسکتا کہ۔ امام ابوحنیفہ۔ کی زندگی ہی مین فقہ کے تمام ابواب مرتب ہوگئے تھے۔ رجال و تاریخ کی کتابون مین اِس کا ثبوت ملتا ہے۔ جس کا انکار گویا تواتر کا انکار ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ مجموعہ ایک مدت سے ضائع ہوگیا ہے۔ اور دنیا کے کسی کتب خانہ مین اُسکا پتہ نہین چلتا۔ امام رازی۔ مناقب الشافعی۔ مین لکھتے ہین کہ "ابوحنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہین رہی" امام رازی نے ۶۰۶ھ مین انتقال کیا۔ اِس لحاظ سے کم ازکم چھہ سو برس ہوئے کہ امام صاحب کی تصنیفات ناپید ہوچکین۔ امام صاحب کی تصنیفات کا ضائع ہوجانا اگرچہ کچھہ محل تعجب نہین۔ اُس عہد کی ہزارون کتابون مین سے آج ایک کا بھی وجود نہین۔ امام اوزاعی۔ ابن جریج۔ ابن عروبہ۔ حماد بن ابی سلیمان۔ معمر۔ سفیان کی تالیفات عین اُسی زمانہ مین شائع ہوئین۔ جب امام ابوحنیفہ۔ کا دفتر فقہ مرتب ہو رہا تھا تاہم ان کتابون کا نام بھی کوئی نہین جانتا۔ لیکن امام ابوحنیفہ کی تصنیفات کی گم شدگی کی ایک خاص وجہ ہے۔ امام صاحب کا مجموعہ فقہ اگرچہ بجائے خود مرتب اور خوش اسلوب تھا لیکن قاضی ابویوسف۔ و امام محمد نے اُنہین مسائل کو اِس توضیح و تفصیل سے لکھا۔ اور ہر مسئلہ پر استدلال و براہان کے ایسے حاشیے اضافہ کئے کہ اُنہین کو رواج عام ہوگیا اور اصل ماخذ سے لوگ بے پروا ہوگئے۔ ٹھیک اُسی طرح جس طرح کہ متاخرین نحویون کی تصنیفات کے بعد۔ فراء کسائی۔ خلیل۔ اخفش۔ ابوعبیدہ کی کتابین دنیا سے بالکل ناپید ہوگئین۔ حالانکہ یہ لوگ فن نحو کے بانی اور مدون اول تھے۔

امام صاحب کے زمانہ مین جو مجموعہ فقہ مرتب ہوا تھا وہ معدوم ہوگیا۔

امام صاحب کے مسائل کا آج جو ذخیرہ دنیا مین موجود ہے وہ امام محمد۔ اور قاضی

ابویوسف کی تالیفات ہین جنکے نام اور مختصر حالات اِن بزرگون کے ترجمہ مین ہم لکھین گے
یہ فقہ اگرچہ عام طور سے فقہ حنفی کہلاتی ہے۔ لیکن درحقیقت وہ چار شخصون۔ یعنے
امام ابوحنیفہ۔ زفر۔ قاضی ابویوسف۔ امام محمد۔ کی رایون کا مجموعہ ہے۔ قاضی ابویوسف
و امام محمد نے بہت سے مسائل ہین۔ امام ابوحنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ فقہاء
حنفیہ نے روایتین نقل کی ہین کہ ان صاحبون کو اعتراف تھا کہ "ہمنے جو اقوال امام ابوحنیفہ
کے مخالف لکھے وہ بھی امام ابوحنیفہ ہی کے اقوال ہین۔ کیونکہ بعض مسئلون مین امام ابوحنیفہ
نے متعدد اور مختلف رائین ظاہر کی تھین" یہ روایتین۔ شامی۔ وغیرہ مین مذکور ہین لیکن
انکا ثابت ہونا مشکل ہے۔ ہمارے نزدیک یہ آن فقہا کا حسن ظن ہے۔ قاضی ابویوسف
و امام محمد۔ اجتہاد مطلق کا منصب رکھتے تھے اور انکو اختلاف کا پورا حق حاصل تھا۔ اسلام
کی ترقیان اُسی وقت تک رہین کہ لوگ باوجود حسن عقیدت کے بزرگون اور استادونکی رائے
سے علانیہ مخالفت کرتے تھے۔ اور خیالات کی ترقی محدود نہ تھی۔

یہ مسائل جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہین نہایت تیزی سے تمام ملک مین پھیل گئے
عرب مین تو اُنکے مسائل کو چندان رواج نہ ہوا۔ کیونکہ مدینہ۔ مین امام مالک۔ اور مکہ مین اور
ائمہ اُنکے حریف مقابل موجود تھے۔ لیکن عرب کے سوا تمام ممالک اسلامی مین جنکی وسعت سندھ
سے ایشیائے کوچک تک تھی عموماً انہین کا طریقہ جاری ہو گیا۔ ہندوستان۔ سندھ۔ کابل
بخارا وغیرہ مین تو اُنکے اجتہاد کے سوا کسی کا اجتہاد تسلیم ہی نہین کیا جاتا۔ دوسرے ممالک
مین گو شافعی حنبلی فقہ کا رواج ہوا لیکن فقہ حنفی کو دبا نہین سکا البتہ بعض ملکون مین وہ
بالکل معدوم ہو گیا۔ اور اُسکے خاص اسباب تھے۔ مثلاً افریقہ مین ۴۰۰ھ تک امام ابوحنیفہ
کا طریقہ تمام اور طریقون پر غالب تھا۔ لیکن معز بن بادیس نے ۴۰۷ھ مین جب وہان کی

مستقل حکومت حاصل کی تو حکومت کے زور سے تمام ملک مین مالکی فقہ کو رواج دے دیا کہ آج تک قائم ہے۔[1]

ایک خاص بات یہ ہے کہ عنان حکومت جن لوگون کے ہاتھون مین رہی وہ اکثر حنفی ہی فقہ کے پابند تھے۔ خلفائے عباسیہ۔ تو اس بحث سے خارج ہین۔ کیونکہ یہ خاندان جب تک اوج پر رہا۔ یہ لوگ تلوار کے ساتھ قلم کے بھی مالک رہے یعنی انکو خود دعوی اجتہاد تھا۔ اور کبھی کسی کی تقلید نہیں کی تنزل کے بعد وہ اس قابل ہی نہین رہے کہ آنکے حالات سے کسی ملکی اثر کا اندازہ کیا جائے۔ تاہم آن مین اگر کسی نے تقلید گوارا کی تو ابو حنیفہ۔ ہی کی کی۔ عبد اللہ بن المعتز جو فن بدیع کا موجد تھا اور خلفائے عباسیہ۔ مین سب سے بڑا شاعر اور ادیب تھا حنفی المذہب تھا۔[2]

سلاطین اکثر حنفی تھے

عباسیہ کے تنزل کے ساتھ جن خاندان کو عروج ہوا اکثر حنفی تھے۔ خاندان سلجوق جسنے ایک وسیع مدت تک حکومت کی اور جسنے دائرہ حکومت کو وسعت دی طول مین کاشغر سے بیت المقدس تک اور عرض مین قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک پہنچی تھی۔ حنفی تھا۔ محمود غزنوی۔ جسکے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ فقہ حنفی کا بہت بڑا عالم تھا فن فقہ مین آسکی ایک نہایت عمدہ تصنیف موجود ہے جسکا نام۔ التفرید۔ ہے اور جسمین کم و بیش ساٹھہ ہزار مسئلے ہین نور الدین زنگی کا نام چھپا ہوا نہین ہے۔ وہ ہمارے ہیروز مین داخل ہے بیت المقدس کی لڑائیون مین اول آسی نے نام حاصل کیا۔ صلاح الدین فاتح بیت المقدس۔ آسی کے دربار کا ملازم تھا۔ دنیا مین پہلا دار الحدیث آسی نے قائم کیا اگرچہ وہ شافعی۔ و مالکی۔ فقہ۔ کی بھی عزت کرتا تھا۔ لیکن وہ خود اور آسکا تمام خاندان مذہبا

[1] تاریخ ابن خلکان ترجمہ معز بن بادیس ۱۲ [2] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عبد اللہ بن المعتز ۱۲

حنفی تھا۔ صلاح الدین۔ خود شافعی تھا۔ لیکن اُسکے خاندان مین بھی حنفی المذہب موجود تھے
الملک المعظم عیسےٰ بن الملک العادل جو ایک وسیع ملک کا بادشاہ تھا۔ علامہ ابن خلکان اُس کے
حالات مین لکھتے ہین کہ ”وہ نہایت عالی ہمت۔ فاضل۔ ہوشمند۔ دلیر۔ پر رعب تھا اور حنفی
مذہب مین غلو رکھتا تھا“ چراکسہ مصر جو نوین صدی کے آغاز مین مصر کی حکومت پر پہنچے (۱۳۹) ۱۴۹
برس تک فرمانروا رہے اور بہت سی فتوحات حاصل کین۔ خود حنفی تھے اور اُنکے دربار مین اسی
مذہب کو زیادہ فروغ تھا۔ سلاطین ترک جو کم و بیش چھ سو برس سے روم کے فرمانروا ہین
اور آج انہین کی سلطنت۔ اسلام کی عزت و وقار کی اُمیدگاہ ہے عموماً حنفی تھے۔ خود ہمارے
ہندوستان کے فرمانروا خاندان آل تیمور اسی مذہب کے پابند رہے اور اُنکی وسیع سلطنت
مین اس طریقہ کے سوا اور کسی طریقہ کو رواج نہ ہو سکا۔

بعضون کا خیال ہے کہ حنفی۔ مذہب کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ حکومت کے صدقہ سے
ہوا۔ ابن حزم۔ جو ارباب ظاہر کے مشہور امام ہین۔ اُنکا قول ہے کہ ”دو مذہبون نے سلطنت
کے زور سے ابتدا ہی مین رواج عام حاصل کیا۔ ایک ابو حنیفہ کا مذہب کیونکہ جب قاضی
ابو یوسف کو قاضی القضاۃ۔ کا منصب ملا تو انہون نے حنفی لوگون کو عہدہ قضا پر مقرر کیا
دوسرا امام مالک کا مذہب۔ اندلس مین۔ کیونکہ امام مالک کے شاگرد یحیی صمودی۔ خلیفہ
اندلس کے نہایت مقرب تھے اور کوئی شخص بے اُنکے مشورہ کے عہدہ قضا پر مقرر نہین
ہو سکتا تھا وہ صرف اپنے ہم مذہبون کو مقرر کراتے تھے[1]۔

لیکن یہ ابن حزم کی ظاہر بینی ہے۔ امام ابو حنیفہ۔ سنہ ۱۲۰ھ مین مسند اجتہاد پر بیٹھے
قاضی ابو یوسف۔ نے سنہ ۱۷۰ھ کے بعد قاضی القضاۃ۔ کا منصب حاصل کیا۔ کیونکہ اُن کے

حنفی فقہ کی حسن قبول کا سبب

[1] الجواہر المضیئہ ترجمہ نور الدین زنگی ۱۵۲؎ ابن حزم کے اس قول کو علامہ ابن خلکان نے یحیی صمودی کے ترجمہ مین نقل کیا ہے ۱۲

تقرر اور عروج کا زمانہ ہرون الرشید کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ جو ۱۷۰ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ قاضی ابو یوسف کے فروغ سے پہلے پچاس برس کا زمانہ گزر چکا تھا جسمین امام ابو حنیفہ کے مذہب نے قبول عام حاصل کر لیا تھا۔ اور انکے سیکڑون شاگرد قضا کے عہدو نپر مامور ہو چکے تھے۔ اس کامیابی کو کس کی طرف منسوب کیا جائے؟ یہ ضرور ہے کہ قاضی ابو یوسف کی وجہ سے امام صاحب کے مسائل کو اور زیادہ عروج ہوا۔ لیکن مذہب حنفی کا اصلی عروج۔ قاضی صاحب کی کوششون کا محتاج نہ تھا۔ امام رازی نے باوجود مخالفت کے تسلیم کیا ہے۔ کہ

ثم انه لما قوی مذهب اصحاب الرای واشتهر واعظم وقعته فی القلوب۔ ثم اتفق اتصال ابی یوسف ومحمد بخدمة هرون الرشید عظمت تلك القوة جدا لان العلم والسلطنة حصلا معا

یعنے وہ اصحاب الرائے کا مذہب قوی ہو گیا اور شہرت پکڑ گیا اور اسکی وقعت دلون مین بہت ہو گئی پھر اسکے بعد ابو یوسف و محمد کو ہرون الرشید کے دربار مین رسائی حاصل ہوئی تو یہ قوت بہت ہی زیادہ بڑھ گئی کیونکہ علم اور حکومت دونون مجتمع ہو گئے۔"

اسکے علاوہ قاضی ابو یوسف کا اثر ہرون رشید کے زمانہ تک محدود تھا۔ دیرپا اور غیر منقطع کامیابی کس نے پیدا کی؟ یون تو بعض اور ائمہ نے بھی اپنے عہد مین نہایت عروج حاصل کیا تھا۔ امام اوزاعی اپنی زندگی مین بلکہ زمانہ مابعد تک بھی تمام شام کے امام مطلق تسلیم کئے گئے اور ان ممالک مین لوگ عموماً انہین کی تقلید کرتے تھے۔ لیکن وہ ایک محدود اثر تھا جو بہت جلد جاتا رہا۔ ان واقعات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مذہب مین ایسی خاص خوبیان ہین جو اور مذہبون مین نہین۔

تمام ممالک اسلامی مین جن ائمہ کی فقہون نے رواج پایا وہ صرف چار ہین۔ ابو حنیفہ مالک۔ شافعی۔ احمد حنبل۔ مسائل فقہ کی ترویج و اشاعت کا سبب اگرچہ خود ان مسائل کی خوبی

اور مجتہدین کے رواج مذہب کے اسباب

وعمدگی ہے۔ لیکن کچھ شبہہ نہین کہ اس امر مین واضع فقہ کی ذاتی رسوخ۔ اور عظمت کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔ ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ کے سوا۔ اور مجتہدین فقہ کی ترویج واشاعت کا باعث زیادہ تر انکی ذاتی خصوصیتین تھین مثلاً امام مالک۔ مدینہ کے رہنے والے تھے جو نبوت کا مرکز اور خلفائے راشدین کا دارالخلافہ رہ چکا تھا۔ اس تعلق سے لوگون کو عموماً مدینہ اور ارباب مدینہ کے ساتھ خلوص وعقیدت تھی۔ اُنکا خاندان ایک علمی خاندان تھا۔ اُنکے دادا۔ مالک بن ابی عامر نے بڑے بڑے صحابہ سے حدیثین سیکھی تھین۔ اُنکے چچا شیخ الحدیث تھے۔ امام مالک نے جب حدیث وفقہ مین کمال پیدا کیا تو یہ عارضی اوصاف اُن کی ذاتی قابلیت پر طرہ بنکر نمایان ہوئے۔ اور تمام اطراف ودیار مین اُنکی شہرت کا سکہ جم گیا۔

امام شافعی کو اور بھی زیادہ خصوصیتین حاصل تھین۔ مکہ معظمہ وطن تھا۔ باپ کی طرف سے قریشی اور مطلبی اور مان کی طرف سے۔ ہاشمی تھے۔ اُن کا تمام خاندان ہمیشہ سے معزز وممتاز چلا آتا تھا۔ اُنکے پردادا۔ سایب۔ جنگ بدر مین ہاشمیون کے علم بردار تھے اور گرفتار ہوکر اسلام لائے تھے۔ مکہ معظمہ کی ولادت۔ خاندان کا اعزاز۔ رسول اللہ کے ہم نسبی۔ ایسی چیزین تھین جن سے بڑھکر حسن قبول اور مرجعیت کے لئے کوئی کارگر آلہ نہین ہوسکتا تھا۔

امام ابوحنیفہ مین اس قسم کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ قریشی اور ہاشمی ہونا تو ایک طرف وہ عربی النسل بھی نہ تھے۔ خاندان مین کوئی شخص ایسا نہین گزرا تھا جو اسلامی گروہ کا مرجع اور مقتدا ہوتا۔ آبائی پیشہ تجارت تھا اور خود بھی تمام عمر اسی ذریعہ سے زندگی بسر کی کوفہ۔ جو اُن کا مقام ولادت تھا گو دارالعلم تھا۔ لیکن مکہ معظمہ۔ اور مدینہ منورہ کا ہمسر کیونکر ہوسکتا تھا۔ بعض اتفاقی اور ناگزیر اسباب سے ارباب روایت کا ایک گروہ اُن کی مخالفت پر کمربستہ تھا۔ غرض حسن قبول اور عام اثر کے لئے جو اسباب درکار ہین وہ بالکل نہ تھے باوجود اس کے اُن کی

فقہ کا تمام ممالک اسلامیہ مین اس وسعت اور ترقی کے ساتھ رواج پانا یقیناً اس بات کی دلیل ہے کہ انکا طریقہ فقہ انسانی ضرورتون کے نہایت مناسب اور موزون واقع ہوا تھا اور بالخصوص تمدن کے ساتھ جس قدر انکی فقہ کو مناسبت تھی کسی کی فقہ کو نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اور ائمہ کے مذہب کو زیادہ تر انھین ملکون مین رواج ہوا جہان تہذیب و تمدن نے زیادہ ترقی نہین کی تھی۔ علامہ ابن خلدون۔ اس بات کی وجہ بتاتے ہین کہ مغرب و اندلس۔ مین امام مالک کا مذہب کیون زیادہ رائج ہوا۔؟ وہ لکھتے ہین کہ وہ مغرب و اندلس مین بدویت غالب تھی۔ اور وہان کے لوگون نے وہ ترقی نہین حاصل کی تھی جو اہل عراق نے کی تھی یہی وجہ ہے کہ ان ممالک مین امام مالک کی فقہ کے سوا اور کسی فقہ کو فروغ نہ ہو سکا۔

حنفی فقہ جسمین امام ابو حنیفہ کے علاوہ انکے نامور شاگردون کے مسائل بھی شامل ہین اس زمانہ کا بہت بڑا قانون بلکہ بہت بڑا مجموعہ قوانین تھا۔ زمانہ مابعد مین۔ گو علمائے حنفیہ نے اسپر بہت کچھ اضافہ کیا۔ اور جزئیات کی تفریع کے ساتھ اصول فن کو نہایت ترقی دی لیکن ایجاد کے زمانہ مین جس قدر کسی فن کی حالت ہوسکتی ہے۔ وہ اس سے زیادہ نہین ہوسکتی جو امام ابو حنیفہ کے عہد مین فقہ کو حاصل ہوچکی تھی۔ اس مجموعہ مین عبادات کے علاوہ دیوانی فوجداری۔ تعزیرات۔ لگان۔ مالگذاری۔ شہادت۔ معاہدہ۔ وراثت۔ وصیت۔ اور بہت سے قوانین شامل تھے۔ اسکی وسعت اور خوبی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہرون الرشید اعظم کی وسیع سلطنت جو سندھ سے ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی۔ انہین اصول پر قائم تھی۔ اور اس عہد کے تمام واقعات و معاملات انہین قواعد کی بنا پر فیصل ہوتے تھے۔

مسائل فقہ کی تقسیم

یہ قانون جسکو فقہ کہتے ہین دو قسم کے مسائل پر مشتمل ہے اور اس لحاظ سے اس کے

واضع کی دو مختلف حیثیتیں ہیں۔

(۱) وہ مسائل جو شریعت سے ماخوذ ہیں۔ اور تشریعی احکام کیے جا سکتے ہیں۔

(۲) وہ احکام جن سے شریعت نے سکوت کیا ہے اور جو تمدن اور معاشرت کی ضرورتوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ یا جنکا ذکر شریعت میں ہے لیکن تشریعی طور پر نہیں۔

پہلی قسم کے مسائل کے لحاظ سے فقیہ کی حیثیت شارح اور مفسر کی حیثیت ہے۔ اور اس اعتبار سے اسکے لیے جس قسم کی قابلیت درکار ہے وہ مہارت زبان۔ واقفیت نصوص قوت استنباط۔ توفیق متعارضات۔ ترجیح دلائل ہے۔ دوسری قسم کے احکام کے لحاظ سے واضع فقہ ایک مقنن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس لحاظ سے اسکی قابلیت اس رتبہ کی ہونی چاہیئے۔ جیسی کہ دنیا کے اور مشہور مقننوں کی تھی۔ یہ دونوں حیثیتیں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ اسلام میں بہت سے نامور گزرے ہیں جو قرآن و حدیث کے عمدہ مفسر یا شارح تھے۔ لیکن مقننانہ قابلیت سے معرا تھے۔ اسی طرح ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو مقنن اور واضع قانون تھے۔ لیکن نصوص شرعی کے مفسر نہیں کہے جا سکتے تھے۔ جہانتک ہماری واقفیت ہے اسلام کے اس وسیع دور میں قدرت نے یہ دونوں قابلیتیں جس اعلیٰ درجہ پر امام ابو حنیفہ میں جمع کردی تھیں۔ کسی مجتہد یا امام میں مجتمع نہیں ہوئیں۔

علم فقہ کے متعلق سب سے بڑا کام جو امام صاحب نے کیا وہ تشریعی اور غیر تشریعی احکام میں امتیاز قائم کرنا تھا۔

تشریعی اور غیر تشریعی احادیث کا فرق۔

شارع علیہ السلام کے اقوال و افعال جو سلسلۂ روایت سے منضبط کیے گئے ان میں بہت سے ایسے امور تھے جنکو منصب رسالت سے کچھ تعلق نہ تھا۔ لیکن بطور ایک اصطلاح کے ان سب پر حدیث کا لفظ اطلاق کیا جاتا تھا۔ فقہ کی توضیع میں ایک عام اور سخت غلطی

یہ ہوئی کہ لوگون نے اِن تمام امور کو شرعی حیثیت پر محمول کیا اور اِس خیال سے اُن پر مسائل اوراحکام کی بنیاد قائم کی۔ حالانکہ وہ حدیثین منصب شریعت سے علاقہ نہین رکھتی تھین شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہین[1] کہ آنحضرتؐ سے جو کچھ روایت کیا گیا ہے اور کتب حدیث مین اُسکی تدوین ہوئی اُسکی دو قسمین ہین۔

(۱) جو تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے اور اسی بارہ مین یہ آیت اتری ہے۔ مَا آتَاکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۔ یعنی پیغمبر جو چیز تمکو دے اُسکو اختیار کرو اور جس چیز سے روکے اُس سے باز آؤ۔

(۲) جو تبلیغ رسالت سے متعلق نہین چنانچہ اُنکی نسبت آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیء من رای فانما انا بشر یعنی مین ایک آدمی ہون جب مین کوئی مذہبی حکم دون تو تم لوگ اُسکے پابند ہو اور جب مین اپنی رائے سے کسی بات کا حکم دون تو مین صرف ایک آدمی ہون۔ اِس دوسری قسم مین وہ حدیثین ہین جو آنحضرتؐ نے طب کے متعلق ارشاد کین۔ اور اسی قسم مین وہ افعال داخل ہین جو آنحضرتؐ سے عادۃً صادر ہوئے نہ عبادۃً۔ اور اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً اور اسی قسم مین وہ حدیثین داخل ہین جو آنحضرتؐ نے اپنی قوم کے گمان کے موافق بیان کین مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث۔ اور اسی قسم مین وہ امور داخل ہین جو آنحضرتؐ نے اُس وقت مصلحت جزئی کے موافق اختیار فرمائے اور وہ سب لوگون پر واجب العمل نہین ہین مثلاً فوجون کی تیاری اور شعار کی تعیین۔ اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ اب رمل کرنے کی کیا ضرورت ہے جس قوم کے دکھانے کے لئے ہم رمل کرتے تھے اُن کو خدا نے ہلاک کردیا۔ اور آنحضرتؐ کے بہت سے احکام اسی قسم مین داخل ہین۔ مثلاً یہ حکم کہ جہاد مین

[1] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ بریلی صفحہ ۱۳۳ و ۱۳۴

جو شخص کسی کافر کو قتل کرے تو اُسکے ہتھیار کا مالک بھی وہی ہوگا"

شاہ ولی اللہ صاحب نے حدیث کی قسموں مین جو دقیق فرق بیان کیا۔ یہ وہی نکتہ ہے جسکی طرف سب سے پہلے امام ابو حنیفہ کا ذہن منتقل ہوا۔ اسی بنا پر بہت سے مسائل مثلاً غسل جمعہ خروج النساء الی العیدین۔ نفاذ طلاق تعین جزیہ۔ تشخیص خراج۔ تقسیم غنایم وغیرہ مین جو حدیثین وارد ہین اُن کو امام ابو حنیفہ نے دوسری قسم مین داخل کیا ہے لیکن امام شافعی وغیرہ ان حدیثون کو بھی تشریعی حدیثین سمجھتے ہین۔

حنفی فقہ کو بمقابلہ اور فقہون کے بہت بڑی خصوصیت جو حاصل ہے وہ یہی ہے کہ اُسکے مسائل عموماً اسی قاعدہ پر مبنی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُس مین وہ وسعت اور آزادی پائی جاتی ہے جو اور ائمہ کے مسائل مین نہین پائی جاتی۔ یہ قاعدہ اگرچہ نہایت صاف اور صریح ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اور ائمہ نے اسپر لحاظ نہین کیا۔ اور اگر خلفاے راشدین کی نظیرین موجود نہ ہوتین تو شاید امام ابو حنیفہ کو بھی اُسکے اختیار کرنے کی جراُت نہ ہوتی اگرچہ امام صاحب کے بعد بھی بعض ائمہ نے جنکو اُنکے مقابلہ مین اجتہاد کا دعوی تھا اِس عمدہ اصول کی پیروی نہ کی اور اُسی غلط خیال پر قائم رہے۔ لیکن اِس مین کون شبہ کر سکتا ہے کہ امام صاحب کی رائے نہایت صحیح اور نہایت دقیقہ سنجی پر مبنی تھی۔

خلفاے راشدین سے بڑھکر کون احکام شریعت کا نکتہ شناس ہو سکتا ہو اُنھون نے کیا کیا؟ حضرت عمر کے آغاز خلافت تک امہات اولاد یعنی وہ لونڈیان جنسے اولاد ہو چکی ہو عموماً خریدی اور بیچی جاتی تھین۔ حضرت عمر نے اِس رواج کو بالکل روک دیا آنحضرت نے تبوک کے سفر مین۔ غیر مذہب والون پر جو جزیہ مقرر کیا وہ فی کس ایک دینار تھا۔ حضرت عمر نے ایران مین ۴۸ و ۲۴ و ۱۲ کے حساب سے شرحین مقرر کین۔ آنحضرت

جو مسائل تشریعی مسائل نہین ہین

مال غنیمت جب تقسیم کرتے تھے تو اپنے عزیز و اقارب کا بھی حصہ لگاتے تھے۔ خلفائے راشدین میں سے کسی نے حتیٰ کہ حضرت علیؓ نے بھی ہاشمیون کو کبھی حصہ نہین دیا۔ آنحضرت کے زمانہ مین بلکہ حضرت ابو بکر کے عہد تک تین طلاقین ایک سمجھی جاتی تھین۔ حضرت عمر نے اپنے زمان خلافت مین منادی کرادی کہ تین طلاق طلاق بائن سمجھی جائیگی۔ آنحضرت کے عہد مین شراب پینے کی سزا مین کوئی خاص حد نہین مقرر ہوئی تھی۔ حضرت ابو بکر نے اسکی حد چالیس درّے قرار دئے۔ اور حضرت عمر نے بسبب اس کے کہ انکے زمانہ مین مے نوشی کا زیادہ رواج ہوچلا تھا چالیس سے اسّی درّے کردئے۔ یہ وہ واقعات ہین جو حدیث کی کتابون مین مذکور ہین۔ اور جنکے ثبوت سے کوئی شخص انکار نہین کرسکتا۔ لیکن کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ خلفائے راشدین کسی حکم کو آنحضرت کا تشریعی حکم سمجھکر اس کی مخالفت کرتے تھے!!! اگر (نعوذ باللہ) اگر ایسا کرتے تھے تو وہ خلفائے راشدین نہ تھے۔ بلکہ (عیاذاً باللہ) رسول اللہ کے حریف اور مقابل تھے!!!

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ جو رات دن آنحضرت کی خدمت مین حاضر رہتے تھے اور فیض صحبت کی وجہ سے شریعت کے اداشناس ہوگئے تھے۔ انکو یہ تمیز کرنا نہایت آسان کام تھا کہ کون سے احکام تشریعی حیثیت رکھتے ہین اور کون سے اس حد مین داخل ہین جنکی نسبت آنحضرت نے فرمایا تھا کہ انتم اعلم با مور دنیاکم۔ حضرت عائشہ نے آنحضرت کی وفات کے بعد ایک موقع پر کہا کہ رواج اگر رسول اللہ موجود ہوتے تو عورتون کو مسجد مین جانے کی اجازت نہ دیتے۔ یہ صریح اسبات کی شہادت ہے کہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ کی اس اجازت کو تشریعی اور لازمی حکم نہین قرار دیا اور نہ زمانہ اور حالات کے اختلاف سے اسپر کوئی اثر پڑسکتا تھا۔

امام ابو حنیفہ نے اس مرحلہ مین صحابہ ہی کو دلیل راہ بنایا۔ اور اس قسم کے مسائل مین ان کی رائے عموماً خلفائے راشدین کے طرز عمل کے موافق ہے لیکن جن لوگون کی نگاہ اس

نکتہ تک نہین پہنچے وہ امام ابوحنیفہ بلکہ صحابہ کو بھی مورد الزام ٹھہراتے ہین - طلاق کے مسئلہ مین قاضی شوکانی نے حضرت عمر کا قول نقل کرکے لکھا ہے کہ "رسول اللہ کے مقابلہ مین بیچارے عمر کی کیا حقیقت ہے" لیکن قاضی شوکانی یہ نہ سمجھے کہ حضرت عمر - قاضی صاحب سے زیادہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ رسول اللہ کے مقابلہ مین انکی کوئی حقیقت نہین -

فقہ کی پہلی قسم کے متعلق - امام ابوحنیفہ نے جو بڑا کام کیا وہ قواعد استنباط کا انضباط تھا جسکی وجہ سے فقہ (جو ابتک جزئیات مسائل کا نام تھا) ایک مستقل فن بنگیا - امام ابوحنیفہ کی علمی تاریخ مین جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر اور تعجب انگیز ہے وہ ان قواعد کی تحدید اور انضباط ہے - ایسے زمانہ مین جبکہ علوم نہایت ابتدائی حالت مین تھے یہان تک کہ نقل و کتابت کا بھی رواج نہ تھا ایسے دقیق فن کی بنیاد ڈالنی درحقیقت امام ابوحنیفہ ہی کا کام تھا -

عام خیال یہ ہے کہ یہ قواعد جنکو اب اصول فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے سب سے پہلے امام شافعی نے مرتب کیے یہ دعویٰ اس لحاظ سے توصحیح ہے کہ امام شافعی سے پہلے یہ مسائل مستقل طور سے حیز تحریر مین نہین آئے تھے - لیکن اصل فن کی بنیاد - امام شافعی سے بہت پہلے پڑچکی تھی - اور اگر تحریر کی قید اٹھادی جائے تو امام ابوحنیفہ اسکے موجد کہے جاسکتے ہین -

اصل یہ ہے کہ مسائل کا استنباط اور استخراج کا جو طریقہ تھا وہ کوئی علمی صورت نہین رکھتا تھا جس طرح عام لوگ کسی عبارت سے کسی نتیجہ کا استنباط یا کسی حکم کی تفریع صرف وجدانی مذاق کی روسے کرتے ہین اور نہین جانتے کہ انکا استنباط یا تفریع کس قاعدہ کلیہ کے تحت مین داخل ہے اور اسکے کیا شرائط اور قیود ہین - اسی طرح فقہی مسائل بھی استنباط کیے جاتے تھے نہ علمی اصطلاحین قائم ہوئی تھین نہ کچھ اصول منضبط ہوئے تھے -

بنوامیہ کے اخیر دور مین کچھ کچھ علمی اصطلاحین پیدا ہوئین - چنانچہ واصل بن عطا نے

جو علم کلام کا موجد تھا احکام شرعیہ کی تقسیم کی اور کہا کہ حق کے ثبوت کے چار طریقے ہیں۔ قرآن ناطق۔ حدیث متفق علیہ۔ اجماع امت۔ عقل وحجت (یعنی قیاس) واصل نے اور بھی چند مسائل اور اصطلاحیں قائم کیں مثلاً یہ کہ "عموم وخصوص دو جداگانہ مفہوم ہیں"۔ نسخ صرف اوامر و نواہی میں ہو سکتا ہے۔ اخبار و واقعات میں نسخ کا احتمال نہیں[1]"۔

ان مسائل کے لحاظ سے اصول فقہ میں اولیت کا فخر واصل کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے لیکن یہ اسی قسم کی اولیت ہوگی جس طرح نحو کے دو تین قاعدوں کے بیان کرنے سے کہا جاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام فن نحو کے موجد ہیں۔ بہرحال امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک جو کچھ ہوا تھا اس سے زیادہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن چونکہ امام صاحب نے فقہ کو مجتہدانہ اور مستقل فن کی حیثیت سے ترتیب دینا چاہا اس لئے استنباط اور تخرج مسائل کے اصول قرار دینے پڑے اگرچہ زمانہ مابعد میں اصول فقہ ایک نہایت وسیع فن بن گیا اور سیکڑوں مسائل ایسے ایجاد ہو گئے جنکا امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں اثر بھی نہ تھا۔ لیکن کچھ شبہہ نہیں کہ اس فن کے مہمات مسائل جس فن کی بنیاد قائم ہے امام صاحب ہی کے زمانہ میں منضبط ہو چکے تھے۔ اصول اربعہ کی توضیح حدیث کے مراتب اور انکے احکام۔ جرح وتعدیل کے اصول۔ اجماع کے حدود و ضوابط۔ قیاس کے اقسام و شرائط۔ احکام کی انواع۔ عموم وخصوص کی تحدید۔ رفع تعارض کے قواعد۔ فہم مراد طرق۔ یہ مسایل ہیں جو اصول فقہ کے ارکان ہیں۔ ان تمام مسائل کے متعلق امام صاحب نے ضروری اصول و قواعد منضبط کر دیے تھے۔

حدیث کے متعلق امام صاحب نے جو اصول قرار دیے انکو ہم حدیث کی بحث میں لکھ آئے ہیں انکے علاوہ۔ اور ابواب کے متعلق امام صاحب نے تمام ضروری اصول منضبط کر دیے تھے مثلاً

[1] ان مسائل کو ابوہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں واصل بن عطا کی طرف منسوب کیا ہے۔ ۱۲

ما لم یثبت بالتسامع لیس بقرآن الزیادۃ نسخ ۔ لا یجوز الزیادۃ علی الکتاب بخبر الواحد ۔ حمل المطلق علی المقید زیادۃ علی النص ۔ عموم القرآن لا یتخصص بالاحاد العام قطعی کالخاص الخاص ان کان متاخرا خصص العام وان کان متقدما فلا بل کان العام ناسخا للخاص وان جهل التاریخ تساقطا ویطلب دلیل اخر ۔ مفہوم الصفۃ لا یحتج بہ ۔ النہی لا تدل علی البطلان

امام صاحب کے یہ اقوال اُنکے شاگردون کی تصنیفات یا اصول کی کتابون مین جو شافعیہ وحنفیہ وغیرہ نے لکھے ہین جستہ جستہ مذکور ہین جنکو اگر یکجا جمع کر دیا جائے تو ایک مختصر رسالہ تیار ہو سکتا ہے[1] یہی اصول ہین جنکی بنا پر کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ ۔ ایک خاص طریقۂ اجتہاد کے بانی ہین ۔ انہین اصول کے اتحاد کی بنا پر ۔ امام محمد و قاضی ابو یوسف کا طریقہ ۔ امام صاحب کے طریقہ سے الگ نہین سمجھا جاتا حالانکہ جزئیات مسائل مین ان لوگون نے سیکڑون ہزارون جگہہ اُن سے اختلاف کیا ہے ۔

ان اصول مسائل پر بوجہ اسکے کہ امام شافعی وغیرہ نے اُن سے مخالفت کی ہے نہایت وسیع اور دقیق بحثین قائم ہو گئین ہین ۔ افسوس ہے کہ ہماری مختصر تالیف مین اُنکی گنجائش نہین اصول کی کتابون مین یہ مباحث نہایت تفصیل سے مذکور ہین ۔ جس شخص کا جی چاہے اون کتابون کی طرف رجوع کر سکتا ہے ۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھہ آئے ہین فقہ کے اس حصّہ مین امام صاحب کی حیثیت ایک مفاد و مستنبط کی حیثیت ہے اور کچھہ شبہہ نہین کہ اسباب مین امام صاحب نے جو کام کیا وہ نہ

[1] لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اصول فقہ کی کتابون مین جو بہت سے اصول مذکور ہین اُن سب کی نسبت یہ دعوی نہین کیا جا سکتا کہ وہ امام ابوحنیفہ کے اقوال ہین ۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ البالغہ مین اسپر ایک نہایت عمدہ تقریر لکھی ہے لیکن شاہ صاحب نے بعض اون اقوال سے بھی انکار کیا ہے جو بروایت صحیح امام صاحب سے ثابت ہین ۱۲ ۔

صرف تاریخ اسلام مین بلکہ کل دنیا کی تاریخ مین بے نظیر ہے - دنیا مین اور بھی قومین ہین
جنکے پاس آسمانی کتابین ہین - اور وہ لوگ اُن کتابون سے اخذ احکام کرتے ہین لیکن کوئی
قوم یہ دعوی نہین کرسکتی کہ اُسنے استنباطِ مسائل کے اصول اور قواعد منضبط کئے اور
اوسکو ایک مستقل فن کے رتبہ تک پہنچا دیا -

فقہ کا دوسرا حصہ

فقہ کا دوسرا حصہ جو صرف قانون کی حیثیت رکھتا ہے - پہلے حصہ کی نسبت بہت
زیادہ وسیع ہے اور یہ وہ خاص حصہ ہے جسمین امام ابو حنیفہ - علانیہ تمام مجتہدین سے ممتاز
ہین بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر اسلام مین کوئی شخص واضع قانون گزرا ہے تو وہ صرف امام ابو حنیفہ
ہین مسلمانون مین توضیع قانون کا کام ہمیشہ ان لوگونکے ہاتھ مین رہا جو مذہبی پیشوا تھے اور
زہد و اتقا مین نہایت غلو رکھتے تھے - مذہبی لوگو نمین جو اوصاف نہایت قابل قدر سمجھے جاتے ہین
وہ یہ ہین - دنیاوی امور سے علیحدگی - کم آمیزی - معاملات مین سختی - عام واقعات سے بیخبری
غیر مذہب والون سے تنفر - یہ تمام اوصاف وہ ہین جو تمدن کے مخالف ہین اور جس شخص مین
یہ اوصاف اعتدال سے بڑھکر ہون اور فطرتی ہون وہ مشکل سے تمدن کی ضروریات کا اندازہ
دان ہوسکتا ہی - تقدس و پاکیزہ نفسی کے لحاظ سے ان لوگونکی جسقدر عظمت کی جائے کم ہے
لیکن دنیا اور دنیا والون کا کام اُن سے نہین چل سکتا - حضرت جنید بغدادی - معروف
کرخی - شیخ شبلی - داؤد طائی - کی عظمت و شان سے کس کو انکار ہو سکتا ہے لیکن یہ
ظاہر ہے کہ یہ لوگ واضع قانون نہین ہو سکتے تھے +

مجتہدین جنھون نے فقہ کے نام سے ملکی اور شخصی قانون بنائے - اگرچہ رہبانیت کی
حد سے دور تھے - تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ تمدن کی اُن تمام وسیع تعلقات پر اُن کی نگاہ پڑسکتی
تھی - جنسے اُنکو عمر بھر کبھی سروکار نہین رہا - یہی وجہ ہے کہ اُنکے قوانین مین بعض جگہ ایسی

سختی اور تنگی پائی جاتی ہے جس پر مشکل سے عمل درآمد ہو سکتا ہے۔ امام شافعی وغیرہ کا مذہب ہے
کہ نکاح میں بجز ثقات کے کوئی شخص گواہ نہیں ہو سکتا۔ ہمسایہ کو حق شفعہ نہیں پہنچتا۔ بیع
بالمعاطاۃ جائز نہیں۔ ذمیوں کی شہادت کسی حال میں مقبول نہیں۔ ایک مسلمان
سیکڑوں ذمیوں کو بے قصور قتل کر ڈالے تاہم وہ قصاص میں پکڑا نہیں جا سکتا۔ ان
مسائل سے دنیا کا کام کیونکر چل سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ۔ اس وصف میں اپنے تمام ہمعصروں سے ممتاز تھے کہ مذہبی تقدس
کے ساتھ دنیاوی اغراض کے اندازہ شناس تھے۔ اور تمدن کی ضرورتوں کو اچھی طرح
سمجھتے تھے۔ مرجعیت اور فصل قضایا کی وجہ سے ہزاروں پیچیدہ معاملات ان کی نگاہ سے
گذر چکے تھے۔ ان کی مجلس افتا بہت بڑی عدالت العالیہ تھی جس نے لاکھوں مقدمات
کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ملکی حیثیت رکھتی تھی اور ارکان سلطنت مہمات امور میں ان سے مشورہ
لیتے تھے۔ انکے شاگرد اور ہمنشین جنکی تعداد سیکڑوں سے زیادہ تھی عموماً وہ لوگ تھے جو
منصب قضا پر مامور تھے ان باتوں کے ساتھ خود انکی طبیعت مقننانہ اور معاملہ سنج
واقع ہوئی تھی۔ وہ ہر بات کو قانونی حیثیت سے دیکھتے تھے۔ اور اسکے دقیق نکتوں تک
پہنچتے تھے۔ اس بات کا اندازہ واقعہ ذیل سے ہو سکتا ہے جس کا ذکر اکثر مورخین نے
کیا ہے۔

ایک دن امام صاحب قاضی ابن ابی لیلی سے ملنے گئے۔ اسوقت ان کے سامنے
ایک مقدمہ پیش تھا۔ مدعی کا بیان تھا کہ فلاں شخص نے میری ماں کو زانیہ کہا ہے اسلیے میں
ازالہ حیثیت کا دعویدار ہوں۔ قاضی صاحب نے مدعا علیہ کی طرف جو اس موقع پر موجود تھا
خطاب کیا کہ تم کیا جواب دیتے ہو۔ امام ابوحنیفہ نے قاضی صاحب سے کہا کہ ابھی مقدمہ

قائم نہیں ہوا۔ مدعی کا اظہار لینا چاہیئے کہ اسکی ماں زندہ ہے یا نہیں۔ کیونکہ اسکو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیئے۔ یا اگر اسنے اسکی معرفت مقدمہ دائر کیا ہے تو اسکو مختارنامہ پیش کرنا چاہیئے قاضی صاحب نے مدعی کا اظہار لیا۔ معلوم ہوا کہ اسکی ماں مرچکی ہے۔ اسپر قاضی صاحب نے مقدمہ آگے چلانا چاہا۔ امام صاحب نے کہا۔ مدعی سے پوچھنا چاہیئے کہ اسکے بھائی بہن ہیں یا نہیں کیونکہ اگر اور دعویدار موجود ہیں تو انکو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیئے۔ اسی طرح امام صاحب نے اور چند سوالات کیئے۔ جب وہ مراتب طے ہوچکے تو فرمایا کہ اب مقدمہ قائم ہوا اور آپ مدعا علیہ کا اظہار لیجیئے۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے جس طریقہ سے مقدمہ کی کارروائی شروع کی تھی وہ اس حیثیت سے بڑھکر نہ تھا۔ جس طرح عوام آپس میں فصل خصومات کیا کرتے ہیں لیکن امام صاحب باقاعدہ فیصلہ چاہتے تھے۔ جس کا ضروری اصول یہ ہے کہ ایک حق سے جتنے لوگ دعوے دار ہوسکتے ہیں ان سب کو مقدمہ میں شریک ہونا چاہیئے۔ تاکہ عدالت کو ایک ہی حق کے فیصلہ کرنے میں بار بار زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

امام صاحب نے فقہ کے اس دوسرے حصہ کی جس طرح تدوین کی اور جس ضبط و ربط سے اسکی جزئیات کا استقصا کیا وہ اس زمانہ کا نہایت وسیع قانون تھا۔ اگرچہ اسکی تعبیر ایک عام لفظ (فقہ) سے کیجاتی ہے۔ لیکن درحقیقت اس میں بہت سے قوانین شامل تھے چنانچہ آج تعلیم یافتہ دنیا میں ان ہی ابواب کے مسائل جو ترتیب دیئے گئے ہیں، وہ جدا جدا قانون کے نام سے موسوم ہیں۔ مثلاً قانون معاہدہ۔ قانون بیع۔ قانون لگان و مالگذاری۔ تعزیرات ضابطہ فوجداری وغیرہ وغیرہ +

اسی بنا پر بعض یورپین مصنفون کا خیال[1] ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فقہ کی تدوین مین رومن لا یعنے رومیون کے قانون سے بہت کچھ مدد لی اور اسکے بہت سے مسائل اپنی فقہ مین داخل کر لیئے۔ اس خیال کی تائید مین یہ قرائن پیش کیئے جاتے ہین۔

(۱) حنفی فقہ کے بہت سے مسایل رومن لا کے مطابق ہین۔

(۲) رومن لا تمام ممالک شام مین جاری تھا اور چونکہ مسلمانون پر شام کی معاشرت و تمدن کا بہت کچھ اثر پڑا تھا اس لیئے قیاس غالب یہ ہے کہ علمائے اسلام نے قانونی مسائل مین بھی اُن سے استفادہ کیا۔

(۳) اس قدر متعدد اور وسیع قوانین۔ جو فقہ مین شامل ہین اون کی توضیح بغیر اسکے نہین ہو سکتی کہ دنیا کے اور قوانین سے مدد لی گئی ہو۔

[1] ہمنے اس خیال کو شہرت عام کی بنا پر لکھا تھا لیکن تالیف کتاب کے بعد ہمکو معلوم ہوا کہ مسٹر شیلڈون ایموز Sheldon Amos نے جو آجکل لندن یونیورسٹی کے لا پروفیسر ہین اپنی کتاب رومن سول لا Roman civil law مین اس دعوے کو بڑی شد و مد سے ثابت کرنا چاہا ہے اور اسپر ایک مفصل بحث کی ہے۔ یورپ کو جو برتری آج تمام قومون اور بالخصوص مسلمانون پر حاصل ہے اُسنے یورپین مصنفون کے دل مین بالطبع یہ بات پیدا کر دی ہے کہ وہ مسلمانون کے تمام گزشتہ کارنامون کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھین اور اگر کوئی کمال ایسا بدیہی اور نمایان ہو جس سے کسی طرح انکار نہ ہو سکے تو یہ دعوے کرین کہ وہ مسلمانون کی ایجاد نہین ہے بلکہ روم و یونان و مصر وغیرہ سے ماخوذ ہے یہی اثر ہے جسنے مسٹر شیلڈون ایموز کو اس بحث پر مجبور کیا۔ انھون نے اپنے دعوے کو فقہ حنفی تک محدود نہین رکھا بلکہ عام قانون اسلام کی نسبت اُنکا یہ دعوی ہے ہم اُنکے مضمون کو قریباً اُنکے الفاظ مین نقل کرتے ہین اور دیکھنا چاہتے ہین کہ وہ اپنے دعوے مین کہان تک کامیاب ہوئے ہین۔

[2] دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۴۰۶ تا صفحہ ۴۱۵ - ۱۲ -

کیا فقہ حنفی رومن لا سے ماخوذ ہے؟

اس بحث کا اصلی تصفیہ تو جب ہو سکتا ہے کہ رومن لا اور حنفی فقہ کا نہایت دقت نظر اور استقصار کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ جسقدر دونون قانون مین تطابق ہے وہ توارد کی حد سے متجاوز ہے یا اسی قدر ہے جتنا کہ عموماً تمام قومون کے قوانین بہت سی باتون مین موافق ہوا کرتے ہین۔ مین اولاً تو رومن لا سے واقف نہین اور ہوتا بھی تو اتنی فرصت کہان نصیب کہ تمام مسائل کا مقابلہ کر سکتا۔ اس لئے مجھکو اعتراف کرنا چاہیئے کہ اس موقع پر جو کچھ مین لکھون گا اسکا رتبہ قیاس اور ظن سے زیادہ نہین لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جن لوگون نے اس بحث کو چھیڑا ہے وہ بھی قیاس وظن ہی سے کام لیتے ہین۔ کیونکہ باوجود تحقیق کے ہمکو کوئی ایسا مصنف نہین ملا جسکا یہ دعویٰ ہو کہ وہ رومن لا اور حنفی فقہ کے تمام یا اکثر مسائل کا مقابلہ کر چکا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۹ وہ اپنے مضمونکو اس تمہید سے شروع کرتے ہیں "مشرق مین دفعۃً ایک بالکل جدید وطبع زاد قائم بالذات سلسلہ قانون کا پیدا ہونا جسکی نسبت دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ قرآن وحدیث پر مبنی ہے۔ ایک ایسی عجیب بات ہے کہ خواہ مخواہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی کی نسبت جو دعویٰ کیا جاتا ہے اسکی تاریخی بنیاد کیا ہے۔ علاوہ دوسری شہادتون کے مورخانہ قیاس اس دعوے کے سخت مخالف ہے۔"

اسکے بعد پروفیسر موصوف اس کلیہ پر بحث کر کے کہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ ہر سلسلہ قانونی کو کسی واقعی یا فرضی واضع قانون کے نام سے موسوم کر دیا کرتے ہین۔ فرماتے ہین کہ "اس لحاظ سے ابتدا ہی مین ایک قوی قیاس پیدا ہوتا ہے کہ جو باترتیب اور مضبوط سلسلہ قانون مسلمان فاتحون نے تمام ممالک مفتوحہ مین جاری کیا وہ بہ تبدیل ہیئت کوئی اعلےٰ درجہ کا مکمل رواج یافتہ سلسلہ قانون تھا۔"

اس امر سے تو انکار نہین ہو سکتا کہ فقہ حنفی مین ایسے مسائل موجود ہین جو عرب اور عراق
مین اسلام سے پہلے معمول بہ تھے۔ لیکن اس مین فقہ حنفی کی خصوصیت نہین۔ یہ سلسلہ اور
آگے چلتا ہے جو مسائل آج خاص اسلام کے مسائل خیال کیے جاتے ہین اور خود قرآن مجید
مین اُنکا ذکر ہے اُن مین متعدد ایسے ہین جو زمانہ جاہلیۃ مین معمول و متداول تھے۔ علامہ ابو ہلال
عسکری نے کتاب الاوائل مین اُنکی تفصیل بھی کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے خراج و ٹکس کے متعلق جو
قاعدے مقرر کیے وہ عموماً وہی ہین جو نوشیروان عادل نے اپنے زمانہ حکومت مین وضع
کیے تھے اور یہ کچھ توارد نہ تھا بلکہ حضرتؓ نے دانستہ نوشیروان کی اقتدار کی تھی۔ چنانچہ علامہ
طبری و ابن الاثیر نے صاف انہین الفاظ مین تصریح کی ہے۔

ایک مقنن جب کسی ملک کے لئے قانون بناتا ہے تو اُن تمام احکام اور رسم و رواج۔ کو
سامنے رکھ لیتا ہے جو اُس ملک مین اُس سے پہلے جاری تھے اُن مین سے بعض کو وہ بعینہ اختیار
کرتا ہے بعض مین ترمیم و اصلاح کرتا ہے۔ بعض کی بالکل مخالفت کرتا ہے۔ بے شبہ امام ابو حنیفہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۰ پروفیسر موصوف نے تاریخی شہادتون سے ثابت کیا ہے کہ جس وقت مسلمانون نے
شام مصر کو فتح کیا تو وہان رومی قوانین کے متعدد مدرسے موجود تھے۔ بیروت مین الگزنڈر سیویرس کے زمانہ
سے ایک مدرسہ قانون چلا آتا تھا جس مین چار پروفیسر تھے۔ قیصریہ مین وکلا کی ایک جماعت رہتی تھی اسکندریہ
مین قانون کی تعلیم جاری تھی۔ ان واقعات کی تفصیل کے بعد پروفیسر موصوف فرماتے ہین کہ اس قیاس کی نسبت
کہ اسلامی قوانین پر رومی قانون کا اثر پڑا ہے اس قدر کہنا کافی ہوگا لیکن جس طریقہ سے کہ اسلامی فتوحات ہوئین
اور جس طرح پر مسلمان ممالک مفتوحہ مین آباد ہوئے اگر ان امور پر غور کیا جائے تو یہ قیاس یقین سے بدلجاتا ہے
اسلامی فتوحات کے طریقہ سے پروفیسر موصوف نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ شروع مین مسلمانون نے
غیر قومون سے بجز جزیہ وصول کرنے کے اور کسی قسم کا اثر ڈالنا نہین چاہا۔ لیکن جب علمی ترقی کا زمانہ

نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا۔ لیکن اس حیثیت سے وہ رومن لاکی بہ نسبت ایران کے قانون سے زیادہ مستفید ہوئے ہونگے۔ کیونکہ اولاً تو وہ خود فارسی النسل تھے اور انکی زبان مادری فارسی تھی دوسرے انکا وطن کوفہ تھا اور وہ فارس کے اعمال میں داخل تھا۔

غرض یہ امر بہر حال قابل تسلیم ہے کہ امام صاحب کو فقہ کی توضیح میں اُن قواعد اور رسم و رواج سے ضرور مدد ملی ہوگی جو اُن ممالک میں جاری تھے لیکن سوال یہ ہے کہ ایسی استعانت سے امام صاحب کے واضع قانون ہونے کی حیثیت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ یعنے وہ ایک مستقل واضع قانون کہے جاسکتے ہیں یا صرف ناقل اور جامع۔ جہاں تک ہماری تحقیق ہے مسلمانوں نے غیر قوموں کی قانونی تصنیفات سے بہت کم واقفیت حاصل کی۔ ترجموں کی فہرست میں ہم سیکڑوں ہزاروں کتابوں کے نام پاتے ہیں۔ لیکن وہ فلسفہ۔ طب وغیرہ کی تصنیفات ہیں۔ قانون کی ایک کتاب کا بھی پتہ نہیں چلتا جو عربی زبان میں ترجمہ کی گئی ہو۔ اور اس قدر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۱ آیا تو انھوں نے غیر قوموں کے لئے قانون وضع کئے جو خود انہیں قوموں سے ماخوذ تھے پروفیسر موصوف کے الفاظ یہ ہیں۔ "نہ تو قرآن اور نہ ابتدائی خلافت کے زمانہ میں اسبات کی کچھ کوشش ہوئی کہ جو اعلیٰ قومیں عرب کے ماتحت ہوگئی تھیں اُن کی دنیوی زندگی کی پیچیدہ معاملات میں دست اندازی کیجائے نہ انکے لئے فرصت تھی نہ دماغ اور نہ ایسے آدمی موجود تھے جو اس خدمت کو انجام دے سکتے۔ جب بغداد اور اندلس کے شہروں اور قاہرہ میں امن و امان کا زمانہ آیا اور مطالعہ و غور کا موقع ملا تو طب و ریاضت و منطق اور علوم نفیسہ میں ترقی ہوئی۔ جسطرح کہ ارسطو سے عربوں نے منطق سیکھی اسی طرح سیل (Sell) لیو (Leo) اور انکے یونانی شارحوں سے علم قانون اخذ کیا"۔ اسکے بعد پروفیسر موصوف اس خیال کی قطعیت پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ قرآن میں اس قدر کم احکام ہیں کہ اُن پر ایک قانون کی بنیاد نہیں قائم ہو سکتی۔ پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن میں صرف یہ احکام ہیں۔ خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ تم اپنی بیبیوں کو دو دفعہ طلاق

قطعاً ثابت ہے کہ امام صاحب نے جس زمانہ مین فقہ کی تدوین کی کسی ایسی کتاب کا ترجمہ نہین ہوا تھا اِس لیئے یہ احتمال کہ امام ابوحنیفہ نے غیر قومون کی قانونی تصنیفات سے فائدہ اٹھایا ہو بالکل بے اصل ہے۔ ملک مین رسم و رواج کی بنیاد پر جو احکام نافذ تھے۔ اس قابل نہ تھے کہ حیز تحریر مین آکر قانون کا لقب حاصل کرسکتے۔

مختصر یہ کہ جسقدر تاریخی قرائن موجود ہین اُن سے ہرگز ثابت نہین ہوتا کہ امام صاحب کو روم یا فارس کی کوئی قانونی تصنیف ہاتھ آئی جس کے نمونہ پر اُنھون نے فقہ کی بنیاد

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۲ سکتے ہو پھر اُنکو رحمدلی یا مہربانی سے علیحدہ کردو۔ سود خوار قیامت مین آسیب زدون کی طرح اٹھین گے میعادی قرض کو قلمبند کرلیا کرو۔ اگر بیبیون کے ساتھ انصاف کرسکو تو کئی نکاح کرسکتے ہو لیکن چار سے زیادہ نہین۔ مرد کو دو حصّہ ملے گا اور عورت کو ایک لیکن صرف عورتین ہون تو دو شوہر کو نصف حصہ ملے گا۔ مرض الموت مین وصیت کے وقت گواہون کا ہونا ضرور ہے۔ سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے مکاتب کو آزادی کا معاہدہ لکھدو اگر تمھاری مرضی ہو لونڈیون سے زنا و غیبت ۱۲۔

پروفیسر صاحب کے نزدیک قرآن مین صرف اسی قدر قانونی احکام مذکور ہین۔ اور اسی لئے اُن کے نزدیک قرآن مجید ایک وسیع قانون کی بنیاد نہین قرار پا سکتا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہین کہ جو سید سے قواعد اوپر درج ہوئے اُنکی مشکل سے رومی بنیاد کا پتہ لگ سکتا ہے اِس لحاظ سے یہ امر اور بھی حیرت انگیز ہے کہ جو عمارت مسلمان فقیہون نے ایسے پرانے مصالحہ سے تیار کی وہ قریب قریب ہر ایک موڑ پر رومی قانون کی گلیون اور جزیون کو یاد دلاتی ہے" اِسکے بعد پروفیسر موصوف نے دعوے کیا ہے کہ مسائل مندرجۂ ذیل[1] مین فقہ اسلام اور رومی قانون بالکل یکسان ہے اور بالآخر اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ سلسلہ قانون یعنی علم فقہ در اصل رومی قانون ہی لیکن بتبدیل ہیئت ہے پروفیسر موصوف نے نو صفحون مین یہ بحث لکھی ہے ہمنے اُسکا خلاصہ لکھدیا ہے۔ لیکن کوئی ضروری

[1] ہمنے بخوف تطویل اُن مسائل کو یہان نقل نہین کیا۔ لیکن آگے چلکر انہین سے بہت سے مسائل کا ذکر آئے گا۔

رکھی اس سے بھی انکار نہین ہو سکتا کہ امام ابو حنیفہ سے پہلے فقہ کے مسائل جس قدر اور جس صورت مین مدون ہو چکے تھے وہ فن کی حیثیت نہین رکھتے تھے۔ ان باتون کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ اگر فقہ کو ایک قانون مانا جائے تو ضرور ماننا پڑے گا۔ کہ امام صاحب ہی اُسکے مقنن اور واضع تھے۔ البتہ اُنکو ملک کے رسم و رواج۔ مسائل معمول بہا۔ علما کے فتاوے سے مدد ملی۔ لیکن یہ اُسی قسم کی مدد ہے جس سے دنیا کے اور واضعان قانون بھی بے نیاز نہ تھے۔ اسی لئے یہ امر امام صاحب کی مقننیت کے رتبہ کو گھٹا نہین سکتا۔

ان عام مباحث کے بعد۔ اب ہم اُن خاصیتون کا ذکر کرتے ہین[1] جنکی وجہ سے حنفی فقہ کو اور فقہون کے مقابلہ مین ترجیح حاصل ہے۔

فقہ حنفی کی خصوصیتین

فقہ حنفی کا اصول عقلی کے موافق ہونا

(۱) سب سے مقدم اور قابل قدر خصوصیت جو فقہ حنفی کو حاصل ہے وہ مسائل کا اسرار اور مصالح پر مبنی ہونا ہے۔ احکام شرعیہ کے متعلق اسلام مین شروع ہی سے دو فرقے قائم

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۵ بات ترک نہین کی بلکہ اکثر اُنکے خاص فقرے لکھدئے ہین۔ پروفیسر موصوف نے جن مقدمات کی ترتیب سے استدلال کیا ہے وہ مختصراً یون بیان کئے جا سکتے ہین۔ قرآن مجید مین بہت کم احکام ہین اور اُنسے قانون نہین بن سکتا۔" "ممالک مفتوحہ اسلام مین رومی قانون پہلے سے جاری تھا" "اسلامیون نے یونان و روم وغیرہ کی تصنیفات کے ترجمے کئے" "فلان فلان مسائل مین اسلامی فقہ اور رومی قانون متحد ہین" یہ بحث حقیقت مین نہایت مفید اور امپارٹنٹ بحث ہے۔ لیکن جیسا کہ ہمنے اصل کتاب مین بیان کیا ہے اس معرکہ مین اُس شخص کو قدم رکھنا چاہیئے جو فقہ اسلام و رومن لا دونون سے پوری واقفیت رکھتا ہو۔ پروفیسر موصوف سے

[1] یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جن خصوصیتون کا ہمنے دعوے کیا ہے وہ بلحاظ اکثر مسائل کے ہین۔ ممکن ہے کہ بعض جزئیات کے لحاظ سے یہ خصوصیتین امام صاحب کے مذہب مین نہ پائی جاوین اور دوسرے اماموں کے فقہ مین پائی جاوین لیکن ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ امام صاحب کے اکثر مسائل مین یہ خصوصیتین پائی جاتی ہین اور امام شافعی وغیرہ کے اکثر مسائل مین نہین پائی جاتین

ہوگئے۔ ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ یہ احکام تعبدی احکام ہیں یعنی انمین کوئی سر اور مصلحت نہین ہے۔ مثلاً شراب خواری یا فسق و فجور صرف اسی لئے ناپسندیدہ ہین کہ شریعت نے انسے منع کیا ہے اور خیرات و زکوۃ صرف اسی لئے مستحسن ہین کہ شارع نے انکی تاکید کی ہے۔ ورنہ فی نفسہ یہ افعال بُرے یا بھلے نہین ہین۔ امام شافعی۔ کا اسی طرف میلان پایا جاتا ہے۔ اور شاید اسی کا اثر تھا کہ ابوالحسن اشعری نے جو شافعیون مین علم کلام کے بانی ہیں علم کلام کی بنیاد اسی مسئلہ پر رکھی ۔

دوسرے فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ شریعت کے تمام احکام مصالح پر مبنی ہین۔ البتہ بعض مسائل ایسے بھی ہین جنکی مصلحت عام لوگ نہین سمجھ سکتے۔ لیکن درحقیقت وہ مصلحت سے خالی نہین۔ یہ مسئلہ اگرچہ بوجہ اسکے کہ اسکے دونون پہلو بڑے بڑے علما نے اختیار کئے ہین ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بنگیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ اس قدر بحث و اختلاف کے قابل نہ تھا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴۔ بے شبہ رومن لا کی نسبت ہر قسم کی واقفیت کا دعوے کرسکتے ہین۔ لیکن مسائل اسلام کے متعلق انکی وسعت معلومات کا اعتراف کرنا مشکل ہے۔ انھون نے دعوی کیا ہے کہ قرآن مجید مین قانونی احکام صرف معدودے چند ہین انھون نے تفصیل کردی ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی آیات احکام کم و بیش پانسو ہین اور اگرچہ ان مین بہت سے احکام عبادات وغیرہ کے متعلق ہین تاہم خاص وہ آیتین جنمین قانونی احکام ہین سو سے کم نہین۔ یہ آیتین جداگانہ جمع کرلی گئی ہیں اور علما نے انپر متعدد تفسیرین لکھی ہین۔ ان تمام احکام سے واقف ہونا تو ایک طرف پروفیسر صاحب کی وسعت معلومات کا یہ حال ہے کہ نکاح و طلاق کے مسائل مین سے انکو صرف دو مسئلے معلوم ہین تعداد طلاق و تعداد نکاح۔ حالانکہ قرآن مجید مین محرمات نکاح۔ موطوءہ اب جمع بین الاختین۔ نکاح۔ با مشرکات۔ طلاق قبل خلوت صحیحہ و بعد خلوت اور دونو کے احکام۔ خلع اور ایلاء کے مسائل تفصیل کے ساتھ مذکور ہین۔

تمام مہمات مسائل کی مصلحت اور غایت خود کلام الٰہی مین مذکور ہے۔ کفار کے مقابلہ مین قرآن کا طرز استدلال عموماً اسی اصول کے مطابق ہے۔ نماز کی مصلحت خدا نے خود بتائی کہ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر۔ روزہ کی فرضیت کے ساتھ ارشاد ہوا۔ لعلکم تتقون جہاد کی نسبت فرمایا حتیٰ لاتکون فتنۃ اسی طرح اور احکام کے متعلق قرآن و حدیث مین جابجا تصریحین اور اشارے موجود ہین کہ انکی غرض و غایت کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب تھا اور یہ اصول اُنکے مسائل فقہ مین عموماً مرعی ہے۔ اسی کا اثر ہے کہ حنفی فقہ جس قدر اصول عقلی کے مطابق ہے اور کوئی فقہ نہین۔ امام طحاوی نے جو محدث اور مجتہد دونون تھے اس بحث مین ایک کتاب لکھی ہے جو شرح معانی الآثار کے نام سے مشہور ہے اور جس کا موضوع یہ ہے کہ مسائل فقہ کو نصوص و طریق نظر سے ثابت کیا جائے محدث مذکور نے فقہ کے ہر باب کو لیا ہے۔ اور اگرچہ انصاف پرستی کے ساتھ بعض

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۵ وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب کو صرف شوہر کا حصہ اور یہ کہ مرد کو عورت کے دو حصہ کے برابر ملتا ہے معلوم ہے۔ افسوس اُنکو یہ معلوم نہین کہ وراثت کا پورا باب اجمالاً قرآن مجید مین مذکور ہے اور خصوصاً والدین کا حصہ اور کلالہ کے احکام تو صاف صاف تصریحاً مذکور ہین۔ قصاص اور دیت کے مسائل جو نہایت تفصیل سے قرآن مین مذکور ہین اور جنمین قتل عمد اور قتل خطا اور اُنکے احکام کی پوری تفصیل ہے پروفیسر صاحب کو سرے سے معلوم نہین۔ حیرت ہے کہ اس محدود واقفیت کے ساتھ پروفیسر صاحب نے اس بحث کے طے کرنے کی کیونکر جرأت کی؟

یہ تو ضمنی بحث تھی اب ہم اُن مقدمات پر توجہ کرتے ہین جنپر پروفیسر صاحب کی استدلال کی بنا ہے اس قدر اُنھون نے خود تسلیم کر لیا ہے اور واقع مین بھی صحیح ہے کہ شروع اسلام یعنی خلافت راشدہ کے اخیر زمانہ تک مسلمان غیر قومون سے بالکل الگ رہے اور اُنکے قانون اور احکام سے کسی قسم کی واقفیت نہین حاصل کی۔ اسی لئے

مسئلوں میں امام ابو حنیفہ سے مخالفت کی ہے۔ لیکن اکثر مسائل کی نسبت مجتہدانہ طریق استدلال سے ثابت کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب۔ احادیث اور طریق نظر۔ دونوں کے موافق ہے"۔ امام محمد نے بھی کتاب الحج میں اکثر مسائل میں عقلی وجوہ سے استدلال کیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں چھپ گئی ہیں اور ہر جگہ ملتی ہیں جسکو تفصیل مقصود ہو ان کتابوں کی طرف رجوع کرے اس دعوی سے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب عقل کے موافق ہے۔ شافعیہ وغیرہ کو بھی انکار نہیں اور وہ انکار کیوں کرتے۔ انکے نزدیک احکام شرعیہ خصوصاً عبادات جس قدر عقل سے بعید ہوں اسی قدر انکی خوبی ہے۔

امام رازی نے زکوۃ کی بحث میں لکھا ہے[1] کہ امام شافعی کا مذہب امام ابو حنیفہ سے زیادہ صحیح ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ امام شافعی کا مذہب عقل و قیاس سے بعید ہے اور یہی اس کی صحت کی دلیل ہے۔ کیونکہ زکوۃ کے مسائل زیادہ تر تعبدی احکام ہیں جنمیں عقل و رائے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۶ دمشق و بیروت و اسکندریہ میں اسوقت رومن لا کے جو مدرسے جاری تھے خود تعبد پروفیسر صاحب کے اسلامی فقہ پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ اب قابل لحاظ یہ امر ہے کہ پروفیسر صاحب نے اسلام کے جو مسائل اپنی دعوی کے ساتھ پیش کئے ہیں کہ وہ رومن لا کے موافق ہیں وہ کس زمانہ کے ایجاد شدہ مسائل ہیں۔ مثلاً وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ مسائل ذیل یعنی اولاد سلسلۂ اصولی رشتہ داران طرفی خواہ آدھا خون ملا ہو یا کل اور اونکی اولاد بی بی یا خاوند مولائی غلام آزاد یہ سب رومن لا کے موافق ہیں۔ اسکے بعد وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں ترکہ اس طرح تقسیم کیا جاتا تھا جو رومن لا کا طریقہ تھا یعنی کل حصے یہ تھے۔ نصف۔ ربع۔ ثمن۔ دو ثلث۔ ایک ثلث۔ سدس۔ یہی حصے رومن لا میں تھے لیکن پروفیسر صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ یہ حصص خود قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ اور قرآن مجید کی نسبت خود پروفیسر صاحب

[1] مناقب الشافعی مصنفہ امام فخر الدین رازی ۱۲۔

کو دخل نہین "

بخلاف اور معصرون کے امام ابو حنیفہ کا اس اصول کی طرف مائل ہونا ایک خاص سبب سے تھا۔ دوسرے ائمہ جنہون نے فقہ کی تدوین و ترتیب کی۔ انکی علمی ابتدا فقہی مسائل ہوئی تھی۔ بخلاف اسکے امام ابو حنیفہ کی تحصیل علم کلام سے شروع ہوئی۔ جسکی ممارست نے ان کی قوت فکر اور حدت نظر کو نہایت قوی کر دیا تھا۔ معتزلہ وغیرہ جنسے انکے معرکے رہتے تھے عقلی اصول کے پابند تھے۔ اسی لئے امام صاحب کو بھی انکے مقابلہ مین انہین اصول سے کام لینا پڑتا تھا۔ اور متنازع فیہ مسئلون مین مصالح و اسرار کی خصوصیتیں دکھانی پڑتی تھین۔ اس غور اور تدقیق مشق و مہارت سے انکو ثابت ہو گیا تھا کہ شریعت کا ہر مسئلہ اصول عقل کے مطابق ہے۔ علم کلام کے بعد وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے تو ان مسائل مین بھی یہی جستجو رہی حنفی فقہ کے مسائل کا دوسرے فقہون کے مسائل سے مقابلہ کیا جائے۔ تو یہ تفاوت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۷ سے تسلیم کیا ہے کہ اس مین رومی بنیاد کا پتہ نہین لگتا۔ البتہ ورثا کی بعض افراد قرآن مجید مین مذکور نہین لیکن وہ زمانہ رسالت خلافت تک پوری طرح سے معین و مقرر ہو چکے تھے۔ حدیث و آثار کی بنا قدیم کتابین آج موجود ہین انکو پڑھکر متعصب سے متعصب شخص بھی اس سے انکار نہین کر سکتا۔

وصیت کے متعلق پروفیسر صاحب نے فقہ کے جن مسائل کو رومن لا سے ماخوذ سمجھا ہے انکی یہ تفصیل کی ہے۔ وصیت تقریری یا تحریری دو گواہون کے سامنے۔ وصی ایک ثلث جائداد سے زیادہ کی وصیت نہین کر سکتا جبتک کہ ورثا نہ راضی ہون۔ لیکن یہ مسائل بھی زمانہ نبوت یا خلافت کے مسائل ہین۔ اور اس امر سے ایک عام عقل دان بھی انکار نہین کر سکتا۔ پروفیسر صاحب نے اور بھی مسائل گنائے ہین جو انکی رائے مین رومن لا سے ماخوذ ہین ہم ان سب کی تفصیل نہین کر سکتے۔ مختصراً اس قدر کہنا کافی ہے کہ انہین اکثر مسائل انھی زمانہ کے ہین جنکی نسبت پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ مسلمانون نے غیر قومون کے قوانین و احکام سے کچھ واقفیت نہین حاصل کی تھی۔

صاف نظر آتا ہے۔ معاملات تو معاملات۔ عبادات مین بھی جسکی نسبت ظاہر بینون کا خیال ہے
کہ اس مین عقل کو دخل نہین امام صاحب کے مسائل عموماً عقل کے موافق معلوم ہوتے ہین۔
اگر اس بات پر غور کی جائے کہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ شریعت مین کن مصلحتون سے فرض
کئے گئے ہین اور ان مصالح کے لحاظ سے ان احکام کی بجاآوری کا کیا طریقہ ہونا چاہیئے تو وہی
طریقہ موزون ثابت ہوگا۔ جو حنفی فقہ سے ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً نماز چند افعال کے مجموعہ کا نام
ہے۔ لیکن اس لحاظ سے کہ نماز کی اصلی غرض کیا ہے؟ (یعنی خضوع۔ اظہار تعبد۔ اقرار عظمت
الٰہی۔ دعا) اور اسکے حاصل ہونے مین کن افعال کو کس نسبت سے دخل ہے؟۔ ان افعال کے مراتب
مختلف ہین۔ بعض لازمی اور ضروری ہین۔ کیونکہ انکے نہ ہونے سے نماز کی اصلی غرض فوت
ہوتی ہے ان افعال کو شریعت کی زبان مین فرض سے تعبیر کیا جاتا ہے بعض افعال ایسے
ہین جو طریقہ ادا مین ایک حسن وخوبی پیدا کرتے ہین۔ لیکن ان کے فوت ہونے سے اصل

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۸ پروفیسر صاحب کو اس بات پر بڑی حیرت ہو کہ قرآن مجید یا حدیث مین قانونی مسائل بہت
کم ہیں انکی بنیاد پر فقہ کا اتنا بڑا دفتر کہان سے تیار ہوگیا؟ اسی حیرت نے انکو مجبور کیا کہ وہ فقہ اسلام کو رومن لا کا خوشہ چین
بتائین۔ لیکن پروفیسر صاحب کس کس بات پر حیرت کرینگے۔ قانونی مسائل تو خیر رومن لا سے ماخوذ ہین۔ نماز۔ روزہ
حج۔ زکوٰۃ کے متعلق قرآن مجید واحادیث مین کون سی بڑی تفصیل ہے پھر فقہ مین انہی مسائل کا ایک عظیم الشان سلسلہ
کیونکر قائم ہوگیا۔؟ کیا یہ مسائل بھی رومن لا سے ماخوذ ہین۔ اسکو بھی جانے دو۔ تمام اسلامی علوم کیونکر پیدا ہوئے
اور اس وسعت کو کیونکر پہنچے۔؟ آنحضرت کے زمانہ مین تفسیر۔ حدیث۔ اصول حدیث۔ اصول فقہ۔ اسماء الرجال
کے کتنے مسائل پیدا ہوئے تھے۔ اور آج انکی کیا حالت ہے؟ کیا آج یہ سب علوم جداگانہ فن نہین ہین؟ کیا ان سے
مسلمانون کی دقت نظر۔ تیزی طبع۔ وسعت خیال کا اندازہ نہین ہوتا۔ کیا یہ علوم وفنون بھی مسلمانون نے روم
ویونان سے سیکھے۔؟

فرض فوت نہین ہوتی - ان افعال کا رتبہ پہلی قسم سے کم ہے اور اُنکو سنت و مستحب سے تعبیر کرتے ہین -

اوپر ہم لکھ آئے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرض و واجب و سنت کی تصریح نہین فرمائی - لیکن اس مین کچھ شبہہ نہین ہو سکتا تھا کہ نماز کے تمام افعال یکسان درجہ نہین رکھتے تھے اسی لیئے تمام مجتہدین نے اُنکے امتیاز مراتب پر توجہ کی اور استنباط اجتہاد کی رو سے اُن افعال کے مختلف مدارج قائم کیے اور اُنکے جدا جدا نام رکھے - امام ابو حنیفہ نے بھی ایسا ہی کیا - لیکن اسباب مین اُنکو اور آئمہ پر جو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ اُنھون نے جن افعال کو جس رتبہ پر رکھا درحقیقت اُنکا وہی رتبہ تھا - مثلاً سب سے ضروری امر یہ ہے کہ نماز کے ارکان یعنی وہ افعال جنکے بغیر نماز ہو ہی نہین سکتی - کیا ہین ؟ چونکہ نماز اصل مین اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا نام ہے - اس لیئے اس قدر تو سب مجتہدون کے نزدیک مسلم ہوا کہ نیت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۹ فقہ کے جن مسائل کو پروفیسر صاحب نے رومن لا سے ماخوذ بتایا ہے وہ تعادمین نماز کے مسائل ہیں جب خود بقول پروفیسر صاحب کے مسلمانون نے غیر قومون سے کچھ نہین سیکھا تھا - لیکن زمانہ مابعد مین بھی فقہ نے رومن لا کا کبھی احسان نہین اوٹھایا - پروفیسر صاحب کا یہ دعوی صحیح ہے کہ دولت عباسیہ کے عہد ترقی مین مسلمانون نے یونان و مصر سے علوم و فنون لیئے - لیکن اُنکو جاننا چاہیئے کہ یونان و مصر کے شاگردون کا گروہ ایک خاص گروہ تھا - بے شبہہ مسلمانون مین ایسے لوگ بھی تھے جو غیر قومون سے مستفید ہوتے تھے اور اس کو عیب نہیں سمجھتے تھے - لیکن مسلمانون ہی مین وہ گروہ بھی تھا اور وہی بہت بڑا گروہ تھا جو اپنے فضل و کمال کے زعم مین غیر قومون کی طرف کبھی رخ بھی نہین کرتا تھا - مجتہدین اور فقہاء - اسی گروہ مین داخل ہین - یونان و روم وغیرہ کی کتابین جو عربی زبان مین ترجمہ ہوئین اُن کی نہایت مفصل فہرست ہمکو معلوم ہے - ان مین فلسفہ طب - ہندسہ - نجوم - کیمیا - صنعت - تاریخ - لائف - ناول - ہر قسم کی کتابین ہین - لیکن قانون کی ایک

تکبیر۔ قرأت۔ رکوع۔ سجود۔ وغیرہ جن سے بڑھکر اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا کوئی طریقہ نہین ہو سکتا فرض اور لازمی ہین اور خود شارع نے اُنکے لازمی اور ضروری ہونے کی طرف اشارے کیے بلکہ بعض جگہ تصریح بھی کی لیکن اور ائمہ نے یہ زیادتی کی کہ ان ارکان کی خصوصیتون کو بھی فرض قرار دے دیا۔ حالانکہ وہ خصوصیتین لازمی نہ تھین۔ اس سے امام ابو حنیفہ اُنکے فرضیت کے قائل نہین۔ مثلاً امام ابو حنیفہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کے سوا، اور الفاظ سے بھی ادا ہو سکتی ہے جو اُسکے ہم معنی ہین (مثلاً اللہ اعظم اللہ اجل) امام شافعی کے نزدیک نہین ہو سکتی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تکبیر اگر فارسی زبان مین کہی جائے تب بھی جائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قرآن مجید کی کسی آیتہ کے پڑہنے سے قرأت کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بغیر سورہ فاتحہ کے نماز ہو ہی نہین سکتی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جو شخص عربی مین قرأت

تصنیف بھی نہین جسکی وجہ غالباً یہی ہوگی کہ فقہا و مجتہدین جو اسلام مین واضع قانون تھے غیر قومون کی خوشہ چینی کو اپنی اصطلاح مین حرام کہتے تھے کیا۔ امام ابو حنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد حنبل سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ مسائل فقہ کو جو انکے نزدیک مذہب کا ایک حصہ تھا روم و یونان سے سیکھتے۔ اگر پروفیسر صاحب کو ان ائمہ کے حالات معلوم ہوتے اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ فقہ کے تمام ابواب انہی بزرگون کے عہد مین مرتب ہو گئے تھے تو وہ ہرگز ایسا دعوے نکرتے!

البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ بعض مسائل مین رومن لا و فقہ اسلام متحد کیون ہین۔ لیکن اس مین فقہ اسلام کی تخصیص نہین جن قانونون کا گو وہ کتنی ہی بے تعلق ہون آپسمین مقابلہ کیا جاوے بہت سے مسائل مشترک ثابت ہونگے اور قدرتاً ایسا ہونا ضرور ہے۔ جب تمام دنیا کے آدمیون کی ذاتی تمدنی۔ ملکی ضرورتین۔ اکثر متحد اور یکسان ہین تو ان ضرورتون کے لحاظ سے ہر جگہ جو قوانین وضع کئے جاوینگے اون کے مسائل کا مشترک ہونا کونسی تعجب کی بات ہے شعر

دو راہرو کہ بیک رہ روند در یکسمت — عجب نباشد اگر او فتند پے بر پے

پڑھنے سے معذور ہے وہ مجبوراً ترجمہ پڑھ سکتا ہے[1]۔ امام شافعی کے نزدیک ترجمہ سے کسی حالت میں نماز نہیں ہو سکتی۔

اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ یا کسی مجتہد نے صرف عقل و قیاس سے نماز کے ارکان متعین کئے ہیں۔ ائمہ نے ان ارکان کے ثبوت کے لیے عموماً احادیث کی تصریحات و اشارات سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ ہر مجتہد کے نقلی دلائل کتب فقہ میں بہ تفصیل مذکور ہیں ہمارا یہ مطلب ہے کہ امام ابوحنیفہ کے دعووں پر جس طرح نقلی دلائل یعنی احادیث کی تصریحیں اور اشارے موجود ہیں۔ اسی طرح عقلی وجوہ بھی انکی صحت کے شاہد ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب شریعت کے اسرار اور مصالح کو نہایت دقیق نگاہ سے دیکھتے تھے۔

زکوٰۃ کے مسائل کا بھی یہی حال ہے۔ زکوٰۃ کا اصلی مقصد بنی نوع کی ہمدردی اور اعانت ہے اسی لئے زکوٰۃ کے مصرف میں وہ لوگ خاص کر دیئے گئے ہیں جو سب سے زیادہ ہمدردی اور اعانت کا استحقاق رکھتے ہیں۔ یعنی فقرا۔ مساکین۔ عمال۔ زکوٰۃ۔ مولفۃ القلوب۔ مقروض مسافر غازی۔ مکاتب چونکہ ان لوگوں کی تصریح خود قرآن مجید میں مذکور ہے اسی لئے اس امر میں سب مجتہدین کا اتفاق رہا کہ یہ لوگ مصرف زکوٰۃ ہیں۔ لیکن بعین نے ایک اختلاف پیدا کر دیا امام شافعی نے ان اقسام کے ذکر سے یہ خیال کیا کہ یہ سب اشخاص زکوٰۃ کے ادا میں لازمی ہیں یعنی جب تک ان آٹھوں اقسام کے لوگوں کو زکوٰۃ ادا نہ کیجائے فرض ادا ہی نہیں ہو سکتا۔

---

[1] امام محمد نے جامع صغیر میں جو روایت کی ہے اس میں مجبوری کی قید نہیں ہے اور اسی بنا پر مخالفین نے امام صاحب پر یہ سخت اعتراض کیا ہے کہ وہ قرآن کی حقیقت و مفہوم میں الفاظ کو دخل نہیں سمجھتے یعنی انکے نزدیک صرف قرآن کے معانی پر قرآن کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ بے شبہہ امام صاحب کی اس غلطی کو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن فقہائے حنفیہ نے دعوے کیا ہے کہ امام صاحب نے بالآخر اس قول سے رجوع کیا ہے۔ ۱۲

بخلاف اسکے امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ زکوۃ ان اقسام سے باہر نہ جانے پائے - باقی یہ امر کہ ان لوگون مین سے سب کو دیجائے یا بعض کو یہ امر مقتضائے وقت اور ضرورت پر موقوف ہے امام اور حاکم وقت ضرورت کے لحاظ سے جسکو چاہے انتخاب کر سکتا ہے -

ایک اور مسئلہ جس مین امام ابوحنیفہ اور دوسرے آئمہ مختلف ہین یہ ہے کہ چارپایون کی زکوۃ ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے - امام ابوحنیفہ کے نزدیک زکوۃ مین جانور یا اوس کی قیمت ادا کی جا سکتی ہے -

امام شافعی کے نزدیک قیمت ادا کرنے سے زکوۃ ادا نہین ہوتی " حالانکہ زکوۃ کی غرض حاصل ہونے مین جانور اور اسکی قیمت دونون برابر ہین اس لئے شارع نے بھی کوئی تخصیص نہین فرمائی -

ان مسائل کے سوا عبادات کے اور سیکڑون مسائل ہین جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی مسائل مین ہر جگہ مصالح اور اسرار کی خصوصیت ملحوظ ہے لیکن ہم تطویل کے لحاظ سے ان سب کی تفصیل نہین کر سکتے - معاملات کے مسائل مین یہ عقدہ زیادہ حل ہو جاتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب کس قدر مصالح اور قیاس کے موافق ہے -

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حنفی فقہ بہ نسبت تمام اور فقہون کے نہایت آسان اور یسیر التعمیل ہے -

دوسری خصوصیت فقہ حنفی کا آسان اور سہل ہونا

قرآن مجید مین متعدد جگہ آیا ہے کہ " خدا تم لوگون کے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہین چاہتا "

رسول اللہ کا قول ہے کہ " مین نرم اور آسان شریعت لیکر آیا ہون " بے شبہہ اسلام کو تمام

اور مذہبون کے مقابلہ مین یہ فخر حاصل ہے کہ وہ رہبانیت سے نہایت بعید ہے۔ اُس مین عبادات شاقہ نہیں ہیں۔ اُسکے مسائل آسان اور یسیر التعمیل ہین۔ حنفی فقہ کو بھی اور فقہون پر یہی ترجیح حاصل ہے۔

حنفی فقہ۔ کا آسان اور وسیع ہونا ایسا متعارف ہے کہ شعرا اور مصنفین اوس کو ضرب المثل کے طور پر ذکر کرتے ہین۔ انوری نے جو ایک فحاش اور بدزبان شاعر تھا اگرچہ بُرے موقع پر اسکا استعمال کیا اور کہا ع چون رخصتہاے بوحنیفہ ❊ تاہم اصل مدعا کا ثبوت اُس کے کلام سے بھی ہوتا ہے۔ عبادات اور معاملات۔ کا کوئی باب کوئی فصل۔ لیلو یہ تفرقہ صاف نظر آتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مسائل ایسے آسان اور نرم ہین جو شریعت سہلہ کی شان ہے۔ بخلاف اسکے اور ائمہ کے بہت سے احکام نہایت سخت اور عسیر التعمیل ہین مثلاً کتاب الجنایات و کتاب الحدود کے مسائل۔ انہی مین سے سرقہ کے احکام ہیں چنانچہ ہم اُسکے چند جزئیات نمونہ کے طور پر یہان لکھتے ہین۔

اس قدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ سرقہ کی سزا۔ قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنا ہے لیکن مجتہدین نے سرقہ کی تعریف مین چند شرطین اور قیدین لگائی ہیں جنکے بغیر قطع ید کی سزا نہین ہو سکتی۔ اِن شروط کے لحاظ سے احکام پر جو اثر پڑتا ہے وہ ذیل کی جزئیات سے معلوم ہوگا۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب کس قدر آسان ہے اور تمدن و شائستگی کے کس قدر موافق ہے۔

سرقہ کے احکام

امام ابوحنیفہ کے مسائل	اور ائمہ کے مسائل
نصاب سرقہ کم از کم ایک اشرفی ہے۔	ایک اشرفی کا ربع۔
اگر ایک نصاب مین متعدد چورون کا ساجھا ہے تو کسی کا ہاتھ نہین کاٹا جائے گا۔	امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جاوے گا۔
نادان بچہ پر قطع ید نہین	امام مالک کے نزدیک ہے۔
کفن چور پر قطع ید نہین۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
زوجین مین سے اگر ایک دوسرے کا مال چرائے تو قطع ید نہین۔	امام مالک کے نزدیک ہے۔
بیٹا باپ کا مال چرائے تو قطع ید نہیں	امام مالک کے نزدیک ہے۔
قرابت قریبہ والے مثلاً چچا۔ بھائی وغیرہ پر قطع ید نہین	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
ایک شخص کسی سے کوئی چیز مستعار لیکر انکار کر گیا۔ تو قطع ید نہین۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
ایک شخص نے ایک چیز چرائی پھر بذریعہ ہبہ یا بیع اُس کا مالک ہو گیا۔ تو قطع ید نہین۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
غیر مذہب والے جو مستامن ہو کر اسلام کی عملداری مین رہتے ہین اُنپر قطع ید نہین۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
قرآن مجید کے سرقہ پر قطع ید نہین	امام شافعی و مالک کے نزدیک ہے۔
لکڑی۔ یا جو چیزین جلد خراب ہو جاتی ہین	اور ائمہ کے نزدیک لازم آتا ہے۔

انکے سرقہ سے قطع ید لازم نہین آتا۔

فقہ کا ایک بڑا حصہ کتاب الحظر والاباحۃ ہے یعنی حرام و حلال۔ جائز و ناجائز کی تفصیل اس باب مین یہ دعوی اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ اور ائمہ کے بہت سے ایسے مسئلے ہین جنکی پابندی کیجائے تو زندگی دشوار ہو جائے۔ بخلاف اسکے امام ابوحنیفہ کے احکام نہایت آسان اور سہل ہین۔ مثلاً امام شافعی کے نزدیک جو پانی اپلون کی آگ سے گرم کیا گیا ہو اُس سے غسل اور وضو ناجائز ہے۔ اسی طرح مٹی کے برتن جو اپلون کی آگ سے پکائے گئے ہون ان مین کھانا ناجائز ہے۔ رانگ۔ کانچ۔ بلور۔ عقیق کے برتنون کا استعمال ناجائز ہے۔ مثلاً پشمینہ۔ سمور۔ پوستین وغیرہ کا استعمال ناجائز ہے اور اسکو پہنکر نماز نہین ہو سکتی۔ برتن۔ یا کرسیان اور زین وغیرہ جنپر چاندی کا کام ہو انکا استعمال ناجائز ہے بیع بالمعاطاۃ یعنی خرید فروخت کا عام طریقہ جسمین بعت و اشتریت کی تصریح نہین کی جاتی۔ ناجائز ہے۔ ان تمام مسائل مین امام ابوحنیفہ کا مذہب۔ امام شافعی سے مخالف ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی فقہ۔ دوسرے فقہون کی طرح تنگ اور سخت گیر نہین ہے۔

تیسری خصوصیت

(۳) فقہ کا بہت بڑا حصہ جس سے دنیوی ضرورتین متعلق ہین معاملات کا حصہ ہے اور یہی وہ موقع ہے جہان ہر مجتہد کی دقت نظر اور نکتہ شناسی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک معاملات کے احکام ایسے ابتدائی حالت مین تھے کہ تمدن اور تہذیب یافتہ ملک کے لئے بالکل ناکافی تھے۔ نہ معاہدات کے احکام کے قاعدے منضبط تھے۔ نہ دستاویزات وغیرہ کی تحریر کا اصول قائم ہوا تھا۔ نہ فصل قضایا اور ادائے شہادت کا کوئی باقاعدہ طریقہ تھا۔

فقہ حنفی مین معاملات کے متعلق جو قاعدے ہین نہایت وسیع اور تمدن کیموافق ہین

امام ابوحنیفہ پہلے شخص ہین جو ان چیزون کو قانون کی صورت مین لائے۔ لیکن افسوس ہے کہ جو مجتہد ہین ان کے بعد ہوئے انھون نے بجائے اسکے کہ اسکو اور وسعت دیتے۔ اسی

غیر تمدنی حالت کو قائم رکھنا چاہا۔ جسکا منشا وہ زاہدانہ خیالات تھے جو علمائے مذہب کے دماغون مین جاگزین تھے۔ ایک مشہور محدث نے فقہا پر طعن کیا ہے کہ "ان لوگون کے نزدیک جب کسی زمین کا دعوے کسی عدالت مین پیش کیا جائے تو ضرور ہے کہ عرضی دعوی مین زمین کا موقع بتایا جائے اسکی حدود اربعہ دکھائی جائین حیثیت اور صورت کی تفصیل ہو۔ حالانکہ رسول اللہ یا صحابہ کے زمانہ مین ان جزئیات اور قیدون کا نام و نشان بھی نہ تھا"[1] محدث مذکور کے نزدیک یہ بڑے الزام کی بات ہے۔ لیکن اگر انکو کسی ترقی یافتہ ملک مین رہنے کا اتفاق ہوتا اور معاملات سے بھی کام پڑتا تو معلوم ہوتا کہ جن چیزون کو وہ الزام کی بات سمجھتے ہین اُن کے بغیر زندگی بسر کرنی مشکل ہے۔

امام شافعی۔ ہبہ کے لیے قبضہ کو ضروری نہین سمجھتے۔ شفعہ ہمسایہ کو جائز نہین کہتے تمام معاملات مین مستور الحال کی شہادت کو ناجائز قرار دیتے ہین۔ گواہان نکاح کے لیے ثقہ اور عادل ہونے کی قید ضروری سمجھتے ہیں ذمیون کے باہمی معاملات مین بھی اون کی شہادت جائز نہین قرار دیتے۔ بے شبہ یہ باتین اُن مما[لک مین] آسانی سے چل سکتی ہین جہان تمدن نے وسعت نہین حاصل کی ہے اور معاملات کی صورتین بالکل سادہ اور نیچرل حالت مین ہین لیکن جن ملکون مین تمدن نے ترقی حاصل کی ہو۔ معاملات کی مختلف اور پیچ در پیچ صورتین پیدا ہوتی جاتی ہون۔ حقوق کی تحدید اور انضباط کے بغیر چارہ نہ ہو وہان ایسے احکام کا قائم رہنا آسان نہین۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان تمام مسائل مین امام ابو حنیفہ۔ امام شافعی سے مخالف ہین۔ مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام مالک کا مذہب انہی ممالک مین رواج پا سکا جہان تمدن نے وسعت نہین حاصل کی تھی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ امام مالک کے مسائل مین اصول تمدن کی رعایت نہ تھی۔

[1] اس قول کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں ۱۲۔

امام ابو حنیفہ نے جس دقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ معاملات کے احکام منضبط کیے
اس کا صحیح اندازہ تو اسوقت ہو سکتا ہے کہ معاملات کے چند ابواب پر ایک مفصل ریویو لکھا
جائے۔ لیکن ایسی تفصیل کے لئے نہ وقت مساعد ہے نہ اس مختصر کتاب میں اس کی گنجائش
ہے تاہم مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ اس لئے نمونہ کے طور پر ہم صرف مسائل نکاح
ذکر کرتے ہیں جو عبادات اور معاملات دونوں کا جامع ہے۔

نکاح کو اگرچہ فقہا نے عبادات میں شامل کیا ہے لیکن یہ صرف ایک اصطلاح ہے ورنہ
نکاح۔ بوجہ اس کے کہ تمدن و معاشرت کے بڑے بڑے نتائج اسپر متفرع ہوتے ہیں معاملات
کا نہایت ضروری حصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

مسائل نکاح کے انتخاب کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ بعض بعض یورپین مصنفوں نے
یہ دعویٰ کیا ہے کہ حنفی فقہ کے مسائل نکاح نہایت وحشیانہ اور ظالمانہ ہیں لیکن ہم اس بحث
میں دکھا دینگے کہ آج مہذب سے مہذب ملکوں میں بھی نکاح کے قواعد حنفی فقہ سے عمدہ تر
نہیں ہیں۔ بنتھم نے اپنی کتاب پولٹی میں لکھا ہے کہ "رومن لا کے بموجب قواعد نکاح
ایک مجموعہ ظلم ہیں"

لیکن ہم ثابت کر دینگے کہ حنفی فقہ کے بموجب قواعد نکاح مجموعہ انصاف ہیں۔ غالباً اس
بحث سے ان لوگوں کے خیالات کی بھی کسی قدر اصلاح ہو گی جو غلطی سے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ
حنفی فقہ رومن لا سے ماخوذ ہے۔

نکاح وازدواج۔ تمدن اور معاشرت کا نہایت وسیع حصہ ہے۔ نکاح بقول ایک حکیم
کے "جماعتوں کا شیرازہ تہذیب کی اصل۔ تمدن کی بنیاد ہے" اس لحاظ سے یہ کہنا صحیح ہے
کہ جب مقنن نے اسکے اصول وضوابط کی عمدہ توضیح یا تشریح کی وہ قانون تمدن کا بہت

بڑا نکتہ شناس ہے۔ اگرچہ امام ابوحنیفہ ان اصول وضوابط کے موجد نہیں ہیں۔ شارع نے خود اس کے مہات مسائل بتا دیئے تھے۔ تاہم جس نکتہ سنجی کے ساتھ انھوں نے ان اصول کی تشریح کی اور اسپر احکام متفرع کئے وہ خود ایک بڑے مقنن کا کام تھا۔ شارع کا کلام کہین مجمل واقع ہوا تھا کہین محتمل المعنیین۔ بعض جگہ صرف اشارے تھے۔ خاصکر جزئیات بہت کم مذکور تھین۔ یہی وجہ ہے کہ نکاح کے اکثر مسائل مین مجتہدین کی مختلف رائین قائم ہوگئین یہی مختلف فیہ مسائل ہین جنمین امام صاحب کے اجتہاد کے جوہر کھلتے ہین۔ اور صاف نظر آتا ہے کہ جسطرح انھون نے ان موقعون پر شارع کے اجمال کی تفصیل کی احتمالات کے محل متعین کئے۔ اشارون کی تصریحین بتائین۔ جزئیات کی تفریع کی۔ وہ انہین کا کام تھا جنمین اور مجتہدین کسی طرح انکی ہمسری نہین کرسکتے۔

نکاح کے مسائل جن اصول پر متفرع ہین وہ یہ ہیں۔

(۱) کن لوگون کے ساتھ نکاح ہونا چاہیے۔

(۲) معاملہ نکاح کس کے اختیار سے ہونا چاہیے۔

(۳) اسکی بقا و ثبات کا استحکام کس حد تک ضروری ہے۔

(۴) فریقین کے حقوق کیا قرار دیے جائین۔

(۵) نکاح کن دستورات اور رسوم کے ساتھ عمل مین آئے۔

محرمات نکاح

یہ امر کہ نکاح کی وسعت کو کسی حد تک محدود کیا جائے۔ تھوڑے سے اختلاف کیساتھ تمام مذاہب مین یکسان طور پر پایا جاتا ہے۔ ہر قوم نے چند محرمات قرار دیے ہین جن کے ساتھ ازدواج کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہ محرمات قریباً تمام مذہبون مین مشترک ہیں جسکی وجہ یہی ہے کہ یہ امر نہایت صریح اصول عقلی پر مبنی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ اور فلاسفر بنتھم نے کتاب یوٹلٹی میں
حرمت کے جو دلائل قائم کئے ہیں بالکل مشترک ہیں - چونکہ یہ امر بالکل اصول فطرت کے
مطابق ہے اور قرآن مجید میں محرمات کے نام تصریحاً مذکور ہیں - اس لئے اصل مسئلہ میں تمام
مجتہدین کا اتفاق رہا - لیکن جو جزئیات ظاہر نص کے ذیل میں نہیں آئیں - اُن میں اختلاف
پیدا ہو گیا - انہیں میں حرمت بالزنا کا مسئلہ ہے جو امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے اختلاف
کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے - امام شافعی کا مذہب ہے کہ زنا سے حرمت کے احکام نہیں
پیدا ہوتے - مثلاً باپ نے کسی عورت سے زنا کیا تو بیٹے کا نکاح اُس عورت سے ناجائز نہیں
ہے - امام شافعی نے اسکو یہانتک وسعت دی ہے کہ ایک شخص نے اگر کسی عورت کے ساتھ
زنا کیا اور اُس سے لڑکی پیدا ہوئی تو خود وہ شخص اُس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے - اُنکی دلیل یہ ہے
کہ زنا ایک حرام فعل ہے - اس لئے وہ حلال کو حرام نہیں کر سکتا - امام ابو حنیفہ اسکے بالکل مخالف
ہیں - اُنکے نزدیک مقاربت کے ذریعہ سے مرد اور عورت کے تعلقات پر جو فطری اثر پڑتا ہے
وہ نکاح پر محدود نہیں ہے اور یہ بالکل صحیح ہے محرمات کی حرمت جس اصول پر مبنی ہے اُسکو
نکاح کے ساتھ خصوصیت نہیں - اپنے نطفہ سے جو اولاد ہو گو زنا ہی سے ہو اُسکے ساتھ نکاح
و مقاربت کا جائز رکھنا - بالکل اصول فطرت کے خلاف ہے - باپ کی موطوءہ کا بھی یہی
حال ہے و علیٰ ہذا القیاس - خود قرآن مجید میں اسکے اشارے موجود ہیں - لیکن چونکہ یہاں
نقلی بحث نہیں - ہم اُس کا ذکر نہیں کرتے -

معاملہ نکاح میں اختیار

دوسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا مختار کون ہے ؟ یہ ایک نہایت مہتم بالشان
سوال ہے - اور نکاح کے اثر کی خوبی یا برائی بہت کچھ اسی امر پر منحصر ہے - امام شافعی و امام
احمد حنبل کے نزدیک عورت گو عاقلہ بالغہ ہو - نکاح کے بارہ میں خود مختار نہیں ہے - یعنے

کسی حال مین وہ اپنا نکاح آپ نہین کرسکتی - بلکہ ولی کی محتاج ہے ان بزرگون نے ایک طرف تو عورت کو اس قدر مجبور کیا - دوسری طرف ولی کو ایسے وسیع اختیارات دیے کہ وہ زبردستی جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح باندھ دے عورت کسی حال مین انکار نہین کرسکتی - امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالغہ عورت اپنے نکاح کی آپ مختار ہے - بلکہ اگر نابالغی کی حالت مین ولی نے نکاح کردیا ہو تو بالغ ہوکر وہ نکاح کو فسخ کرسکتی ہے -

اس اختلاف کی اصلی بنیاد عورتون کے حقوق کے مسئلہ پر مبنی ہے - تمام مذہبون مین عورتون کی حالت نہایت پست قرار دیگئی ہے اور انکے حقوق نہایت تنگدلی سے قائم کئے گئے ہین ہندؤن اور عیسائیون کے ہان عورت کو میراث نہین ملتی - خود عرب مین اسلام سے پہلے یہی دستور تھا - اس طرح کے اور بہت سے امور ہین جنسے عورتون کا کم رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے - لیکن اسلام نے مردون اور عورتون کے حقوق یکسان درجہ پر قائم کئے اور فرمایا للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن امام ابوحنیفہ نے تمام مسائل مین اس اصول مساوات کو مرعی رکھا ہے - اور یہی خصوصیت ہے جو اس باب مین انکی فقہ کو اور ائمہ کی فقہ سے ممتاز کرتی ہے مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک - نکاح - طلاق - عتق وغیرہ معاملات مین عورتون کی شہادت اسی طرح معتبر ہے جس طرح مردون کی - بخلاف اسکے اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک عورتون کی شہادت کا اعتبار نہین - بعض معاملات مین ان بزرگون نے عورتون کی شہادت جائز بھی رکھی ہے تو یہ قید لگا دی ہے کہ دو سے کم نہون اور امام شافعی کے نزدیک تو چار سے کم کا کسی حالت مین اعتبار نہین - امام ابوحنیفہ کے نزدیک جس طرح ایک مرد کی گواہی معتبر ہے عورت کی بھی ہے - امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت منصب قضا پر مامور کیجا سکتی ہے - لیکن اور ائمہ مخالف ہین - اسی بنا پر انکے

نزدیک جب مرد نکاح کے معاملہ مین خود مختار قرار دیا گیا ہے تو عورت کو بھی ایسا ہی اختیار دینا چاہیئے۔

اس عام اصول مساوات کے قطع نظر۔ صورت متنازعہ مین خصوصیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ نکاح کا معاملہ۔ عام معاملات پر قیاس نہین کیا جا سکتا۔ نکاح ایک ایسا تعلق ہے جس کا اثر نہایت وسیع ہے اور زندگی کے اخیر وقت تک قائم رہتا ہے۔ اس لئے ایسے معاملہ مین ایک فریق کو بالکل بے اختیار رکھنا نہایت ناانصافی ہے۔

اس بحث مین امام شافعی کا مدار محض نقلی دلیلون پر ہے۔ لیکن اس میدان مین بھی امام ابوحنیفہ اُن سے پیچھے نہیں۔ اگر امام شافعی کو لا نکاح الا بولی۔ پر استدلال ہے تو امام صاحب کی طرف الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستاذن فی نفسہا۔ موجود ہے لیکن اس بحث کا یہ موقع نہین

تیسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا استحکام وبقا کس حد تک ضروری ہے۔ عقد نکاح کی خوبی کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے یعنی یہ کہ وہ تمدن کی بنیاد اور جماعتون کا شیرازہ ہے اسی حالت مین ہے جب وہ ایک مضبوط اور دیرپا معاملہ قرار دیا جاوے۔ ورنہ وہ صرف قضائے شہوت کا ایک ذریعہ ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اس اصول کو نہایت قوت کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے۔ انھون نے طریقہ انعقاد۔ تعین مہر۔ ایقاع طلاق۔ نفاذ خلع۔ کے جو قاعدے قرار دئے ہین اُن سب مین اس اصول سے کام لیا ہے۔

عقد نکاح کا استحکام

اسباب مین سب سے مقدم انکا یہ مسئلہ ہے کہ الطلاق مع استقامۃ حال الزوجین حرام۔ یعنی جب تک زوجین کی حالت استقامت پر ہے۔ طلاق دینا حرام ہے۔ ضرورت اور مجبوری ہی کی حالت مین طلاق کو جائز قرار دیا ہے تو اسکا طریقہ ایسا رکھا ہے جس سے اصلاح

اور رجعت کی امید منقطع نہ ہو یعنی یہ کہ تین بار کرکے طلاق دے اور ہر طلاق مین ایک مہینہ کا فاصلہ ہو تاکہ اس اثنا مین شوہر کو اپنے ارادے کے فیصل کرنیکے لیے کافی وقت ملے اگر وہ اس ارادے سے باز آنا چاہے تو باز آسکے۔ اور مستحب یہی ہے کہ باز آئے۔ اس وسیع مدت مین بھی اگر اصلاح و آشتی کی توقع نہ ہو۔ اور تجربہ سے ثابت ہو جائے کہ فریقین کی برہمی کسی طرح اصلاح پذیر نہین ہے۔ تو مجبوراً طلاق دے۔ طلاق کے بعد اوسکو مہر ادا کرنا ہوگا۔ اور تین مہینہ تک زوجہ کی خورد و نوش کی کفالت کرنی ہوگی۔ اس سے یہ مقصد ہے کہ جب تک وہ دوسرا شوہر نہ پیدا کرسکے۔ گزرا اور بسر اوقات کے لئے اس کو تکلیف نہ اُٹھانی پڑے اور مہر کی رقم عام مصارف مین کام آئے۔ اسباب مین امام حنفا کے مسائل ہو اور ائمہ سے مختلف ہین۔ ہم انکو ذیل مین یکجائی طور پر لکھتے ہین۔ جس سے اندازہ ہوسکے گا کہ امام صاحب نے معاملہ نکاح کو کیسا مہتم بالشان اور مضبوط معاملہ سمجھا اور ہر حالت مین اسکے قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔

ا جب تک فریقین کی حالت مین استقامت ہو طلاق حرام ہے۔	امام شافعی کے نزدیک حرام نہین۔
۲ ایک بار تین طلاق دینا حرام ہے اور اسکا مرتکب عاصی ہے۔	امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک کچھ مضائقہ نہین۔
۳ مہر کی تعداد کسی حالت مین دس درہم سے کم نہین ہو سکتی۔ اس سے یہ مقصد ہے کہ مرد کو فسخ طلاق پر آسانی سے جرأت نہو کیونکہ یہ تعداد غریب اور مفلس کے لئے ہے	امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایک حبہ بھی مہر ہو سکتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ مرد بیدریغ بے سوچے سمجھے طلاق دینے پر جرأت کر سکتا ہے اور عورت کو بوجہ اسکے

جبکو اس رقم کا ادا کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے امیرون کو دو چار ہزار کا ادا کرنا۔	کہ تفریق کے بعد محض مفلس اور نادار کو بھی تکلیف کا احتمال ہے۔
(۴) خلوت صحیحہ سے پورا مہر واجب ہوجاتا ہے	امام شافعی کے نزدیک نصف واجب ہوتا ہے
(۵) جسمانی بیماریان مثل برص کے فسخ نکاح کا سبب نہین ہوسکتین۔	امام شافعی و مالک کے نزدیک ان کی وجہ سے فسخ نکاح ہوسکتا ہے۔
(۶) اگر کوئی شخص مرض الموت مین طلاق دے اور عدت کے زمانہ مین اس کا انتقال ہوجائے تو عورت کو میراث ملے گی۔	امام شافعی کے نزدیک نہین ملے گی۔
(۷) طلاق رجعی کی حالت مین وطی حرام نہین ہے یعنی زوجیت کا تعلق ایسی معمولی بیزاری سے منقطع نہین ہوتا۔	امام شافعی کے نزدیک حرام ہے گویا وہ بائنہ ہوچکی۔
(۸) رجعت کے لئے اظہار زبانی کی ضرورت نہین ہر فعل جس سے رضامندی ظاہر ہو رجعت کے لئے کافی ہے مطلب یہ ہے کہ آسانی کیجائے تاکہ رجعت بادنیٰ مساعت ہوسکے۔	امام شافعی کے نزدیک بغیر اقرار و اظہار رجعت ہو ہی نہیں سکتی
(۹) رجعت پر گواہ مقرر کرنیکی کچھ ضرورت نہین ورنہ بعض حالتون مین گواہ نہ مل سکے اور رجعت کی مدت قریب الانقضا ہے تو طلاق بائن ہوجائیگی۔	امام مالک کے نزدیک بغیر استشہاد کے رجعت صحیح نہین ہے۔

نکاح کے فوائد مرتب ہونے کے لئے یہ ایک نہایت ضروری امر ہے کہ فریقین کے حقوق نہایت فیاضی اور اعتدال کے ساتھ قائم کئے جائین۔ عورتون کو مردون کے ساتھ جن باتون مین مساوات حاصل ہے وہ باطل نہ ہونے پائے۔ کیونکہ نکاح سے عورت کو اپنے امن و راحت کی توقع ہونی چاہئے۔ نہ یہ کہ اُسکے اصلی حقوق مین زوال آئے۔ یہ اسلام کی خاص فیاضی ہے جسکی نظیر اور کسی مذہب مین نہین ملسکتی کہ اُسنے معاملۂ نکاح مین عورتون کے حقوق نہایت وسعت کے ساتھ قائم کئے ہین۔ امام ابوحنیفہ نے اِس اصول کو تمام مسائل مین محفوظ رکھا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اِن مسائل مین جہان اور ائمہ نے اُن سے اختلاف کیا ہے۔ صریح غلطی کی ہے مثلاً خلع کا معاملہ جو طلاق سے مشابہ ہے۔

عورتون کے حقوق

اسباب مین تو سب ائمہ متفق ہین کہ جس طرح مرد کو طلاق کا حق دیا گیا ہے۔ اسی طرح عورت کو کچھ معاوضہ دیکر خلع کا اختیار ہے۔ لیکن اِس امر مین اختلاف ہے کہ اِس معاوضہ کی کیا صورت ہے۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ اگر عورت کا قصور ہے اور خود اُسکی بدسلوکی تفریق کا سبب ہوئی ہے تو اُس مہر کی مقدار کے برابر شوہر کو معاوضہ دینا چاہئے۔ مرد اگر اِس مقدار سے زیادہ معاوضہ کا خواہان ہو تو مکروہ ہے۔ لیکن اگر مرد کی شرارت ہے تو عورت بغیر کسی جرمانہ ادا کرنے کے خلع کی مستحق ہے اور مرد کو خلع کا معاوضہ لینا مکروہ ہے۔ امام شافعی و امام مالک کے نزدیک اولاً مرد جس قدر چاہے معاوضہ لے سکتا ہے۔ اور اسپر عورت کو مجبور کرسکتا ہے اِس سے بڑھکر یہ کہ گو شرارت اور زیادتی مرد کی ہو تاہم وہ عورت سے معاوضہ لے سکتا ہے اور جس قدر چاہے لے سکتا ہے۔ حالانکہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ عورت بیگناہ بھی ہو اور معاوضہ بھی ادا کرے۔

اخیر بحث یہ ہے کہ نکاح کن دستورات کے ساتھ عمل مین آئے۔ ان رسوم مین صرف

دو مقصود پیش نظر ہیں۔ اول یہ کہ فریقین کی رضامندی محقق ہوجائے۔ دوسرے یہ کہ واقعہ عقد کا اشتہار ہو جائے۔ ان اغراض کے لحاظ سے۔ امام ابو حنیفہ نے نہایت مناسب قاعدے قرار دیئے ہیں۔ یعنی یہ کہ فریقین ایسے الفاظ استعمال کریں جن سے ظاہر ہو کہ انھون نے معاملہ نکاح کو قبول کر لیا ہے اور یہ کہ عقد نکاح دو گواہون کے سامنے عمل مین آئے یہ دونون سادہ اور آسان شرطین ہیں جو ہر موقع پر استعمال کی جا سکتی ہین لیکن بعض ائمہ نے بخلاف اس کے ان شرطون مین ایسی سخت قیدین لگائی ہین جنکی پابندی نہایت مشکل ہے امام شافعی کا مذہب ہے کہ گواہان نکاح عادل ہونے پایئن ورنہ نکاح صحیح نہین۔ عدالت کے جو معنی مجتہدین اور خاصکر امام شافعی نے بیان کئے ہین اُسکے لحاظ سے ہزارون مین ایک آدھ عادل ہو سکتا ہے۔ اسی لئے اگر یہ قید ضروری سمجھی جاوے تو صحیح نکاح کا وجود ڈھونڈھے سے نہ مل سکے۔ امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک ضرور ہے کہ گواہ مرد ہون۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک عورتین بھی گواہ ہو سکتی ہین اور یہی قرین عقل بھی ہے امام شافعی نے یہ بھی قید لگائی ہے کہ خاص تزویج کے الفاظ استعمال کئے جایئن۔ حالانکہ خاص الفاظ کی پابندی کا کچھ حاصل نہین۔ جو الفاظ اس مفہوم پر دلالت کرتے ہین۔ مثلاً ہبہ تملیک وغیرہ سب عقد نکاح کے لئے کافی ہین۔

(۲) ایک بڑی خصوصیت جو حنفی فقہ کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اسنے ذمیون یعنی اُن لوگون کو جو مسلمان نہین ہین لیکن مسلمانون کی حکومت مین مطیعانہ رہتے ہین نہایت فیاضی اور آزادی سے حقوق بخشے ہین اور یہ وہ خصوصیت ہے جسکی نظیر کسی امام اور مجتہد کے مسائل مین نہین ملتی۔ اگرچہ ذمیون کے حقوق کی حفاظت خود شارع کی ہدایتون مین جا بجا موجود ہے لیکن چونکہ وہ عام کلیات ہین۔ اسکے علاوہ شارع کے بعض اقوال بظاہر اسکے خلاف معلوم ہوتے ہین اس لئے اُن کی تعبیر مطالب مین اختلافات پیدا ہوئے ہین تاہم کچھ شبہ نہین

(حاشیہ: مسئلہ نکاح)

(حاشیہ: حنفی فقہ کی خصوصیت / ذمیون کے حقوق)

کہ جو تعبیر امام ابو حنیفہ نے کی وہی صحیح تعبیر تھی اسلام نہایت وسیع دنیا پر حکمران رہا ہے اور اسکی حدود حکومت میں سیکڑون غیر قومین آباد تھین اور رہیں اس لئے اگر انکے حقوق کی واجبی حفاظت نہ کی جاوے تو ایک دن بھی امن قائم نہین رہ سکتا۔ امام ابو حنیفہ نے ذمیون کو جو حقوق دیے ہین دنیا مین کسی گورنمنٹ نے کبھی کسی غیر قوم کو نہین دئے یورپ جسکو اپنے قانون انصاف پر بڑا ناز ہے۔ بیشک زبانی دعوی کر سکتا ہے۔ لیکن عملی مثالین نہین پیش کر سکتا حالانکہ امام ابو حنیفہ کے یہ احکام۔ اسلامی گورنمنٹون مین عموماً نافذ تھے اور خاصکر ہارون الرشید اعظم کی وسیع حکومت انہین احکام پر قائم تھی۔

سب سے بڑا مسئلہ قتل و قصاص کا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ذمیون کا خون مسلمانون کے خون کے برابر ہے۔ یعنی اگر مسلمان۔ ذمی کو عمداً قتل کر ڈالے تو مسلمان بھی اسکے بدلے قتل کیا جائیگا۔ اور اگر غلطی سے قتل کیا ہے تو جو خون بہا مسلمان کے قتل بالخطا سے لازم آتا ہے وہی ذمی کے قتل سے بھی لازم آئے گا۔

"تذکرہ امام رازی نے اپنی کتاب مناقب شافعی مین حنفیون کو طعنہ دیا ہے کہ ان کے نزدیک ابو بکر صدیق کا خون اور ایک ذلیل ذمی کا خون برابر ہے۔ یعنی اگر ابو بکر صدیق بجرم کسی ذمی کو قتل کر ڈالتے تو حنفیون کے نزدیک وہ بھی قتل کیے جانے کے مستحق تھے"

حنفیون نے اس مسئلہ کی تعمیم مین کہین یہ مثال نہین دی ہے۔ امام رازی نے اس غرض سے کہ وہ اس مسئلہ کو بدنما کر کے دکھائین خود یہ مثال فرض کی ہے۔ لیکن ہم فخر کے ساتھ اس طعنہ کو قبول کرتے ہین بے شبہ انصاف اور حق کی حکومت مین شاہ و گدا۔ مقبول و مردود کا ایک رتبہ ہے۔ بے شبہہ یہ اسلام کی بڑی فیاضی ہے کہ اسنے اپنی رعایا کو اپنی برابر سمجھا۔ اسلام کو اس انصاف پر ناز ہو سکتا ہے۔ اگر امام رازی کو عار آتی ہے تو آئے

اضافہ ہوسکتا ہے مگر کسی صورت مین کمی نہین ہوسکتی - ذمیون کی شہادت گو فریقین مقدمہ ذمی ہون کسی حال مین مقبول نہین - اس مسئلہ مین امام مالک وامام شافعی دونون متفق ہین ذمی کبھی حرم مین نہین داخل ہوسکتا - اور نہ وہ مکہ اور مدینہ منورہ مین آباد ہوسکتا ہے امام شافعی کے نزدیک عام مسجدون مین اجازت کے ساتھ داخل ہوسکتا ہے لیکن امام مالک وامام حنبل کے نزدیک اسکو بالکل اجازت نہین مل سکتی - ذمی - اسلامی حدود حکومت مین کہین اپنی عبادت گاہ نہین بنا سکتا ہے - ذمیون پر اعتبار نہین کیا جاسکتا اور وہ اسلامی فوج مین شریک نہین ہوسکتے - ذمی اگر کسی مسلمان کو قصداً قتل کرڈالے یا کسی مسلمان عورت کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو تو اسی وقت اسکے تمام حقوق باطل ہوجاوینگے اور وہ کافر حربی سمجھا جائے گا - یہ احکام بھی عیسائیون اور یہودیون کے ساتھ خاص ہین ورنہ امام شافعی کے نزدیک بت پرستون کو جزیہ ادا کرنے پر بھی اسلامی حدون مین رہنے کی اجازت نہین +

یہ تمام احکام ایسے سخت ہین جنکا تحمل ایک ضعیف سے ضعیف محکوم قوم بھی نہین کرسکتی اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی وغیرہ کا مذہب سلطنت کے ساتھ نہ نبہ سکا - مصر مین بے شبہہ ایک مدت تک گورنمنٹ کا مذہب شافعی تھا - لیکن اس کا یہ نتیجہ تھا کہ عیسائی اور یہودی قومین اکثر بغاوت کرتی رہین -

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ فقہ حنفی کی کتابون مین ذمیون کے متعلق چند ایسے احکام بھی مذکور ہین جو نہایت سختی اور تنگدلی پر مبنی ہین اور چونکہ وہ اس طریقہ سے ظاہر کئے گئے ہین کہ گویا وہ خاص امام ابوحنیفہ کے مسائل ہین اس لئے غیر قومون کو مذہب حنفی پر بلکہ عموماً مذہب اسلام پر حملہ کرنے کا موقع ملا ہے - ہدایہ مین ہے کہ ذمیون کو ضرور ہے کہ وہ

ہتیار نہ لگائیں۔ زنار پہنیں۔ اُنکے گھرون پر علامت بنا دیجاوے جس سے ظاہر ہو کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہین" وغیرہ وغیرہ صاحب ہدایہ نے اِن احکام کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ذمیون کی تحقیر ضروری ہے۔

فتاوی عالمگیری مین اس سے بھی زیادہ سخت و بیرحمانہ احکام ہین۔ لیکن یہ جو کچھ ہے متاخرین فقہا کی ایجاد ہے ورنہ امام ابوحنیفہ کا دامن اس داغ سے پاک ہے۔

امام ابوحنیفہ سے جو کچھ اسباب مین مروی ہے وہ صرف اس قدر ہے[1] کہ ذمی زنار باندہین اور ایسے زین پر سوار ہون جنکی شکل ہتیلی کی سی ہوتی ہے۔ البتہ قاضی ابو یوسف صاحب[2] نے بعض اور احکام اسپر بڑہائے ہیں اور وہ یہ ہین کہ ذمی مسلمانون کے ساتھ وضع قطع لباس سواری مین مشابہت نہ اختیار کرین۔ اور لمبی ٹوپیان اوڑہین اور اُنکے زین کے آگے گول لکڑی ہو اور اُن کی جوتیون کے تسمے دوہرے ہون اور اُنکی عورتین کجاوُن پر نہ سوار ہون۔ قاضی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر نے ذمیون کے بارہ مین یہی احکام صادر کئے تھے۔ اور اُسکی وجہ خود حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ذمیون کی وضع مسلمانون کی وضع سے الگ رہے۔

بلاشبہ یہ حضرت عمر کے احکام ہین لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ احکام ذمیون کی تحقیر کی وجہ سے صادر ہوئے تھے سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے کہ اس غلطی کا ارتکاب اکثر متاخرین فقہا نے کیا ہے۔ بے شبہہ حضرت عمر کا ایک طبعی مذاق تھا کہ وہ قومی امتیاز کو پسند کرتے تھے۔ اُنھون نے اہل فوج کو اکثر فرمانون مین لکھا ہے کہ وہ جاڑون مین دہوپ کھانا چھوڑین۔ گھوڑون پر رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہون۔ موٹے کپڑے استعمال کرین

---

[1] دیکھو جامع صغیر امام محمد۔ [2] قاضی ابو یوسف صاحب نے یہ احکام کتاب الخراج مین لکھے ہین۔

جس سے مقصد یہ تھا کہ اہل عرب اپنے ملک اور وطن کی خصوصیت کو محفوظ رکھین اس بنا پر انھون نے اہل عجم کو جنھون نے اسلام نہین قبول کیا تھا تاکید کی کہ وہ اپنی قومی خصوصیتون کو ضائع نہونے دین۔ اہل عجم زمانہ اسلام سے پہلے زنار باندھتے تھے۔ لمبی ٹوپیان اوڑھتے تھے۔ اُنکے زین آجکل کے انگریزی زین کے مشابہ ہوتے تھے اُن کی عورتین اونٹون پر نہین سوار ہوتی تھین چنانچہ انھی رسوم و عادات کی نسبت حضرت عمر نے حکم دیا کہ اہل ذمہ اُسکی پابندی کرین۔ یہی احکام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف نے قائم رکھے جنکا مقصد صرف اس قدر ہے کہ دونون قومین اپنی خصوصیات پر قائم ہین۔

البتہ امام ابو حنیفہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اہل ذمہ اسلامی شہرون مین اپنی عبادت گاہین نہ بنائین لیکن اُن کا مقصد صرف اس قدر تھا کہ امن و امان مین خلل نہ ہو اور مسلمان رعایا جو اکثر عرب کی نسل سے تھے اور ناقوس کی صداؤن سے اُنکے کان آشنا نہ تھے فساد پر نہ آمادہ ہون۔ اس حکم نے ذمیون کے حق مین چندان دقت بھی نہین پیدا کی۔ مسلمانون نے جو شہر آباد کئے دو چار شہر سے زیادہ نہ تھے باقی تمام ملک انہین شہرون سے معمور تھا جو غیر قومون کے آباد کئے ہوئے تھے اور جہان ذمیون کو عموماً عبادت گاہون کے بنانے کی اجازت تھی اسلامی شہرون مین بھی یہ قید اُس وقت تک قائم رہی جب تک فتنہ کا احتمال رہا جب یہ خوف جاتا رہا تو ذمیون کو عام اجازت ملگئی۔ چنانچہ بغداد مین جو خاص اسلامی شہر تھا سیکڑون ہزارون چرچ اور گرجے تعمیر ہوئے۔

پانچوین خصوصیت فقہ حنفی کا نصوص شرعی کے موافق ہونا

(۵) ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو احکام نصوص سے ماخوذ ہین اور جن مین آئمہ کا

لہ خلیفہ منصور نے اپنے درباریون کو اسی قسم کی ٹوپیون کے اوڑھنے پر مجبور کیا تھا جسکی نسبت مورخین لکھتے ہین کہ منصور نے عجم کی تقلید کی۔ ۱۲

اختلاف ہے اُن مین امام ابوحنیفہ جو پہلو اختیار کرتے ہین وہ عموماً نہایت قوی اور
مدلل ہوتا ہے نص کا لفظ قرآن ۔ حدیث دونون پر اطلاق کیا جاتا ہے اور اس لحاظ سے
وہ احکام بھی نصی کہے جاتے ہین جو قرآن سے نہین بلکہ صرف حدیث سے ثابت ہین لیکن
اس موقع پر ہم ان سے بحث نہین کر سکتے ۔ اور اُسکی مختلف وجوہ ہیں اول تو یہ کہ اس قسم
کے مسائل نہایت کثرت سے ہیں جن کا مختصر سے مختصر حصہ بھی اس کتاب مین نہین آسکتا
اگر چند مسائل نمونہ کے طور پر بیان کئے جائین تو بدگمانون کو اس سوءِ ظن کا موقع باقی
رہتا ہے کہ چند قوی مسائل لے لئے اور ضعیف چھوڑ دئے ۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ
آج اُن مسائل کا فیصلہ مجتہدانہ نہین ہو سکتا ۔ حدیث کے متعلق بہت بڑی بحث صحت و عدم
صحت کی پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس نے مسائل فقہ مین ائمہ کو مختلف الآرا کر دیا ہے
ایک امام کے نزدیک ایک حدیث قابل حجت ہے دوسرے کے نزدیک نہین اس بحث کے
تصفیہ کے لئے جو سامان ہمارے ملک مین موجود ہے وہ بالکل ناکافی ہے اور اُس سے
کسی حدیث کی نسبت مجتہدانہ فیصلہ نہین کیا جا سکتا ۔ بڑا مرحلہ اسماء الرجال کا ہے اس فن
کی جو کتابین ہمارے ملک مین موجود ہین مثلاً تہذیب الکمال مزی تہذیب التہذیب میزان
الاعتدال طبقات الحفاظ ۔ تہذیب الاسماء ۔ واللغات وغیرہ ان مین جرح و تعدیل کے
متعلق ائمہ کے جو اقوال مذکور ہین اکثر انکا سلسلۂ سند مذکور نہین اس لئے محدثانہ حیثیت سے
اس کے ثبوت و عدم ثبوت کا تصفیہ نہین ہو سکتا اسکے علاوہ اکثر جروح مبہم ہین اور جن
جرحون کو مفسر قرار دیا ہے ۔ وہ بھی ابہام سے خالی نہین ۔ قدما نے اس فن مین جو تصنیفات
لکھین اُن سے بے شبہہ یہ مباحث طے ہو سکتے ہین لیکن وہ یہان میسر نہین آتین علمائے
حنفیہ نے خاص اس بحث پر کہ حنفی فقہ کے مسائل احادیث صحیحہ سے ثابت ہین ۔ بہت سی

کتابین لکھی ہین جس کو زیادہ شوق ہو اُن تصنیفات کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

لیکن قرآن مجید مین اِس بحث کا بڑا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن کے ثبوت مین کسی کو کلام نہین ہو سکتا۔ اِس لئے ترجیح کا مدار صرف اسپر رہجاتا ہے کہ جو مسئلہ اُس سے مستنبط کیا گیا۔ صحیح طور پر کیا گیا۔ یا نہین اِس حالت مین بحث مختصر رہجاتی ہے اور نہایت آسانی سے اُس کا تصفیہ ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید سے جو احکام ثابت ہین اُن کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے اور وہ فقہ کے مہمات مسائل ہین اِس لئے اگر یہ ثابت ہو کہ حنفی فقہ کے مسائل نصوص قرآن سے زیادہ مطابق ہین تو مہمات مسائل مین فقہ حنفی کی ترجیح بآسانی ثابت ہو جائے گی۔ اِس کے ساتھ یہ بھی ثابت ہو جائے گا۔ کہ امام ابو حنیفہ کو حیثیت اجتہاد مین تمام ائمہ پر ترجیح ہے کیونکہ اجتہاد کا مدار زیادہ تر استنباط اور استخراج ہی پر ہے

اِس بدگمانی کی تردید کہ فقہ حنفی کے مسائل حدیث کے مخالف ہین

اِن وجوہ کی بنا پر۔ اگرچہ ہم صرف اُن مسائل پر اکتفا کرتے ہین۔ جو قرآن سے ثابت ہین تاہم حدیث کے متعلق ایک اجمالی بحث ضرور ہے۔ جس سے بدگمانون کو سوء ظن کا موقع نہ ہو بعض لوگون کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے مخالف ہین ان لوگون مین سے بعض نے الزام دیا ہے کہ امام صاحب نے دانستہ حدیث کی مخالفت کی۔ بعض انصاف پسند وجہ یہ بتاتے ہین کہ امام صاحب کے زمانہ تک احادیث کا استقصا نہین کیا گیا تھا اِس لئے بہت سی حدیثین اُنکو نہین پہنچین لیکن یہ خیال محض لغو اور بے سروپا ہے امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثین جمع نہین ہوئی تھین لیکن جب جمع ہو چکین اوس وقت بڑے بڑے محدثین اُنکے مسائل کو کیون تسلیم کرتے رہے۔ وکیع بن الجراح جن کی روایتین صحیح بخاری مین بکثرت موجود ہین اور جنکی نسبت امام بن احمد حنبل کہا کرتے تھے کہ مین نے اُن سے بڑھکر کسی کو حافظ العلم نہین دیکھا وہ امام ابو حنیفہ کے

مسائل کی تقلید کرتے تھے خطیب بغدادی نے انکے حال میں لکھا ہے کان یفتی بقول ابی حنیفہ[1] یحییٰ بن سعید بن القطان جو فن جرح و تعدیل کے موجد ہیں اکثر مسائل میں امام ابو حنیفہ کے پیرو تھے خود ان کا قول ہے قد اخذنا باکثر اقوالہ[2] امام طحاوی جو حافظ الحدیث تھے اور مجتہد فی المذہب کا درجہ رکھتے تھے۔ پہلے شافعی تھے۔ پھر امام ابو حنیفہ کے مسائل اختیار کئے اور کہا کرتے تھے کہ میں ابو حنیفہ کا مقلد نہیں ہوں بلکہ مجھکو ان سے توارد ہے۔ طحاوی امام بخاری و مسلم کے ہمزمان ہیں اور یہ وہ زمانہ ہے جب حدیث کا دفتر کامل طور سے مرتب ہو گیا تھا۔ متاخرین میں علامہ ماردینی۔ حافظ زیلعی۔ ابن الہمام۔ قاسم بن قطلوبغا وغیرہم کی نسبت قلت نظر کا کون گمان کر سکتا ہے؟ یہ لوگ عموماً حنفی مسائل کے حامی ہیں۔

اسکے علاوہ جو لوگ عموماً حافظ الحدیث تسلیم کئے گئے ہیں انکے مسائل امام ابو حنیفہ سے کیوں موافق ہیں؟ طبقہ اولیٰ میں سب سے بڑے محدث امام احمد حنبل ہیں جن کی شاگردی پر بخاری و مسلم کو ناز تھا۔ اور جن کی نسبت محدثین کا عام قول ہے کہ جس حدیث کو احمد حنبل نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں۔ امام احمد حنبل بہت سے مسائل میں امام شافعی کے مخالف اور امام ابو حنیفہ کے موافق ہیں۔ خوارزمی نے لکھا ہے کہ فروع و جزئیات چھوڑ کر امہات فقہ کے متعلق ایک سو چھپیں مسئلوں میں ان کو امام ابو حنیفہ کے ساتھ اتفاق ہے اور امام شافعی سے اختلاف۔ ہم نے خود بہت سے مسائل میں تطبیق کی ہے جس سے خوارزمی کے دعوے کی تائید ہوتی ہے۔ سفیان ثوری امام احمد حنبل کو محدثین نے امام الحدیث تسلیم کیا ہے ان کے مسائل امام ابو حنیفہ کے مسائل کے موافق ہیں۔ قاضی ابو یوسف کہا کرتے

[1] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلۃ ترجمہ وکیع بن الجراح ۱۲ [2] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲

سنتے کہ۔ واللہ سفیان اکثر متابعۃ منی لابی حنیفۃ یعنی "خدا کی قسم سفیان مجھ سے زیادہ ابو حنیفہ کی پیروی کرتے ہین"۔ صحیح ترمذی مین سفیان ثوری کے مسائل مذکور ہین۔ جو زیادہ تر شافعی کے مخالف اور ابو حنیفہ کے موافق ہین۔

اس خیال کے پیدا ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض محدثین مثلاً امام بخاری ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے متعدد مسائل کی نسبت تصریح کی ہے کہ حدیث کے خلاف ہین ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے رد مین ایک مستقل باب لکھا ہے لیکن یہ خیال کرنیوالون کی کوتاہ نظری ہے۔ اکثر ائمہ نے ایک دوسرے پر جرح و اعتراض کیا ہے امام شافعی امام مالک کے با اخلاص شاگرد تھے اور کہا کرتے تھے کہ "آسمان کے نیچے موطا ہی امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہین"۔ باوجود اسکے انھون نے امام مالک کی رد مین ایک مستقل رسالہ لکھا جسمین دعوے کیا ہے کہ امام مالک کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے خلاف ہین امام رازی نے مناقب الشافعی مین اس رسالہ کا دیباچہ نقل کیا ہے اور خود ہماری نظر سے گزرا ہے لیث بن سعد جو مشہور محدث ہین کہا کرتے تھے کہ "امام مالک نے ستر مسئلون مین حدیث کی مخالفت کی۔ چنانچہ میرا ارادہ ہے کہ مین اُن کو اس امر کی نسبت خط لکھون"۔ امام شافعی بھی اس اعتراض سے نہین بچے اور کیونکر بچ سکتے تھے۔ جہر بسم اللہ و قنوت فی الفجر و ترک توریث ذوی الارحام وغیرہ مسائل مین اُن کا مذہب صریح حدیثون کے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اجتہادی امور ہین اور اُنکی بنا پر ہم کسی کو مخالف حدیث نہین کہہ سکتے۔ جس حدیث کو ایک مجتہد صحیح سمجھتا ہے ضرور نہین کہ وہ دوسرے مجتہد کے نزدیک بھی صحیح ہو پھر اس مرحلہ کے طے ہونے کے بعد استنباط و استدلال کی بحث باقی رہتی ہے جس مین مجتہدین بہت کم متفق الرائے ہوسکتے ہین

کیونکہ استنباط و استدلال کے اصول جداگانہ ہین امام بخاری کا جزء القرءۃ ہمنے دیکھا ہے جا بجا صحیح ہین۔ جہان وہ امام ابوحنیفہ کی طرف اشارہ کرتے ہین اُس سے بھی ہم واقف ہین بے شبہ اُن مسئلون مین امام بخاری کا دعوےٰ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب حدیث کے مخالف ہے لیکن امام بخاری کی تحریر اور امام ابوحنیفہ کا فتویٰ دونون ہمارے سامنے ہین اور ہم خود سمجھ سکتے ہین کہ اُن مسائل مین امام صاحب کا مذہب حدیث کے مخالف ہے یا امام بخاری کے فہم و اجتہاد کے مخالف ہے۔ قرأت فاتحہ کے مسئلہ مین امام ابوحنیفہ کا استدلال اس آیت پر ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا امام بخاری جزء القرأۃ مین فرماتے ہین کہ یہ آیۃ خطبہ کے بارہ مین اُتری ہے یعنی نماز سے اسکو تعلق نہین۔ امام بخاری کا یہ جواب کس قدر حیرت انگیز ہے اگر رسالہ جزء القرارۃ خود بخاری نظر سے نگذرا ہوتا تو ہمکو مشکل سے یقین آتا کہ واقعی یہ امام بخاری کا قول ہے اول تو بیسون روایتون سے ثابت ہے کہ یہ آیت نماز مین اُتری ہے لیکن اگر ہم انہی کے قول کو تسلیم کرین تو یہ کون نہین جانتا کہ موقع ورود کے خاص ہونے سے آیت کا حکم جو صرف عام ہے۔ خاص نہین ہو سکتا۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ امام و مقتدی کو آمین آہستہ کہنی چاہیئے۔ امام بخاری برخلاف اسکے جہر کے قائل ہین اور دلیل یہ لاتے ہین کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ "جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو" لیکن اس حدیث مین جہر کا کہان ذکر ہے۔ اور مطلق آمین کہنے سے تو امام ابوحنیفہ کو بھی انکار نہین۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ نبیذ تمر سے بشرطیکہ مسکر نہ ہو وضو جائز ہے امام بخاری اس کے خلاف ترجمۃ الباب باندھتے ہین اور حدیث نقل کرتے ہین کہ کل ما اسکر حرام۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ مقتدی کے لئے قراءۃ فاتحہ ضروری نہین۔ امام بخاری وجوب کے مدعی ہین اور جامع صحیح مین باب باندھا ہے کہ امام و مقتدی پر ہر نماز مین خواہ سفر مین ہو یا حضر مین۔ نماز خواہ جہری ہو یا سری قرارت واجب ہے۔ اس دعوی پر دو حدیثین پیش کی ہین ایک یہ کہ "کوفہ والون نے حضرت عمرؓ کے پاس سعد بن ابی وقاص کی شکایت کی حضرت عمرؓ نے انکو معزول کردیا۔ اور بجائے انکے عمار کو مقرر کیا۔ کوفہ والے عمار کے بھی شاکی ہوئے کہ انکو تو نماز پڑھنی بھی نہین آتی۔ حضرت عمرؓ نے عمار کو بلا بھیجا اور انسے کہا کہ ان لوگون کا یہ گمان ہے۔ عمار نے کہا واللہ مین انکے ساتھ رسول اللہ کی سی نماز پڑھتا تھا تو پہلی دو رکعتون مین دیر تک قیام کرتا تھا۔ اور دو اخیر کی رکعتون مین تخفیف کرتا تھا۔"

اس حدیث سے قرارت فاتحہ کا وجوب کیونکر ثابت ہوا حافظ ابن حجر وغیرہ نے جو تاویلیں کی ہین ان سے اگر بہزار دقت وجوب پر استدلال بھی ہو تو کیا اسکی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے حدیث کی مخالفت کی۔!!

حقیقت یہ ہے کہ کسی مجتہد کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اس کو احکام کے متعلق حدیثین نہین پہنچین سخت غلطی ہے لیکن چونکہ حدیثون کا معیار صحت وجوہ استنباط۔ طرق استدلال تمام مجتہدین کے نزدیک متحد نہین ہے اس لئے مسائل مین اختلاف کا پیدا ہونا ضرور تھا۔

اب ہم اس ضمنی بحث کو چھوڑ کر اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہین۔ ہمارا دعوے ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیتین جنسے کوئی مسئلہ فقہی مستنبط کیا گیا ہے۔ انکے وہی معنی صحیح اور واجب العمل ہین جو امام ابوحنیفہ نے قرار دئے ہین۔ قرآن مجید مین احکام کی آیتین سو سے متجاوز ہین اس لئے ہم انکا استقصا تو نہین کرسکتے البتہ مثال کے طور پر متعدد مسائل کا

ذکر کرتے ہین جن سے ایک عام اجمالی خیال قائم ہوسکتا ہے۔

فرائض وضو

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ وضو مین چار فرض ہین۔ امام شافعی دو فرض اور اضافہ کرتے ہین یعنی نیت اور ترتیب امام مالک بجائے اُنکے موالات کو فرض کہتے ہین۔ امام احمد حنبل کا مذہب ہے کہ وضو کے وقت بسم اللہ کہنا ضرور ہے۔ اور اگر قصداً نہ کہا تو وضو باطل ہے امام صاحب کا استدلال ہے کہ آیت مین صرف چار حکم مذکور ہین۔ اس لئے جو چیز ان احکام کے علاوہ ہے وہ فرض نہین ہوسکتی۔ نیت و موالاۃ و تسمیہ کا تو آیۃ مین کہین وجود نہین۔ ترتیب کا گمان البتہ واو کے حرف سے پیدا ہوتا ہے لیکن علماء عربیت نے متفقاً طے کردیا ہے کہ واو کے مفہوم مین ترتیب داخل نہین۔

امام رازی نے تفسیر کبیر مین ترتیب کی فرضیت کے لئے متعدد دلیلین پیش کی ہین لیکن انصاف یہ ہے کہ اُن کا رتبہ تاویل سے بڑھ کر نہین۔ بڑا استدلال یہ ہے کہ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ مین حرف فا تعقیب کے لئے ہے جس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ منہ کا پہلے دھونا فرض ہے اور جب ایک رکن مین ترتیب ثابت ہوئی تو باقی ارکان مین بھی ہونی چاہیئے۔ دوسری دلیل یہ لکھی ہے کہ وضو کا حکم خلاف عقل حکم ہے اس لئے اُس کی تعمیل بھی اُسی ترتیب سے فرض ہونا چاہیئے جس طرح آیت مین مذکور ہے کیونکہ وضو کا حکم جس طرح خلاف عقل ہے۔ ترتیب بھی خلاف عقل ہے۔ امام رازی کی یہ دلیلین جس رتبہ کی ہین خود ظاہر ہین اُسپر رد و قدح کی ضرورت نہین۔

عورت کے چھونے سے وضو نہین ٹوٹتا

امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہین ٹوٹتا۔ امام شافعی اسکے مخالف ہین اور استدلال مین یہ آیت پیش کرتے ہین۔ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا

یعنی اگر تم بیمار ہو۔ یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص غائط[1] سے آئے یا تم نے عورت کو چھوا ہو۔ اور تمکو پانی نہ ملے تو تم تیمم کرو۔"

امام صاحب فرماتے ہیں کہ عورت کے چھونے سے جماع و مقاربت مراد ہے اور یہ قرآن مجید کا عام طرز ہے کہ ایسے امور کو صریحاً تعبیر نہیں کرتا" لطف یہ ہے کہ اسی لفظ کا ہم معنے لفظ "مس" جس کے معنے چھونے کے ہیں۔ خدا نے اس آیت میں جماع کے معنی میں استعمال کیا ہے اور خود امام شافعی تسلیم کرتے ہیں کہ وہاں جماع ہی مقصود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں ملامستہ کے ظاہری معنے لینے ایسی غلطی ہے جو ہرگز اہل زبان سے نہیں ہو سکتی اس آیت میں غائط کا لفظ بھی تو ہے اسکو تمام مجتہدین کنایہ قرار دیتے ہیں۔ ورنہ ظاہری معنے لئے جائیں تو لازم آئے کہ جو شخص ہموار زمین سے ہو کر آئے اوسپر وضو کرنا واجب ہو۔"

میری رائے میں امام شافعی کا اگرچہ یہ مذہب ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن اُن کا استدلال اس آیت پر نہیں ہے وہ حدیث سے استناد کرتے ہونگے غالباً اُنکے بعد اُنکے مقلدوں نے حنفیہ کے مقابلہ کے لئے آیت سے استدلال کیا اور اسکو امام شافعی کی طرف منسوب کر دیا۔

ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہیں

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہیں۔ امام مالک و شافعی کی رائے ہے کہ ہر فرض کے لئے نیا تیمم کرنا چاہیئے۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ جو حیثیت وضو کے حکم کی ہے وہی تیمم کی ہے اور جب ہر نماز کے لئے وضو کی ضرورت نہیں تو تیمم کی تجدید کی بھی ضرورت نہیں البتہ جن لوگوں کا مذہب ہے کہ ایک وضو سے

[1] غائط کے معنی ہموار زمین کے ہیں لیکن اس سے جائے ضرور یعنی پاخانہ مراد ہے ۱۲

کئی نمازیں نہیں ادا ہو سکتیں وہ تیمم کی نسبت بھی یہ حکم لگا سکتے ہیں لیکن وضو و تیمم میں تفریق کرنی جیسا کہ امام شافعی وغیرہ نے کی محض بے وجہ ہے۔

تیمم کا اثناء نماز میں پانی پر قادر ہونا۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ اثنائے نماز میں متیمم کو اگر پانی ملجائے تو تیمم جاتا رہے گا امام مالک و احمد حنبل اس کے مخالف ہیں امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ قرآن میں تیمم کا جواز اس قید کے ساتھ مشروط ہے کہ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً یعنی جب پانی نہ ملے۔ صورت مذکورہ میں جب شرط باقی نہیں رہی تو مشروط بھی باقی نہیں رہا۔

باب الصلوٰۃ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں

امام صاحب کا قول ہے کہ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں اور فارسی زبان میں تکبیر کہنا درست ہے امام شافعی وغیرہ مخالف ہیں۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ جس آیت سے تکبیر کی فرضیت ثابت کی گئی ہے یعنی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی اس میں زبان کی کوئی خصوصیت نہیں اور چونکہ یہ فار تعقیب داخل ہے اس لئے نماز کا وجود تکبیر سے موخر ہونا ضرور ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر گو فرض ہے لیکن نماز میں داخل نہیں۔ اور جزو نماز نہیں۔

مقتدی کو قرات فاتحہ ضروری نہیں

امام صاحب کا مذہب ہے کہ مقتدی کو قرارت فاتحہ ضروری نہیں۔ امام شافعی و امام بخاری وجوب کے قائل ہیں۔ امام صاحب اس آیت سے استدلال کرتے ہیں وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا "جب قرآن پڑھا جاوے تو سنو اور چپکے رہو" اگرچہ اس آیت سے سری نمازوں میں بھی ترک قراءۃ کا حکم ثابت ہوتا ہے لیکن خاص کر جہری نماز کے لئے تو وہ نص قاطع ہے جس کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی تعجب ہے کہ شافعیہ نے ایسے صاف اور صریح آیت کے مقابلہ میں حدیثوں سے استدلال کیا ہے حالانکہ حدیثیں جو اس باب میں وارد ہیں خود متعارض ہیں جس درجہ کی وجوب قرارت کی حدیثیں موجود ہیں اسی درجہ کی ترک قرارت کی بھی ہیں۔

کتاب الحظر والاباحۃ یعنی حلال و حرام کا باب

امام بخاری نے اس بحث میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ آیت کے استدلال کا جواب دیں لیکن جواب ایسا دیا ہے جس کو دیکھکر تعجب ہوتا ہے۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ترجمہ یعنی سوا اسکے نہیں ہے کہ حرام کیا خدا نے تمپر مردہ کو اور خون کو اور سور کے گوشت کو اور اس چیز کو جسپر خدا کے سوا اور کسی کا نام لیا جائے لیکن جو شخص مجبور ہو بشرطیکہ نافرمان اور حد سے گذر جانے والا نہ ہو تو اسپر گناہ نہیں ہے"

اس آیت سے بہت سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں جن میں مجتہدین کو باہم اختلاف ہے ان تمام مختلف فیہ مسائل میں امام ابوحنیفہ نے آیت کا جو مطلب قرار دیا ہے وہی صحیح ہے پہلی بحث یہ ہے کہ مردہ کے کیا معنے ہیں۔ امام ابوحنیفہ وہی عام معنے لیتے ہیں جو عام اطلاق میں شایع ہے امام شافعی نے اس کو بہت وسعت دی ہے یہان تک کہ وہ مردہ جانوروں کے بالوں اور ہڈیوں کو بھی مردہ کہتے ہیں اس بناپر انکی راے ہے کہ ان چیزوں سے کسی قسم کا تمتع مثلاً پوستین وغیرہ کا استعمال جائز نہیں۔ امام مالک بال اور کھال کا کام میں لانا جائز قرار دیتے ہیں لیکن ہڈی کا استعمال انکے نزدیک بھی حرام ہے۔

امام شافعی نے اور امام مالک نے مردہ کے جو معنے لئے۔ چونکہ صاف غلط معلوم ہوتے ہین اس لئے انکے مقلدوں نے تاویلیں کین۔ امام رازی تفسیر کبیر مین لکھتے ہیں کہ ہڈی کو مردہ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ خدا نے قرآن مین فرمایا ہے مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ یعنی "ہڈی کو کون زندہ کریگا" اور زندہ وہی چیز ہوسکتی ہے جو پہلے مرچکی ہو اسی طرح خدا نے زمین کو مردہ کہا ہے" امام رازی کی یہ تاویل نہایت تعجب خیز ہے اس قسم کے اطلاقات مجازی اطلاق ہیں جن پر احکام کی تفریع نہیں ہوسکتی۔ امام رازی نے زمین کا مردہ

ہونا قرآن مجید سے ثابت کیا ہے تو زمین اور خاک کے استعمال کو بھی ناجائز قرار دینا چاہیئے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ خون جس کو اس آیت مین حرام کہا ہے اُس سے کیا مراد ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ دم مسفوح ہے یعنی جس خون مین روانی ہو۔ اس بنا پر مچھلی کے خون کو حرام نہیں کہتے۔ امام شافعی کے نزدیک اس مین کوئی تخصیص نہیں اور ہر قسم کا خون حرام ہے۔ امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ یہ تخصیص خود خدا نے کی ہے چنانچہ دوسرے موقع پر فرمایا قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اس آیت مین خون کی تحریم کو مسفوح کے ساتھ مقید کر دیا ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ باغ و عاد سے کیا مراد ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہین کہ کھانے مین بغاوت و عدوان نہ ہو یعنی جو شخص مجبور ہو اور جان بلب ہو اُس کو مردہ و سئور کا گوشت کھانا جائز ہے لیکن اس شرط پر کہ سد رمق سے زیادہ نہ کھائے اور کسی دوسرے مضطر سے چھین کر نہ کھائے۔ امام شافعی بغاوت و عدوان کے یہ معنے لیتے ہین کہ اُس شخص نے سلطان وقت سے بغاوت نہ کی ہو اور گنہگار نہ ہو اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص جو سلطان وقت سے باغی ہو کسی موقع پر فاقہ سے جان بلب ہو جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اُس کو مردہ یا سئور کا گوشت بقدر سد رمق کے کھانا جائز ہے۔ بخلاف اس کے امام شافعی کا قول ہے کہ وہ اگر باغی نہ ہوتا تو کھانا جائز تھا لیکن بغاوت کی حالت مین اُسکو یہ اجازت نہیں ملسکتی۔

امام شافعی نے ان الفاظ کے جو معنے لئے اولاً تو سیاق عبارت سے بالکل بیگانہ ہیں

دوسرے اصول شرع اُسکی مساعدت نہین کرتے۔ شریعت نے ضرورت کے وقت جن چیزون کی رخصت یا اجازت دی ہے وہ کسی جرم و عصیان سے باطل نہین ہوتی۔ جھوٹ بولنا گناہ ہے اور بعض حالتون میں مثلاً جب جان کا خوف ہو اس کی اجازت دیگئی ہے کیا ایک گناہگار شخص اس اجازت سے متمتع نہین ہوسکتا؟ صورت متنازعہ میں اگر اس شخص کو اس لئے کھانے کی اجازت نہین دیگئی کہ اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے تو حرام کی کیا تخصیص ہے اس کے لئے تو حلال غذا کی بھی اجازت نہ ہونی چاہیئے۔

یہ مسائل تو نصی تھے امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے ایک قیاسی مسئلہ قائم کیا ہے اور امام شافعی نے اس سے مخالفت کی ہے یعنی ایک شخص پیاس سے جان بلب ہو اور بجز شراب کے اور کوئی چیز مل نہ سکے تو اُسکو شراب پینے کی اجازت ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور امام شافعی کے نزدیک نہیں۔ امام شافعی اگر ظاہریون کی طرح قیاس کے منکر ہوتے تو اس جواب سے کچھ تعجب نہ ہوتا۔ لیکن قیاس کے قائل ہو کر یہ مخالفت محل تعجب ہے کیونکہ یہ حالت اور جس حالت کا ذکر قرآن مین صریحاً ہے دونون کی علت مشترک ہے یعنی حفاظت نفس۔ پھر حکم کے نہ مشترک ہونے کی کوئی وجہ نہین۔

باب الجنایات

جنایات کے باب مین جو احکام قرآن مجید مین وارد ہیں اونکی تعبیر جس صحت کے ساتھ امام ابوحنیفہ نے کی کسی دوسرے مجتہد نے نہین کی۔ زمانہ جاہلیت مین قصاص کے جو قاعدے رائج تھے نہایت ناانصافی اور جہالت پر مبنی تھے۔ اسلام نے نہایت خوبی سے اس کی اصلاح کی اور ایسے احکام مقرر کئے جن سے بڑھکر کبھی ہو نہ سکتے۔ جاہلیۃ مین قصاص کا اعتبار مقتول و قاتل کی حیثیت سے کیا جاتا تھا۔ جو معزز قبیلے تھے۔ وہ دوسرے قبیلہ نے

اس طرح قصاص لیتے تھے کہ اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلہ کے آزاد کو اپنی عورت کے بدلے اُنکے مرد کو اور اپنے مرد کے بدلے دوسرے قبیلہ کے دو مردون کو قتل کرتے تھے خدا نے قصاص کا عام حکم صادر فرمایا جس کا یہ مطلب ہے کہ قصاص کا حکم کسی قید کے ساتھ متقید نہیں ہے۔ قاتل ہر حالت مین مقتول کے بدلے مارا جائے گا خواہ شریف ہو یا رذیل۔ مرد ہو۔ یا عورت۔ غلام ہو یا آزاد مسلم ہو یا ذمی۔ زیادہ توضیح کے لیئے اُن صورتون کی خاص طرح پر بھی نفی کی جو عرب مین اسلام سے پہلے جاری تھین چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ترجمہ۔ یعنی "تم پر مقتول کے بارہ مین قصاص فرض کیا گیا آزاد۔ آزاد کے بدلے غلام غلام کے بدلے عورت۔ عورت کے بدلے"

زمانہ جاہلیت مین یہ بھی دستور تھا کہ قتل عمد کے بارہ مین مالی معاوضہ دیدینا کافی سمجھا جاتا تھا۔ اور اُس کو دیت کہتے تھے اسلام نے اُس کو باطل کیا اور دیت کو جو ایک قسم کا جرمانہ ہے صرف شبہہ عمد اور قتل خطا کی حالت مین جائز رکھا۔ اور اُسکی مقدار مسلمان و ذمی کے لیئے یکسان مقرر کی چنانچہ خدا نے ارشاد فرمایا کہ وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓی اَھْلِهٖ وَاِنْ کَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ فَدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓی اَھْلِهٖ وَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ترجمہ۔ یعنی "مسلمان کی شان نہین ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کرے۔ مگر غلطی سے اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو اُس کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا اور مقتول کی اہل کو دیت دینی ہوگی۔ اور اگر مقتول اُس قوم سے ہو کہ تمہارے اور اُنکے درمیان میثاق ہے تو دیت دینی ہوگی اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا۔

یہ احکام نہایت صاف اور صریح طور پر قرآن سے ثابت ہوتے ہیں اور امام ابوحنیفہ انہیں احکام کے قائل ہیں لیکن امام شافعی وغیرہ نے بعض مسائل مین اختلاف کیا ہے جس کی نسبت ہم افسوس کے ساتھ کہتے ہین کہ یقیناً اُنکی غلطی ہے۔

پہلا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی و امام مالک و احمد حنبل قائل ہیں کہ غلام کے بدلے آزاد قتل نہین کیا جاسکتا۔ غلام اور آزاد مین ایسا بیرحمانہ تفرقہ کرنا ہرگز قرآن سے ثابت نہین ہوتا۔ اگر الحر بالحر کی تخصیص سے استدلال ہے تو الانثیٰ بالانثیٰ کی تخصیص سے کہ عورت کے بدلے مرد نہ قتل کیا جاوے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہین۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم قرار دیتے ہیں حالانکہ دیت کے جو الفاظ خدا نے مومن کے حق مین استعمال کئے وہی اُن لوگون کے حق مین بھی ارشاد کئے۔ جو مسلمانون سے میثاق و معاہدہ رکھتے ہیں۔ بے شبہ یہ اسلام کی نہایت فیاض دلی ہے کہ اُس نے مسلمان و ذمی کا حق برابر رکھا۔ لیکن افسوس ہے کہ ایسے فیاضانہ حکم کی لوگون نے غلط تاویل کی۔

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی قتل عمد کی حالت مین بھی مالی معاوضہ ادا کرنا کافی سمجھے ہیں حالانکہ قرآن مجید مین قتل عمد کی حالت مین قصاص کا حکم ہے دیت کی کہین اجازت نہین اور یہی اقتضائے عقل ہے۔ جاہلیت مین قتل۔ مقدمات دیوانی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اس وجہ سے مالی معاوضہ اُس کا بدل ہو سکتا تھا۔ لیکن اسلام ایسے غلطی کا مرتکب نہین ہو سکتا تھا۔

چوتھا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی کیفیت قتل مین مساوات کو لازمی قرار دیتے ہیں یعنی اگر قاتل نے پتھر سے سر پھوڑ کر کسی کو مارا ہو تو وہ بھی پتھر سے سر توڑ کر مارا جائے۔

یا کسی نے آگ سے جلا کر مارا ہو تو وہ بھی آگ سے جلا کر مارا جائے لیکن اس قسم کی مساوات
پر قرآن کا کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا۔

پانچواں اختلاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قتل عمد کی حالت میں کفارہ لازم
نہیں آتا۔ امام شافعی قصاص و کفارہ دونوں لازمی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں
کفارہ کا حکم قتل خطا کے ساتھ مخصوص ہے۔ قتل عمد میں کفارہ کا کچھ ذکر نہیں۔

وراثت

وراثت کے بعض احکام میں جو نہایت مہتم بالشان ہیں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی
میں اختلاف ہے ان مسائل میں امام ابوحنیفہ نے جو پہلو اختیار کیا وہ نہایت صریح طور سے
قرآن سے ثابت ہے وراثت کے قاعدے جو اسلام نے مقرر کئے ہیں۔ وہ تمام دنیا کے
قواعد وراثت سے الگ ہیں اور ایسے دقیق اور نازک اصول پر مبنی ہیں جو علانیہ اس بات کی دلیل
ہیں کہ خدا کے سوا اور کوئی ان احکام کا واضع نہیں ہو سکتا۔ وراثت کا اصلی اصول یہ ہے کہ
متوفی اگر اپنی جائداد کسی خاص شخص کو دیجاتا تو اوسی کو ملتی لیکن جب اُس نے کوئی ہدایت
نہیں کی تو اوسپر لحاظ ہوگا کہ اسکے فطری تعلقات کن کن لوگوں کے ساتھ کس کس تفاوت کے
ساتھ تھے جو لوگ یہ تعلقات رکھتے ہیں وہ اُسی تفاوت درجات کے ساتھ اُس کی جائداد
کے مالک ہوں گے گویا متوفی کی یہ معنوی ہدایت ہے کہ لوگوں کو اسی مناسبت سے دیا جائے
جس نسبت سے میرے تعلقات اُنکے ساتھ تھے۔ دوسرا اصول جو پولیٹیکل اکانمی کا عام
اصول ہے یہ ہے کہ دولت کا بہت سے اشخاص میں تقسیم ہونا اس سے اچھا ہے کہ دو ایک
شخص تک محدود رہے۔ یہ عمدہ اصول تمام اور قوموں کی نگاہ سے رہ گئے۔ اور اسوجہ
سے اُنکا قانون وراثت بھی ناتمام اور محدود رہگیا۔ عیسائیوں کے قانون میں بڑے بیٹے
کو جائداد پہنچتی ہے دوسرے بھائیوں کو کچھ دست برداشتہ ملتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں

صرف اولاد مذکور جائداد کی مالک ہے۔ باپ بھائی وغیرہ محروم مطلق ہیں لیکن اسلام نے نہایت دقت نظر سے اُن نازک تعلقات پر نگاہ کی جو ورثہ کو متوفی کے ساتھ ہیں اور اُسی نسبت سے تین درجہ قرار دئیے۔ ذوی الفروض۔ عصبات۔ ذوی الارحام۔ اِن تینوں درجوں کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے اور خاصکر ذوی الارحام کا ذکر ان آیتوں میں ہے:۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۔ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ۔ امام ابوحنیفہ نے توریث کے احکام میں یہ تینوں مراتب قائم رکھے لیکن امام شافعی وامام مالک نے ذوی الارحام کو سرے سے خارج کر دیا۔ چنانچہ اُنکے نزدیک نانا۔ پھوپیاں۔ بھانجے وغیرہ کسی حال میں ورثہ نہیں پاسکتے ان بزرگوں نے ذوی الارحام کو عام سمجھا ہے اور ذوی الفروض۔ وعصبات اُس کے افراد قرار دیے ہیں جیسا کہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے۔

نکاح وطلاق

نکاح وطلاق کے متعلق قرآن میں بہت سے احکام مذکور ہیں جن میں سے بعض بعض میں مجتہدین مختلف الآرا ہیں ان اختلافی مسائل میں دو مسئلے نہایت مہتم بالشان ہیں اور ہم اس موقع پر انہیں کا ذکر کرتے ہیں۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک گو عورت بالغہ اور عاقلہ ہو تاہم کسی حالت میں بغیر ولی کی ولایت کے نکاح نہیں کر سکتی امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالغہ عاقلہ اپنے نکاح کی آپ مختار ہیں اس دعوی پر دونوں طرف سے قرآن کی آیتیں اور حدیثیں پیش کی گئی ہیں احادیث کی بحث کا تو یہ محل نہیں۔ قرآن مجید سے امام شافعی کا جو استدلال ہے اور جس کو خود انھوں نے کتاب الام میں بڑے شد ومد سے لکھا ہے وہ اس آیت پر مبنی ہے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ

"ترجمہ اور جب تم طلاق دو عورتون کو اور وہ اپنی مدت کو پہنچیں تو انکو اسبات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہرون سے نکاح کرین" امام شافعی کہتے ہین کہ تَعْضُلُوْھُنَّ مین اولیائے نکاح سے خطاب ہے - اور انکو حکم دیا گیا ہے کہ عورتون کو نکاح سے نہ روکین اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیائے نکاح کو روکنے کا حق حاصل ہے - ورنہ نہی کی کیا ضرورت ہے" امام شافعی نے اس مطلب کی تائید مین آیت کی شان نزول کا ذکر کیا ہے - چنانچہ لکھتے ہین کہ معقل بن یسار نے اپنی بہن کی شادی - اپنے چچیرے بھائی سے کر دی تھی - شوہر نے چند روز کے بعد طلاق دیدی - لیکن عدت گذر جانے کے بعد اوسکو ندامت ہوئی اور اوسنے دوبارہ نکاح کرنا چاہا عورت بھی راضی ہو گئی معقل نے سنا تو بہن کے پاس گئے اور کہا کہ مین نے نکاح کر دیا تھا اُسنے طلاق دیدی - اب مین کبھی اُس سے نکاح نہ ہونے دونگا اسپر یہ آیت اُتری" امام شافعی نے آیت کے جو معنے لئے اگر ہمنے خود اون کی کتاب مین اُس کو تصریحاً نہ دیکھا ہوتا تو ہمکو مشکل سے یقین آتا کہ یہ اُنہین کا قول ہے -

اول ہمکو اسپر غور کرنا چاہیے کہ آیت کے یہ معنے ہو بھی سکتے ہیں یا نہین اسقدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ طَلَّقْتُمْ مین شوہرون کی طرف خطاب ہے - اور جب یہ مسلم ہے تو ضرور ہے کہ تَعْضُلُوْھُنَّ مین بھی اُنھین کی طرف خطاب ہو ورنہ عبارت بالکل بے ربط ہوگی کیونکہ اس تقدیر پر آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اُے شوہرو جب تم عورتون کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو پہونچ چکین - تو اے نکاح کے اولیاء تم اون عورتون کو نکاح سے نہ روکو" اس عبارت کی بے ربطی مین کون شبہہ کر سکتا ہے؟ شرط مین تو شوہرون سے خطاب ہوا اور جزا مین اُن سے کچھہ واسطہ نہ رہے - اور اولیائے نکاح سے تخاطب کیا جائے - یہ کونسا طریقۂ کلام ہے؟ امام رازی باوجودیکہ شافعی ہیں - تاہم اونھون نے

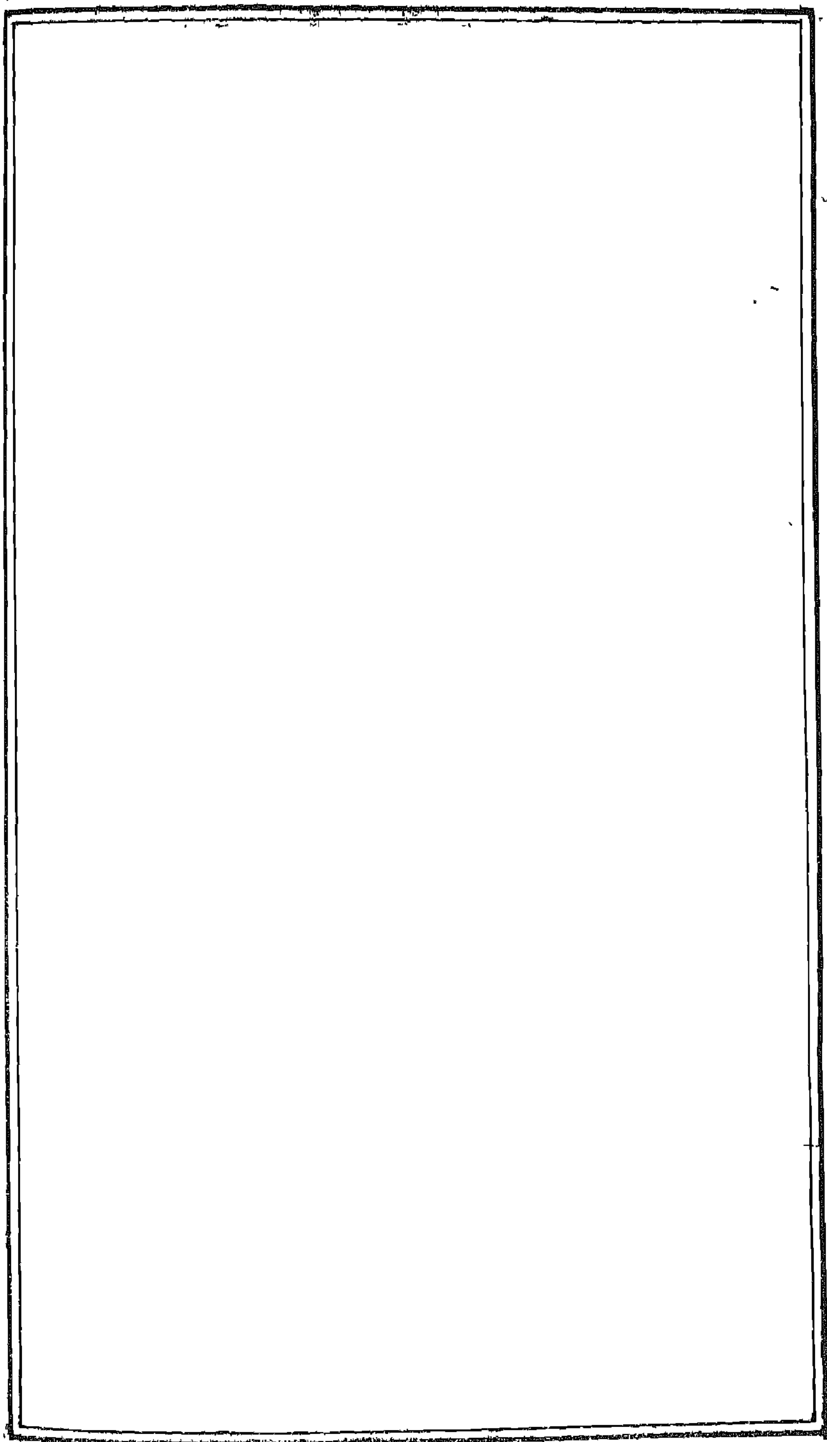
تفسیر کبیر مین صاف تصریح کی ہے کہ یہ معنی بالکل غلط ہین - اور خدا ایسی بے ربط عبارت بول نہین سکتا؟ اگر ہم یہ معنی تسلیم بھی کرلین - تو بھی امام شافعی کا استدلال تمام نہین ہوتا کیونکہ یہ ضرور نہین کہ جو شخص ایک کام سے روکا جائے وہ اُس کام کا حق بھی رکھتا -

اب ہم اس آیت کا صحیح محل بیان کرتے ہین - جاہلیۃ مین اکثر دستور تھا کہ لوگ اپنی بیویون کو طلاق دیتے تھے اور اس غیرت سے کہ جو عورت اُنکے ہم بستر رہ چکی ہے دوسرے کے آغوش مین نہ جانے پائے - اُس عورت کو دوسرا نکاح بھی نہین کرنے دیتے تھے - اس بری رسم کو خدا نے مٹایا اور یہ آیت نازل کی - جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اے شوہرو جب تم عورتون کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ چکین - تو اونکو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہرون سے (یعنی جنکو اب وہ شوہر بنانا چاہتی ہیں) نکاح کرین" امام ابوحنیفہ نے اس آیت کے یہی معنے لئے ہیں اور اس سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ عورتین نکاح کے معاملہ مین خود مختار ہین - اس استدلال کی زیادہ تائید ینکحن کے لفظ سے ہوتی ہے کیونکہ اس لفظ مین نکاح کے فعل کو عورتون کی طرف منسوب کیا ہے نہ اولیائے نکاح کی طرف -

دوسرا مسئلہ تین طلاقون کا ہے - اس قدر تو چارون آئمہ مجتہدین کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر کوئی شخص ایکبار تین طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور پھر رجعت نہ ہو سکے گی لیکن اسمین اختلاف ہے کہ اس طرح طلاق دینا جائز اور مشروع ہے یا نہین - امام شافعی کے نزدیک مشروع ہے اور خدا نے اُس کی اجازت دی ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرام اور ممنوع ہے اور طلاق دینے والا گنہگار ہے - امام ابوحنیفہ کا استدلال یہ ہے کہ خدا نے طلاق کا جو طریقہ بتلایا ہے وہ اس آیت پر محدود ہے - الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسریح باحسان " یعنی طلاق دو بار کرکے ہے پھر یا تو بھلائی کے ساتھ

روک لینا ہے یعنی رجعت کر لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے"، پس اس آیت میں طلاق کا جو طریقہ بتایا گیا صرف وہی شرعی طلاق ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے امام ابوحنیفہ کے قول پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ اگر ایک بار تین طلاق دینا شرعاً جائز نہیں تو اسکے نفاذ کے کیا معنے۔ حالانکہ نفاذ سے امام ابوحنیفہ کو بھی انکار نہیں، اس کا جواب ایک بڑی نازک بحث پر مبنی ہے جس کا یہ موقع نہیں مگر اجمالاً یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کسی کام کا ممنوع ہونا دوسری چیز ہے۔ اور نافذ ہونا دوسری چیز ہے۔ باپ کا اولاد کو کم و بیش حصوں میں جائداد ہبہ کرنا۔ شرعاً ممنوع ہے۔ لیکن اگر کوئی نا انصاف باپ ایسا کرے تو اس کا نفاذ ضرور ہوگا۔

اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہم امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ عام دعوے کرتے ہیں کہ انکے مسائل صحیح اور یقینی ہیں۔ امام ابوحنیفہ مجتہد تھے پیغمبر نہ تھے۔ اسی لئے انکے مسائل میں غلطی کا ہونا ممکن ہے۔ نہ صرف امکان بلکہ ہم وقوع کا دعوی کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ خود انکے خاص شاگردوں نے بہت سے مسائل میں ان سے مخالفت کی۔ مدت رضاعت۔ قضاء قاضی کا ظاہراً و باطناً نافذ ہونا۔ قتل بالمثقل۔ نکاح محرمات میں حد کا نہ لازم آنا۔ ان تمام مسائل میں ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ کے مذہب کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہو سکتی ایسے اور بھی مسائل ہیں لیکن ہمارا مقصد اس موقع پر صرف یہ ہے کہ ایک مجتہد کا جس حد تک صائب الرائے ہونا ممکن ہے امام صاحب اس حد تک صائب الرائے تھے۔



خاتمہ

امام صاحب کے تلامذہ

ایشائی ملکون میں اگرچہ شاگردی اور استادی کا تعلق عموماً نہایت قوی تعلق ہوتا ہے لیکن بعض شاگردون کو مختلف وجوہ سے کچھ ایسی خصوصیت ہو جاتی ہے کہ جہان استاد کا نام آتا ہے ممکن نہین کہ انکا نام نہ آئے۔ جیسا کہ ہم اس کتاب کے پہلے حصّہ مین لکھ آئے ہیں امام ابو حنیفہ کی درس تدریس کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ خلیفہ وقت کی حدود حکومت اس سے زیادہ وسیع نہ تھین۔ حافظ ابو المحاسن شافعی نے نوسو اٹھارہ شخصون کے نام بقید نام و نسب لکھے ہیں جو امام صاحب کے حلقہ درس سے مستفید ہوئے تھے۔ اس گروہ مین سے چند بزرگ ایسے ہیں جنکی ہوگرفی کے بغیر امام صاحب کی علمی تاریخ ناتمام رہتی ہے چالیس شخص جو امام صاحب کے ساتھ فقہ کی ترتیب و تدوین میں شریک تھے۔ ان کے شاگرد اور ارادتمند خاص تھے۔ امام صاحب کی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہے۔ اس لئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ امام صاحب کی تاریخ میں انہی لوگون کا ذکر چھوڑ دیا جائے جو ایسے بڑے کام مین انکے شریک اور مددگار تھے۔ ان لوگون کے حالات صرف امام ابو حنیفہ کی تاریخ سے وابستہ نہین ہیں۔ بلکہ اس سے عام طور پر حنفی فقہ کے متعلق ایک اجمالی خیال قائم ہوتا ہے یعنی ان لوگون کی عظمت و شان سے فقہ حنفی کی خوبی اور عمدگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ساتھ ہی امام صاحب کا بلند رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کے شاگرد اس رتبہ کے ہونگے وہ خود کس پایہ کا ہوگا؟ خطیب بغدادی نے وکیع بن الجراح کے حال میں جو ایک مشہور محدث[1] تھے لکھا ہے کہ ایک موقع پر وکیع کے پاس چند اہل علم جمع تھے۔ کسی نے کہا کہ اس مسئلہ میں ابوحنیفہ نے غلطی کی۔ وکیع بولے کہ ابوحنیفہ کیونکر غلطی کر سکتے ہیں ابویوسف و زفر قیاس میں۔ یحیٰی بن زائدہ حفص بن غیاث حبان مندل۔ حدیث میں قاسم بن معن لغت و عربیت میں۔ داؤد الطائی و فضیل بن عیاض زہد و تقویٰ میں اس رتبہ کے لوگ جس شخص کے ساتھ ہوں وہ کہیں غلطی کر سکتا ہے اور کرتا بھی تو یہ لوگ اسکو کب غلطی پر رہنے دیتے۔

شاگرد کا رتبہ و اعزاز استاد کے لیے باعث فخر خیال کیا جاتا ہے۔ اگر یہ فخر صحیح ہو تو اسلام کی تمام تاریخ میں کوئی شخص امام ابوحنیفہ سے بڑھکر اس فخر کا مستحق نہیں ہے امام صاحب اگر یہ دعوے کرتے تو بالکل بجا تھا کہ جو لوگ امام صاحب کے شاگرد تھے وہ بڑے بڑے ائمہ مجتہدین کے شیخ اور استاد تھے امام شافعی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ میں نے امام محمد سے ایک بار شتر علم حاصل کیا ہے" یہ وہی امام محمد ہیں جو امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں اور جنکی تمام عمر۔ امام صاحب کی حمایت میں صرف ہوئی۔ انصاف یہ ہے کہ امام صاحب کے بعض شاگرد خصوصاً قاضی ابویوسف۔ و امام محمد۔ اس رتبہ کے عالم تھے کہ اگر امام ابوحنیفہ کی تبعیت سے الگ ہوکر مستقل اجتہاد کا دعویٰ کرتے تو انکا جدا طریقہ قائم ہوجاتا اور

[1] وکیع کا مستقل ترجمہ اس کتاب کے آئندہ صفحوں میں دیکھو ۱۲ ہمارے زمانہ کے کم نظروں کو اس روایت سے تعجب ہوگا اور وہ اسکو حنفیوں کی گھڑت سمجھیں گے مگر انکو معلوم ہونا چاہیے کہ علامہ نووی نے جو مشہور محدث ہیں اس روایت کی تصدیق کی ہے۔ دیکھو تہذیب الاسماء واللغات نووی۔ ترجمہ امام محمد ۱۲

امام مالک و شافعی کی طرح اُنکے بھی ہزارون لاکھون مقلدین جاتے۔

امام صاحب کے زمانہ مین جو مذہبی علوم نہایت اوج و ترقی پر تھے وہ فقہ ۔ حدیث اسماء الرجال تھے ۔ یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ جو لوگ اِن علوم کے ارکان تھے اکثر امام صاحب ہی کے شاگرد تھے اور شاگرد بھی برائے نام شاگرد نہ تھے بلکہ مدتون امام صاحب کی صحبت مین رہے اور اُنکی فیض صحبت کا ہمیشہ اعتراف کرتے رہے فقہ کے متعلق تو غالباً کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ۔ لیکن حدیث کی نسبت اِس دعوی پر لوگون کو تعجب ہوگا اور یہ تعجب بجا ہے کیونکہ امام صاحب کی شاگردی کے تعلق سے جو لوگ مشہور ہوئے وہ اکثر فقیہ ہی تھے ۔ محدثین مین سے جو امام صاحب کے شاگرد ہیں اگرچہ بجائے خود شہرت عام رکھتے ہیں لیکن اُنکی شاگردی کا تعلق چندان مشہور نہیں ۔ مین اِس موقع پر جن لوگون کے نام لکھون گا اِس تعلق کا ذکر بھی خصوصیت کے ساتھ کرون گا اور رجال کی نہایت معتبر کتابون کا حوالہ دون گا ۔

امام صاحب کے بیشمار شاگردون مین سے ہم اُن چالیس شخصون کا مختصر تذکرہ لکھنا چاہتے تھے جو امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ مین شریک تھے لیکن افسوس ہے کہ ہم اُنمین سے صرف چند شخصون کا نام معلوم کرسکے ۔ یعنی قاضی ابو یوسف ۔[۱] زفر ۔[۲] اسد بن عمر ۔[۳] عافیۃ الاذدی ۔[۴] داؤد طائی ۔[۵] قاسم بن معن[۶] علی بن مسہر[۷] یحیٰی بن زکریا ۔[۸] حبان ۔[۹] مندل ۔[۱۰] چنانچہ ان لوگون کے مختصر حالات ہم ذیل مین لکھتے ہیں ۔ اِنکے علاوہ بعض اُن شاگردون کا ذکر بھی ضرور ہے جو حدیث و رجال کے فن مین امام وقت تھے چنانچہ پہلے ہم انہی سے شروع کرتے ہین ۔

---

[۱] ان لوگونکا ذکر اِس حیثیت سے مورخ خطیب نے قاضی ابو یوسف کے ترجمہ مین لکھا ہی (دیکھو مختصر تاریخ بغداد ترجمہ ابو یوسف)

یحیی بن سعید القطان

فن رجال کا سلسلہ انہی سے شروع ہوا۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال کے دیباچہ مین لکھا ہے کہ فن رجال مین اول جس شخص نے لکھا وہ یحیی بن سعید القطان ہین پھر انکے بعد انکے شاگردون یحیی بن معین۔ علی بن المدینی۔ امام احمد حنبل عمرو بن علی الفلاس ابو خیثمہ نے اس فن مین گفتگو کی۔ اور انکے بعد انکے شاگردون یعنی امام بخاری و مسلم وغیرہ نے حدیث مین انکا یہ پایہ تھا کہ جب حلقہ درس مین بیٹھتے تو امام احمد بن حنبل علی بن المدینی وغیرہ مودب کھڑے ہوکران سے حدیث کی تحقیق کرتے اور نماز عصر سے جو انکے درس کا وقت تھا مغرب تک برابر کھڑے رہتے۔[1] راویون کی تحقیق و تنقید مین یہ کمال پیدا کیا تھا کہ ائمہ حدیث عموماً کہا کرتے تھے کہ یحیی جسکو چھوڑ دینگے ہم بھی چھوڑ دین گے[2]،، امام احمد بن حنبل کا مشہور قول ہے کہ ما رایت بعینی مثل یحیی بن سعید القطان[3] یعنی مین نے اپنی آنکھون سے یحیی کا مثل نہین دیکھا،، اس فضل و کمال کے ساتھ امام ابو حنیفہ کے حلقہ درس مین اکثر شریک ہوتے اور انکی شاگردی پر فخر کرتے۔ اس زمانہ تک تقلید معین کا رواج نہین ہوا تھا تاہم اکثر مسائل مین وہ امام صاحب ہی کی تقلید کرتے تھے خود ان کا قول ہے قد اخذنا باکثر اقوالہ[4] یعنی ہمنے امام ابو حنیفہ کے اکثر اقوال اخذ کیے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین جہان وکیع بن الجراح کا ذکر کیا ہے لکھا ہی یفتی بقول ابی حنیفۃ وکان یحیی القطان یفتی بقولہ ایضاً یعنی وکیع

---

[1] فتح المغیث و جواہر المضیہ ۱۲ [2] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ یحیی القطان ۱۲ [3] میزان الاعتدال علامہ ذہبی دیباچہ ۱۲ [4] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲

امام ابو حنیفہ کے قول پر فتوے دیتے تھے اور یحیی قطان بھی انہیں کے قول پر فتوے دیتے تھے ۱۲۰؁ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸؁ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی۔

عبد اللہ بن المبارک

محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں انکا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے "وہ امام جس کی امامت وجلالت پر ہر باب میں عموماً اجماع کیا گیا ہے جسکے ذکر سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے جس کی محبت سے مغفرت کی امید کیجا سکتی ہے"[1]

حدیث میں جوان کا پایہ تھا اُس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ محدثین ان کو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے پکارتے تھے۔ ایک موقع پر انکے شاگردوں میں سے ایک شخص نے انسے خطاب کیا کہ یا عالم المشرق امام سفیان ثوری جو مشہور محدث ہیں اس موقع پر موجود تھے بولے کہ وہ کیا غضب ہے! عالم مشرق کہتے ہو! وہ عالم الشرق والغرب ہیں "امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ عبد اللہ بن المبارک کے زمانہ میں ان سے بڑھکر کسی نے حدیث کی تحصیل میں کوشش نہیں کی" خود عبد اللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ میں نے چار ہزار شیوخ سے حدیث سیکھی جن میں سے ہزار سے روایت کی، صحیح بخاری و مسلم میں ان کی روایت سے سیکڑوں حدیثیں مروی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ فن روایت کے بڑے ارکان میں سے ہیں، حدیث و فقہ میں انکی بہت سی تصنیفات ہیں لیکن افسوس کہ آج انکا پتہ نہیں۔

اُنکے فضل و کمال زہد و تقوے نے اس قدر لوگوں کو مسخر کر لیا تھا کہ بڑے بڑے امراء و سلاطین کو وہ قبول حاصل نہ تھا۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید رقہ گیا۔ اسی زمانہ میں عبد اللہ

[1] تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ۱۲ خلاصہ تہذیب الکمال ترجمہ عبد اللہ بن المبارک ۱۲

بن المبارک بھی رقہ پہنچے۔ اِن کے آنے کی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑے اور اسقدر کشمکش ہوئی کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں۔ ہزاروں آدمی ساتھ ہوگئے اور ہر طرف گرد چھا گئی ہرون الرشید کی ایک حرم نے جو برج کے غرفہ سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی حیرت زدہ ہوکر پوچھا کہ یہ کیا حال ہے۔ لوگوں نے کہا کہ خراسان کا عالم آیا ہے جس کا نام عبداللہ بن المبارک ہے؟ بولی کہ حقیقت میں سلطنت اِس کا نام ہے ہرون الرشید کی حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیوں کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہو سکتا۔[1]

یہ امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگردوں میں ہیں اور امام صاحب کے ساتھ انکو خاص خلوص تھا۔ انکو اعتراف تھا کہ جو کچھ مجھکو حاصل ہوا امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کے فیض سے حاصل ہوا۔ اُن کا مشہور قول ہے کہ لولا ان اللہ تعالی اغاثنی بابی حنیفۃ وسفیان کنت کسائر الناس[2] یعنی اگر اللہ تعالی نے ابو حنیفہ و سفیان کے ذریعہ سے میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں ایک عام آدمی سے بڑھکر نہ ہوتا" امام ابو حنیفہ کی شان میں ان کے اشعار اکثر منقول ہیں خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں چند اشعار نقل کئے ہیں جن میں سے ایک یہ شعر ہے ؎

رایت ابا حنیفۃ حین یؤتی ۔۔۔ ویطلب علمہ بحر اغزیر

مرو کے رہنے والے تھے ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۱ھ میں مقام ہیت وفات پائی

یحیی بن زکریا بن ابی زائدۃ

مشہور محدث تھے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں صرف اُن لوگوں کا تذکرہ لکھا ہے

---

[1] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عبداللہ بن المبارک ۱۲ [2] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر۔ ترجمہ امام ابو حنیفہ۔ ۱۲

جو حافظ الحدیث کہلاتے تھے چنانچہ یحییٰ کو بھی انہین لوگون مین داخل کیا ہے۔ اور ان کے طبقہ مین سب سے پہلے انہین کا نام لکھا ہے۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے مشہور استاد ہیں کہا کرتے تھے کہ یحییٰ کے زمانہ مین یحییٰ پر علم کا خاتمہ ہوگیا[1] صحاح ستہ مین ان کی روایت سے بہت سی حدیثین ہیں۔ وہ محدث اور فقیہ دونون تھے اور ان دونون فنون مین بہت بڑا کمال رکھتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال مین ان کا ترجمہ ان لفظون سے شروع کیا ہے احد الفقہاء الکبار والمحدثین الاثبات۔

یہ امام ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ مین سے تھے اور مدت تک اُن کے ساتھ رہے تھے یہانتک کہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین ان کو صاحب ابی حنیفہ کا لقب دیا ہے۔ یہ تدوین فقہ مین امام صاحب کے شریک اعظم تھے۔ امام طحاوی نے لکھا ہے کہ تیس برس تک وہ شریک رہے[2] اگرچہ یہ مدت صحیح نہین لیکن کچھ شبہ نہین کہ وہ بہت دن تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے اور خاصکر تصنیف و تحریر کی خدمت انہی سے متعلق تھی[3] میزان الاعتدال مین لکھا ہے کہ "بعض لوگون کا قول ہے کہ کوفہ مین اول جس شخص نے تصنیف کی وہ یحییٰ ہیں" معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ تحریر کا کام یحییٰ سے متعلق تھا اس لئے بعض لوگون نے انہی کو مستقل مصنف سمجھ لیا۔

مداین مین منصب قضا پر ممتاز تھے اور وہیں ۱۸۲ھ مین ۶۳ برس کی عمر مین وفات پائی۔

وکیع بن الجراح

فن حدیث کے ارکان مین شمار کئے جاتے ہیں۔ امام احمد حنبل کو ان کی شاگردی پر

---

[1] میزان الاعتدال علامہ ذہبی ترجمہ یحییٰ ۱۲ [2] الجواہر المضیئہ ترجمہ یحییٰ ۱۲ -

فخر تھا چنانچہ جب وہ انکی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو ان لفظوں سے شروع
کرتے تھے "یہ حدیث مجھ سے اُس شخص نے روایت کی کہ تیری آنکھوں نے اسکا مثل نہ دیکھا
ہوگا"[1] یحییٰ بن معین جو فن رجال کے ایک رکن خیال کئے جاتے ہیں اُن کا قول تھا کہ میں نے
کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جسکو وکیع پر ترجیح دوں"[2] اکثر ائمہ حدیث نے انکی شان
میں اس قسم کے الفاظ لکھے ہیں۔ بخاری و مسلم میں اکثر انکی روایت سے حدیثیں مذکور
ہیں۔ فن حدیث و رجال کے متعلق ان کی روایتیں اور رائیں نہایت مستند خیال کیجاتی ہیں
یہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد خاص تھے اور اُن سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں اکثر مسائل
میں امام صاحب کی تقلید کرتے تھے اور انہی کے قول کے موافق فتوے دیتے تھے۔
خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ کان یفتی بقول ابی حنیفۃ و کان قد
سمع منہ شیئا کثیرا[3] علامہ ذہبی نے بھی تذکرۃ الحفاظ میں اس کی تصدیق کی ہے ۱۹۷ھ
میں وفات پائی۔

یزید بن ہرون

فن حدیث کے مشہور امام ہیں۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث انکے شاگرد تھے امام احمد حنبل
علی بن المدینی یحییٰ بن معین۔ ابن ابی شیبہ وغیرہ نے انکے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا ہے
علامہ نووی نے ان کے تلامذہ کی نسبت لکھا ہے کہ انکا شمار نہیں ہو سکتا یحییٰ بن ابی طالب
انکا بیان ہے کہ ایک بار میں ان کے حلقہ درس میں شریک تھا۔ لوگ تخمینہ کرتے تھے

[1] تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ترجمہ وکیع بن الجراح [2] تہذیب الاسماء واللغات [3] حافظ عبدالبر کے قول "من شیئا" کے بجائے "حدیثا" کا لفظ ہے جو صاف اور صریح اس دعوے پر دلالت کرتا ہے دیکھو عقود الجمان خاتمہ فصل اول

کہ حاضرین کی تعداد کم و بیش ستر ہزار تھی[1] کثرت حدیث میں لوگ انکی مثال دیتے تھے خود انکا بیان ہے کہ مجھ کو بیس ہزار حدیثیں یاد ہیں[2] علی بن المدینی (امام بخاری کے استاد) کہا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ کسی کو حافظ حدیث نہیں دیکھا۔

فن حدیث میں انکو امام ابوحنیفہ سے تلمذ تھا۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں ان لوگوں کے نام لکھے ہیں جنہوں نے امام صاحب سے حدیثیں روایت کیں ان کا نام بھی لکھا ہے۔ یہ ایک مدت تک امام صاحب کی صحبت میں رہے اور اسی وجہ سے انکو امام صاحب کے اخلاق و عادات پر رائے قائم کرنیکا کافی موقع ملا تھا۔ ان کا قول ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں کی صحبت اٹھائی لیکن ابوحنیفہ سے کسی کو بڑھ کر نہیں پایا[3] سنہ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۲۰۶ھ میں وفات پائی۔

حفص بن غیاث

بہت بڑے محدث تھے خطیب بغدادی نے[4] انکو کثیر الحدیث لکھا ہے اور علامہ ذہبی نے انکو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے امام احمد حنبل۔ علی بن المدینی وغیرہ نے ان سے حدیثیں روایت کیں۔ یہ اس خصوصیت میں ممتاز تھے کہ جو کچھ روایت کرتے تھے زبانی کرتے تھے کاغذ یا کتاب پاس نہیں رکھتے تھے چنانچہ اس طرح جو حدیثیں روایت کیں اس کی تعداد تین یا چار ہزار ہے[5] یہ امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں امام صاحب کے شاگردوں میں چند بزرگ نہایت مقرب اور با اخلاص تھے جنکی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے کہ تم میرے دل کی تسکین اور میرے غم کے مٹانے والے ہو۔ حفص کی نسبت بھی امام صاحب نے

[1] تہذیب الاسماء واللغات نووی ترجمہ یزید بن ہرون ۱۲ [2] تہذیب الاسماء واللغات ۱۲ [3] تہذیب الکمال حافظ مزی ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲ [4][5] میزان الاعتدال ترجمہ حفص ۱۲

یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ مختصر تاریخ بغداد میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگردوں میں تھے۔

مدت تک دنیاوی تعلقات سے آزاد رہے لیکن اخیر میں ضرورتوں نے بہت تنگ کیا اتفاق یہ کہ انہی دنوں یعنی ۱۷۷ھ میں ہرون الرشید نے انکا شہرہ سن کر انکو طلب کیا اور قضا کی خدمت سپرد کی۔ چونکہ قرض سے زیربار تھے مجبوراً قبول کرنا پڑا۔ قاضی ابویوسف قاضی القضاۃ تھے اور قضا کا تمام سررشتہ اُن کے اہتمام میں تھا۔ چونکہ ہرون الرشید نے قاضی صاحب کے بغیر اطلاع حفص کو مقرر کر دیا اسلئے اُنکو فی الجملہ خیال ہوا اور حسن بن زیاد سے کہا کہ حفص کے فیصلے ہمارے مرافعہ میں آئیں تو اُن کو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے لیکن جب اُن کے فیصلے دیکھے تو اعتراف کیا کہ حفص کے ساتھ تائید الٰہی ہے۔[1]

۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔ تیرہ برس کوفہ میں اور دو برس بغداد میں قاضی رہے ۱۹۴ھ میں وفات پائی۔[2]

ابوعاصم النبیل

ان کا نام ضحاک بن مخلد ہے۔ مشہور محدث ہیں صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں ان کی روایت سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ "انکی توثیق پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے"۔ نہایت پارسا اور متورع تھے۔ امام بخاری نے روایت کی ہے کہ ابوعاصم نے خود کہا کہ "جب سے مجھکو معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے میں نے آجتک کسی کی غیبت نہیں کی۔"

---

[1] الجواہر المضیئہ ترجمہ حفص بن غیاث ۱۲ [2] الجواہر المضیئہ۔ ترجمہ حفص بن غیاث ۱۲

ان کا لقب نبیل تھا جس کے معنی معزز کے ہیں - اس امر میں اختلاف ہی کہ یہ لقب کیون ہوا؟ ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ شعبہ نے کسی وجہ سے قسم کھائی کہ میں حدیث نہین روایت کرون گا" چونکہ وہ بہت بڑے محدث تھے اور آن کے درس سے ہزارون طالب مستفید ہوتے تھے لوگون کو بہت تشویش ہوئی - ابو عاصم نے یہ حال سنا تو اسی وقت شعبہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ وہ میں اپنے غلام کو آپ کی قسم کے کفارہ میں آزاد کرتا ہون آپ قسم توڑ ڈالیے اور حدیث کا درس دیجیے" شعبہ کو ان کے شوق اور ہمت پر تعجب ہوا اور فرمایا کہ انت نبیل اُس وقت سے یہ لقب مشہور ہو گیا[1]

یہ بھی امام صاحب کے مختص شاگردون مین تھے خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ مین لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی نے ان سے پوچھا کہ سفیان ثوری زیادہ فقیہہ ہیں یا ابو حنیفہ" بولے کہ موازنہ تو ان چیزون میں ہوتا ہے جو ایک دوسری سے ملتی جلتی ہون - ابو حنیفہ نے فقہ کی بنیاد ڈالی ہے اور سفیان صرف فقیہہ ہین"

۲۱۲ھ میں نوے برس کی عمر میں وفات پائی -

عبد الرزاق بن ہمام

علامہ ذہبی نے اُن کا ترجمہ ان لفظون سے شروع کیا ہی احد الاعلام الثقات بہت بڑے نامور محدث تھے صحیح بخاری و مسلم وغیرہ ان کی روایتون سے مالا مال ہیں - امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ حدیث کی روایت مین آپ نے عبد الرزاق سے بڑھکر کسی کو دیکھا؟ جواب دیا کہ نہین" بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام سفیان بن عیینہ - یحیےٰ بن

[1] الجواہر المضیئہ - ترجمہ ابو عاصم ۱۲ [2] الجواہر المضیئہ - ۱۲

سفیان - علی بن المدینی - امام احمد حنبل - فن حدیث میں انکے شاگرد تھے طالبان حدیث بہت دور دور سے قطع منازل کرکے انکی خدمت میں سیکھنے جاتے تھے یہاں تک کہ بعضون کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے پاس اس قدر دور دراز مسافت طے کرکے لوگ نہیں گئے۔

حدیث میں انکی ایک ضخیم تصنیف موجود ہے جو جامع عبدالرزاق کے نام سے مشہور ہے امام بخاری نے اعتراف کیا ہے کہ میں اس کتاب سے مستفید ہوا ہوں، علامہ ذہبی نے اس کتاب کی نسبت میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ "علم کا خزانہ ہے۔"

ان کو ابوحنیفہ سے فن حدیث میں تلمذ تھا۔ عقود الجمان کے مختلف مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کی صحبت میں زیادہ رہے۔ چنانچہ انکے اخلاق و عادات کے متعلق انکے اکثر اقوال کتابوں میں مذکور ہیں۔ ان کا قول تھا کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے بڑھکر کسی کو حلیم نہیں دیکھا۔

۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۱ھ میں انتقال کیا۔

داود الطائی

خدا نے عجب حسن قبول دیا تھا۔ صوفیہ انکو بہت بڑا مرشد کامل مانتے ہیں تذکرۃ الاولیا میں انکے مقامات عالیہ مذکور ہیں۔ فقہا اور خصوصاً فقہائے حنفیہ ان کے تفقہ اور اجتہاد کے قائل ہیں محدثین کا قول ہے کہ ثقۃ بلا نزاع اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تمام القاب کے مستحق تھے۔ محارب بن دثار جو مشہور محدث تھے کہا کرتے تھے کہ داود

ا انساب سمعانی و تاریخ یافعی ترجمہ عبدالرزاق بن ہمام ۲ میزان الاعتدال ذہبی

اگر اگلے زمانہ مین ہوتے تو خدا قرآن مجید مین اُنکا قصہ بیان کرتا[1]

ابتدا مین فقہ و حدیث کی تحصیل کی پھر علم کلام مین کمال پیدا کیا اور بحث و مناظرہ مین مشغول ہوئے - ایکدن کسی موقع پر ایک شخص سے گفتگو کرتے کرتے اُسپر کنکری پھینک ماری اُسنے کہا " داؤد! تمھاری زبان اور ہاتھ دونون دراز ہو چلے " اُنپر عجیب اثر ہوا - بحث و مناظرہ بالکل چھوڑ دیا تاہم تحصیل علم کا شغلہ جاری تھا - برس دن کے بعد کل کتابین دریا مین ڈبو دین اور تمام چیزون سے قطع تعلق کر لیا - امام محمد کا بیان ہے کہ مین داؤد سے اکثر مسئلہ پوچھنے جاتا - اگر کوئی ضروری اور عملی مسئلہ ہوتا تو بتا دیتے ورنہ کہتے کہ " بھائی! مجھے اور ضروری کام ہین " یہ امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد ہین - خطیب بغدادی - ابن خلکان - علامہ ذہبی اور دیگر مورخین نے جہان ان کے حالات لکھے ہین امام صاحب کی شاگردی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے - تدوین فقہ مین بھی امام صاحب کے شریک تھے اور اُس مجلس کے معزز ممبر تھے ۱۶۰ھ مین وفات پائی - ان بزرگون کے سوا اور بھی بہت سے نامور محدثین مثلاً فضل بن دکین - حمزہ بن حبیب الزیات ابراہیم بن طہمان - سعید بن اوس - عمر بن میمون فضل بن موسیٰ وغیرہ امام صاحب کے تلامذہ مین داخل ہین - لیکن ہمنے صرف اُن لوگون کا ذکر کیا ہے جو تلامذۂ خاص کے جاسکتے ہین اور جو مدتون امام صاحب کی صحبت سے مستفید ہوئے ہین ۔

فقہاء

جو تدوین فقہ مین شریک تھے

[1] تاریخ ابن خلکان ۱۲

قاضی ابو یوسف

انکی منزلت اور عظمت شان اس قابل تھی کہ انکا مستقل تذکرہ لکھا جاتا اور جب ہی آنکے علمی کمالات کا اندازہ بھی ہو سکتا۔ لیکن یہ فرصت کے کام ہیں خدا کسی کو توفیق دے تو یہ کام پورا ہو سکتا ہے۔ اِس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے میرا اِسی قدر فرض ہے کہ انکی مختصر تاریخ لکھدون جس سے اُنکی لائف اور علمی کمالات پر ایک اجمالی رائے قائم ہو سکے

نسب اور ولادت

انکا نسب انصار سے ملتا ہے اِنکے مورث اعلیٰ سعد بن حبتہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مین سے تھے۔ اِنکے باپ ایک غریب آدمی تھے اور مزدوری محنت کر کے زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ ۱۱۳ھ یا ۱۱۷ھ مین بمقام کوفہ پیدا ہوئے۔ اِنکو اگرچہ بچپن سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا۔ لیکن باپ کی مرضی نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی پیشہ سیکھین اور گھر مین چار پیسے کما کر لائین۔ تاہم قاضی صاحب جب موقع اور فرصت پاتے علما کی صحبت مین جا بیٹھتے۔ ایک دن امام ابو حنیفہ کے حلقہ درس مین حاضر تھے۔ کہ اِنکے باپ پہنچے اور وہان سے زبردستی اُٹھا لائے۔ گھر پر آکر سمجھایا کہ بیٹا ابو حنیفہ کو خدا نے رزق کی طرف سے

تحصیل علم کے سامان

اطمینان دیا ہے۔ تم اُنکی ریس کیون کرتے ہو؟ قاضی صاحب نے مجبوراً لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا اور باپ کے ساتھ رہنے لگے۔ امام ابو حنیفہ نے دو چار دن کے بعد لوگون سے پوچھا کہ یعقوب اب نہین آتے " انکو امام صاحب کی جستجو کا حال معلوم ہوا تو حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی امام صاحب نے چپکے سے ایک تھیلی حوالہ کی گھر پر آکر دیکھا تو اُس مین سو درہم تھے۔ امام صاحب نے اِن سے یہ بھی کہدیا کہ جب خرچ ہو چکے تو مجھے کہنا اسی طرح برابر ان کو مدد دیتے رہے یہان تک کہ قاضی صاحب نے تمام علوم

استاتذہ

مین کمال حاصل کیا اور اُستاد وقت بنگئے۔

قاضی صاحب نے امام ابوحنیفہ کے علاوہ اور بہت سے آئمہ وقت کی خدمت مین علم کی تحصیل کی۔ اعمش۔ ہشام بن عروہ۔ سلیمان تیمی۔ ابواسحق شیبانی یحیی بن سعید الانصاری وغیرہ سے حدیثین روایت کین محمد بن اسحق سے مغازی وسیر پڑہی۔ محمد بن ابی لیلی سے فقہ کے مسائل سیکھے۔ خدا نے ذہن وحافظہ ایسا قوی دیا تھا کہ ایک ہی زمانہ مین ان تمام علوم کی تحصیل کرتے تھے۔ حافظ بن عبدالبر نے جو ایک مشہور محدث ہین لکھا ہے کہ "ابو یوسف محدثین کے پاس حاضر ہوتے اور ایک جلسہ مین پچاس ساٹھ حدیثین سنکر یاد کر لیتے "

عہدہ قضا

امام ابوحنیفہ جب تک زندہ رہے۔ قاضی صاحب اُنکے حلقہ درس مین ہمیشہ حاضر ہوتے رہے۔ اُنکی وفات کے بعد دربار سے تعلق پیدا کرنا چاہا۔ چنانچہ خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۶۶ھ مین اُنکو قاضی کی خدمت دی۔ مہدی کے بعد اُسکے جانشین ہادی نے بھی اُنکو اُسی عہدہ پر بحال رکھا۔ لیکن ہرون الرشید نے انکی لیاقتون سے واقف ہوکر تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور یہ وعدہ تھا جو اُس وقت تک اسلام کی تاریخ مین کسی کو نصیب نہین ہوا تھا بلکہ زمانہ مابعد مین بھی بجز قاضی احمد بن ابی داؤد کے اور کسی کو نصیب نہین ہوا۔ قاضی صاحب نے سررشتہ قضا مین جو ترقیان کین اُن کی تفصیل خود اُنکی لائف لکھی جائے تو لکھی جا سکتی ہے۔

وفات

جمعرات کے دن ظہر کے وقت ربیع الاول کی پانچوین تاریخ ۱۸۲ھ مین وفات پائی محمد بن سماعہ کا بیان ہے کہ مرتے وقت یہ الفاظ اُنکی زبان پر تھے "اے خدا تو جانتا ہے کہ مین نے کوئی فیصلہ عمداً خلاف واقع نہین کیا۔ میری ہمیشہ کوشش رہی کہ جو فیصلہ ہو تیری

کتاب اور تیسرے پیغمبر کے طریقہ کے موافق ہو۔ جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تھا تو مین امام ابو حنیفہ کو واسطہ بناتا تھا اور جہان تک مجھکو معلوم ہے ابو حنیفہ تیرے احکام کو خوب سمجھتے تھے اور عمداً حق کے راستے سے باہر نہ جاتے تھے۔" قاضی صاحب بہت بڑے دولتمند تھے لیکن دولت کا استعمال اچھی طرح کیا۔ مرتے وقت وصیت کی کہ چار لاکھ روپے مکہ معظمہ مدینہ منورہ کوفہ۔ بغداد کے محتاجون کو دیے جائین۔

کثرت حدیث

قاضی صاحب متعدد علوم میں کمال رکھتے تھے۔ اگرچہ اُن کی شہرت زیادہ تر فقہ مین ہوئی لیکن اور علوم مین بھی وہ اپنے آپ ہی نظیر تھے۔ مورخ ابن خلکان نے ہلال بن یحیی کا قول نقل کیا ہے کہ ابو یوسف تفسیر، مغازی، ایام العرب کے حافظ تھے اور فقہ انکا ادنے سا علم تھا۔" حدیث مین انکا یہ پایہ تھا کہ حفاظ حدیث مین شمار کیے جاتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین انکا ترجمہ لکھا ہے۔ یحیی بن معین کہا کرتے تھے کہ "اہل الرائے مین ابو یوسف سے بڑھکر کوئی شخص کثیر الحدیث نہین" امام احمد حنبل کا قول ہے کہ (وہ کان منصفاً فی الحدیث) مزنی جو امام شافعی کے مشہور شاگرد ہیں کہا کرتے تھے (ابو یوسف اتبع القوم للحدیث)[1] خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ مین امام احمد حنبل کا قول نقل کیا ہے کہ اول جب مجھکو علم حدیث کا شوق پیدا ہوا تو ابو یوسف کی خدمت مین حاضر ہوا۔" یحیی بن معین و امام احمد حنبل اور بہت سے ائمہ حدیث نے قاضی صاحب سے حدیثین روایت کین۔ اس سے زیادہ اُن کی عظمت شان کی کیا دلیل ہوگی[2]

---

[1] یہ اقوال علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین نقل کیے ہین [2] قاضی صاحب کی نسبت کتب رجال مین جرحین بھی منقول ہین مگر وہ عموماً ناقابل اعتبار ہین کیونکہ یا تو وہ مبہم جرحین ہیں یا انکا منشا اجتہادی مسائل کا اختلاف ہے

فقہ مین جو انکا پایہ ہے اُس سے کون انکار کرسکتا ہے - امام ابو حنیفہ کو خود اُن کے کمال کا اعتراف تھا - ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے - امام صاحب عیادت کو گئے - واپس آئے تو ساتھیون سے کہا کہ وہ خدانخواستہ اگر یہ شخص ہلاک ہوا تو دنیا کا عالم ہلاک ہوا" اور ائمہ بھی اُنکے حدت ذہن اور قوت فہم کے معترف تھے - امام اعمش اُس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے اُنھون نے قاضی صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا - اُنھون نے جواب بتایا امام اعمش نے کہا اسپر کوئی سند بھی ہے؟ قاضی صاحب نے فرمایا ہان وہ حدیث جو فلان موقع پر آپ نے مجھسے بیان کی تھی - امام اعمش نے کہا "یعقوب یہ حدیث مجھکو اُسوقت سے یاد ہے جب تمہارے والدین کا عقد بھی نہیں ہوا تھا - لیکن اُس کا صحیح مطلب آج ہی سمجھ مین آیا[1]"

تصنیفات

قاضی صاحب پہلے شخص ہین جنھنے فقہ حنفی مین تصنیفین کین مختلف علوم مین اُنکی تصنیفات بہت ہیں اور ابن الندیم نے کتاب الفہرست مین اُن کی مفصل فہرست بھی نقل کی ہے لیکن ہماری نگاہ سے صرف کتاب الخراج گذری ہو اس لئے ہم اُسکے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہین - ہرون الرشید نے خراج وجزیہ وغیرہ کے متعلق قاضی صاحب سے یادداشتین طلب کی تھین - قاضی صاحب نے اُسکے جواب مین چند تحریرین بھیجین - یہ کتاب انہین تحریرون کا مجموعہ ہے[2] - اگرچہ اس مین بہت سے مضامین ہیں لیکن زیادہ تر خراج کے مسائل ہیں اور اسی لئے اُسکو اس زمانہ کا قانون مالگذاری کہہ سکتے ہیں اس کتاب مین زمین کے اقسام بلحاظ حیثیت اور بلحاظ تنوع - لگان کی مختلف شرحین - کاشتکارون کی حیثیتون کا اختلاف - پیداوار کی تقسیم - اس قسم کے اور مراتب کو اس خوبی اور وضاحت

[1] ابن خلکان ترجمہ قاضی ابو یوسف ۱۲ [2] یہ کتاب مصر کے مطبع میریہ مین ۱۳۰۲ھ مین چھاپی گئی ہے ۱۲

نظر کے ساتھ منضبط کیا ہے اور انکے متعلق قواعد قرار دیے ہیں کہ اُس زمانہ کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے طرز تحریر میں ایک یہ بڑی خوبی ہے کہ نہایت آزادانہ ہے۔ قواعد اور ہدایتوں کے ساتھ جا بجا اُن ابتریوں کا ذکر ہے جو انتظامات سلطنت میں موجود تھیں اور اُنپر نہایت بیباکی کے ساتھ خلیفۂ وقت کو متوجہ کیا ہے۔

قاضی صاحب کی تاریخ زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر ہے وہ یہ ہے کہ ہرون الرشید جیسے جبار اور خود پرست بادشاہ کے دربار میں وہ اپنے فرائض اس جرأت اور آزادی سے ادا کرتے تھے جسکی مثال ایشیائی سلطنتوں میں بہت کم ملسکتی ہے کتاب الخراج میں ایک جگہ وہ ہرون الرشید کو لکھتے ہیں کہ اے امیر المومنین! اگر تو اپنی رعایا کے انصاف کے لئے مہینہ میں ایک بار بھی دربار کرتا اور مظلوموں کی فریاد سنتا تو میں امید کرتا ہوں کہ تیرا شمار اُن لوگوں میں نہ ہوتا جو رعیت سے پردہ کرتے ہیں اور اگر تو دو ایک بار بھی کرتا تو یہ خبر تمام اطراف میں پھیل جاتی اور ظالم اپنے ظلم سے باز آتے۔ بلکہ اگر عمّال و صوبہ داروں کو یہ خبر پہنچے کہ تو برس دن میں ایک دفعہ انصاف کے لئے بیٹھتا ہے تو ظالموں کو کبھی ظلم پر جرأت نہ ہونے پائے!!"

قاضی صاحب کے سوا کسکی جرأت تھی کہ ہرون الرشید کو یہ الفاظ لکھتا؟

تعجب یہ ہے کہ ایسا آزاد اور پاکیزہ نفس بھی دشمنوں کے حملہ سے نہیں بچا۔ قاضی صاحب کے مخالفین نے اُنکو خوشامدی اور زمانہ ساز کہا ہی اور اس مضمون کی چند روایتیں بھی گھڑلی ہیں بعض سند ہیں جنکو رطب یابس سے کچھ بحث نہیں ان بیہودہ روایتوں کو نقل بھی کر دیتے ہیں جو کوتاہ بینوں کے لئے "ہوئے بس ہست" کا کام دیتی ہے اس قسم کی بعض حکایتیں تاریخ الخلفاء میں منقول ہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ کتاب الخراج کے فقرے جو ہمنے نقل

آزادی کے ساتھ اپنے فرائض کا انجام دینا

مخالفین کی تہمت آمیز روایتیں

کے ہین جس قطعیت کے ساتھ ثابت ہین اُنکے مقابلہ مین ان روایتون کا کس حد تک اعتبار ہو سکتا ہے۔

خاطب اللیل مورخین ایک طرف۔ بعض محدثین نے بھی مخالفت کے جوش مین تحقیق حق کی پروانہ کی۔ بیہقی نے امام شافعی کے حالات مین ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اُس مین لکھا ہے کہ اُمام شافعی جب ہرون الرشید کے دربار مین گرفتار ہوکر آے تو قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے ہرون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی راے دی اور کہا کہ اگر جلد تدارک نہین کیا جاتا تو یہ شخص سلطنت کو صدمہ پہنچائے گا!!! افسوس۔ امام بیہقی کو باینہمہ محدثیت یہ بھی خیال نہ آیا کہ قاضی ابو یوسف اس زمانہ سے بہت پہلے انتقال کر چکے تھے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ خود محدثین ہی نے اس روایت کی تکذیب کی حافظ بن حجر نے جن سے بڑھکر اُن کے بعد محدث نہین ہوا امام شافعی کے حالات مین ایک کتاب لکھی[1] ہے جو آج کل مصر مین چھاپی گئی ہے۔ وہ اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہین فھی مکذوبۃ وغالب ما فیھا موضوع وبعضھا ملفق من روایات ملفقۃ وواضح ما فیھا من الکذب قولہ فیھا ان ابا یوسف ومحمد بن الحسن حرضا الرشید علی قتل الشافعی یعنی یہ روایت جھوٹی ہے اور اُس کا اکثر حصہ موضوع ہے اور بعض حصے دوسری مختلط روایتون سے ماخوذ ہین اور جو صریح جھوٹ اُس مین ہے وہ یہ ہے کہ ابو یوسف ومحمد بن الحسن نے ہرون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی ترغیب دی۔

اولیت

قاضی صاحب کی طرف بعض اولیات بھی منسوب ہین۔ مورخ بن خلکان نے لکھا ہے کہ قاضی ابو یوسف پہلے شخص ہین جنھنے علما کے لئے ایک خاص لباس تجویز کیا کہ آجتک

---

[1] اس کتاب کا نام توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس ہے اور ۱۳۰۱ھ مین مطبع میریہ مصر مین طبع ہوئی ۱۲

برتا جاتا ہے ورنہ اس سے پہلے تمام لوگون کا ایک لباس تھا"

امام محمد بن الحسن الشیبانی

یہ فقہ حنفی کے دوسرے بازو ہیں۔ انکا اصلی وطن دمشق کے متصل ایک گانون تھا جسکو حرستا کہتے ہیں۔ انکے والد وطن چھوڑکر واسط چلے آئے اور وہین سکونت اختیار کر لی امام محمد ۱۳۵ھ میں یہین پیدا ہوئے۔ سن رشد کا آغاز تھا کہ کوفہ جانا ہوا۔ یہان علوم کی تحصیل شروع کی اور بڑے بڑے فقہاء و محدثین کی صحبت اٹھائی۔ مسعر بن کدام امام سفیان ثوری۔ مالک بن دینار۔ امام اوزاعی۔ وغیرہ سے حدیثین روایت کین۔ کم و بیش دو برس تک امام ابو حنیفہ کی خدمت مین رہے۔ امام صاحب کی وفات کے بعد قاضی ابو یوسف سے بقیہ تحصیل کی۔ پھر مدینہ منورہ گئے اور تین برس تک امام مالک سے حدیث پڑہتے رہے۔ آغاز شباب ہی مین انکے فضل و کمال کے چرچے پھیل گئے تھے بیس برس کے سن مین مسند درس پر بیٹھے اور لوگون نے انسے استفادہ شروع کیا۔ ہرون الرشید نے انکے فضل و کمال سے واقف ہوکر قضا کی خدمت دی اور اکثر اپنے ساتھ رکھتا تھا ۱۸۹ھ مین رے گیا تو انکو بھی ساتھ لے گیا۔ رے کے قریب رنبویہ ایک گانون ہے وہان پہونچکر قضا کی۔ اتفاق یہ کہ کسائی جو مشہور نحوی گزرا ہے وہ بھی اس سفر مین ساتھ تھا اور اسنے بھی یہین انتقال کیا۔ ہرون الرشید کو نہایت صدمہ ہوا۔ اور کہا کہ "آج فقہ اور نحو دونون کو ہم دفن کر آئے"

علامہ یزیدی نے جو ایک مشہور ادیب اور ہرون الرشید کے درباریون مین تھے نہایت جانگداز مرثیہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

فقلت اذا ما اشکل الخطب من لنا باَیضاحہٖ یوماً وانت فقید

ترجمہ یعنے "ہمنے کہا کہ جب تو نر ہا تو ہمارے لئے مشکلات کا حل کرنے والا کہاں سے آئیگا"

امام محمد نے اگرچہ زندگی کا بڑا حصہ دربار کے تعلق سے بسر کیا۔ لیکن آزادی اور حق گوئی کا سررشتہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹا ۔ ۱۷۶ھ میں یحییٰ علوی نے جب علم بغاوت بلند کیا تو ہرون الرشید اُن کا سروسامان دیکھکر حواس باختہ ہوگیا۔ اور دبکر صلح اختیار کی معاہدہ صلح قلمبند ہوا اور یحییٰ کے اطمینان کے لئے بڑے بڑے علمار فضلا فقہار اور محدثین نے اُسپر دستخط کئے۔ یحییٰ صلح پر راضی ہوکر بغداد میں آئے تو چند روز کے بعد ہرون الرشید نے نقض عہد کرنا چاہا۔ تمام علما رنے ہرون الرشید کے خوف سے فتویٰ دیدیا کہ صورت موجودہ میں نقض عہد جایز ہے۔ لیکن امام محمد نے علانیہ مخالفت کی اور اخیر تک اپنے اصرار پر قائم رہے۔

امام محمد جس رتبہ کے شخص تھے اُس کا اندازہ۔ ائمہ مجتہدین کے اقوال سے ہوسکتا ہے امام شافعی کا قول ہے۔ کہ "امام محمد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی اُتر رہی ہے" اُنہیں کا قول ہے "کہ میں نے امام محمد سے ایک بار شتر کی برابر علم حاصل کیا" امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ یہ دقیق مسائل کہاں سے حاصل ہوے فرمایا محمد بن الحسن کی کتابوں سے"[1]

امام محمد کے حلقۂ درس سے اگرچہ اور بہت سے نامور علمار تعلیم پاکر نکلے لیکن ان سب میں امام شافعی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔ ہمارے زمانہ کے کم نظروں کو اس سے تعجب ہوگا۔ اگلے زمانہ میں بھی ابن تیمیہ نے امام شافعی کی شاگردی

---

[1] یہ تمام اقوال محدث نووی نے تہذیب الاسمار واللغات میں نقل کیے ہیں ۱۲

سے انکار کیا تھا۔ لیکن حق کو کون دبا سکتا ہے؟ تاریخ و رجال کی آج سیکڑون کتابین موجود ہین۔ وہ کیا شہادت دے رہی ہین؟ بے شبہہ امام شافعی کو امام محمد کی فیض صحبت نے بڑے بڑے کمالات کے رستے دکھائے اور اس کا خود انکو اعتراف تھا۔ حافظ ابن حجر امام شافعی کا قول نقل کرتے ہین۔

"یعنی محمد بن الحسن خلیفہ کے ہان بہت معزز تھے اس لئے ہین اُنکے پاس آتا جاتا تھا ہین نے اپنے جی مین کہا کہ وہ فقہ کے لحاظ سے بھی عالی رتبہ ہین اس لئے مین نے انکی صحبت لازم پکڑی اور انکا درس قلمبند کرتا تھا"۔

امام محمد خود بھی امام شافعی کی نہایت عزت کرتے تھے اور تمام شاگردون کی نسبت اُن کے ساتھ خاص مراعات کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دن ہرون الرشید کے دربار مین جارہے تھے۔ راہ مین امام شافعی ملے۔ جو اُنکی ملاقات کو آرہے تھے۔ اُسی وقت گھوڑے سے اُتر پڑے اور نوکر سے کہا کہ خلیفہ کے پاس جا اور عذر بیان کر کہ مین اسوقت حاضر نہیں ہوسکتا۔ امام شافعی نے کہا مین اور کسی وقت حاضر ہونگا آپ دربار مین تشریف لیجائین۔ امام محمد نے کہا ضرور نہین وہان جانا کچھ ضرور نہین"[2]۔ امام محمد و امام شافعی مین اکثر مناظرات بھی رہتے تھے۔ اور اسی بنا پر بعضون کو انکی شاگردی سے انکار ہے۔ لیکن اُس زمانہ کی اُستادی شاگردی مین یہ امور معیوب نہ تھے اور در اصل آج بھی معیوب نہین۔

امام محمد کی شہرت اگرچہ زیادہ تر فقہ مین ہے اور اون کی تصنیفات عموماً اسی فن کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ لیکن وہ تفسیر۔ حدیث۔ ادب۔ مین بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے

---

[1] دیکھو توالی التاسیس مطبوعہ مصر صفحہ ۶۹ [2] ۷۵ توالی التاسیس صفحہ ۶۹

امام شافعی کا قول ہے کہ "مین نے قرآن مجید کا عالم امام محمد سے بڑھکر نہین دیکھا"[1] ادب و عربیت مین اگرچہ انکی کوئی تصنیف موجود نہین لیکن فقہ کے جو مسائل نحو کے جزئیات پر مبنی ہین اکثر جامع کبیر مین مذکور ہین اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فن مین ان کا کیا پایہ تھا چنانچہ ابن خلکان وغیرہ نے خصوصیت کے ساتھ اسکا ذکر کیا ہے۔

حدیث مین ان کی کتاب موطا مشہور ہے۔ اسکے علاوہ کتاب الحجج جو امام مالک کی رد مین لکھی ہے۔ اس مین اکثر حدیثین روایت کی ہین اور متعدد مسائل مین جوش ادعا کے ساتھ کہا ہے کہ "مدینہ والون کو دعوی ہے کہ وہ حدیث کے پیرو ہین۔ حالانکہ ان مسائل مین صریح انکے خلاف حدیث موجود ہے"

امام محمد کی تصنیفات۔ تعداد مین بہت زیادہ ہین اور آج فقہ حنفی کا مدار انہی کتابون پر ہے تاہم ذیل مین ان کتابون کی فہرست لکھتے ہین جنمین امام ابوحنیفہ کے مسائل روایتاً مذکور ہین اور اسلیے وہ فقہ حنفی کے اصلی اصول خیال کیے جاتے ہین۔

مبسوط اصل مین یہ کتاب قاضی ابویوسف کی تصنیف ہے۔ انہیں مسائل کو امام محمد نے زیادہ توضیح اور خوبی سے لکھا۔ یہ امام محمد کی پہلی تصنیف ہے۔

جامع صغیر۔ مبسوط کے بعد تصنیف ہوئی۔ اس کتاب مین امام محمد نے قاضی ابویوسف کی روایت سے امام ابوحنیفہ کے تمام اقوال لکھے ہین کل ۱۵۳۲ مسئلے ہین جنمین سے ایک سو ستر مسئلہ کے متعلق اختلاف رائے بھی لکھا ہے۔ اس کتاب مین تین قسم کے مسائل ہین۔

(۱) جنکا ذکر بجز اس کتاب کے اور کہین نہین پایا جاتا۔

(۲) اور کتابونمین بھی مذکور ہین۔ لیکن ان کتابون مین امام محمد نے تصریح نہین کی تھی کہ یہ خاص

[1] الجواہر المضیئہ ترجمہ امام محمد۔ ۱۲

ابو حنیفہ کے مسائل مین اس کتاب مین تصریح کر دی ہے۔

(۳) اور کتابون مین مذکور تھے۔ لیکن اس کتاب مین جن الفاظ سے لکھا ہے اُن سے بعض نئے فائدے مستنبط ہوتے ہین۔ اس کتاب کی تیس چالیس شرحین لکھی گئین جن کے نام اور مختصر حالات کشف الظنون وغیرہ مین ملتے ہیں۔

جامع کبیر۔ جامع صغیر کے بعد لکھی گئی ضخیم کتاب ہے۔ اس مین۔ امام ابو حنیفہ کے اقوال کے ساتھ۔ قاضی ابو یوسف اور امام زفر کے اقوال بھی لکھے ہیں۔ ہر مسئلہ کے ساتھ دلیل لکھی ہے متاخرین حنفیہ نے۔ اصول فقہ کے جو مسائل قائم کئے ہین زیادہ تر اسی کتاب کی طرز استدلال وطریق استنباط سے کئے ہیں۔ بڑے بڑے نامور فقہا نے اس کی شرحین لکھین جن مین سے ۲۴ شرحون کا ذکر کشف الظنون مین ہے۔

زیادات۔ جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آئے وہ اس مین درج کئے ہین اور اسی لیئے زیادات نام رکھا۔

کتاب الحج۔ امام محمد امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ گئے اور تین برس وہان رہکر۔ امام مالک سے موطا پڑہی۔ اہل مدینہ کا طریقۂ فقہ جدا تھا۔ بہت سے مسائل مین وہ لوگ امام ابو حنیفہ سے اختلاف رکھتے تھے۔ امام محمد نے مدینہ سے اکر یہ کتاب لکھی۔ اس مین اول وہ ابو حنیفہ کا قول نقل کرتے ہین۔ پھر مدینہ۔ والون کا اختلاف بیان کرکے۔ حدیث۔ اثر۔ قیاس سے ثابت کرتے ہین۔ کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب صحیح ہے اور دوسرون کا غلط۔ امام رازی نے مناقب شافعی۔ مین اس کتاب کا ذکر کیا ہے یہ کتاب چھپ گئی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے۔ مین نے اسکا ایک قلمی نسخہ بھی دیکھا ہے۔

سیر صغیر و کبیر۔ یہ سب اخیر تصنیف ہے۔ اول سیر صغیر لکھی اسکا ایک نسخہ امام اوزاعی

کی نظر سے گزرا۔ اُنھوں نے طعن سے کہا کہ "اہل عراق کو فن سیر سے کیا نسبت" امام محمد نے سنا تو سیر کبیر لکھنی شروع کی۔ تیار ہوچکی تو ساٹھ جزون مین آئی۔ امام محمد اس ضخیم کتاب کو ایک خچر پر رکھوا کر ہرون الرشید کے پاس لے گئے۔ ہرون الرشید کو پہلے سے خبر ہوچکی تھی۔ اُسنے قدردانی کے لحاظ سے شہزادون کو بھیجا کہ خود جاکر امام محمد سے اُس کی سند لین۔

ان کتابون کے علاوہ۔ امام محمد کی اور تصانیف بھی فقہ مین موجود ہین۔ مثلاً کیسانیات جرجانیات۔ رقیات۔ ہرونیات۔ لیکن یہ کتابین فقہار کی اصطلاح مین ظاہر الروایۃ مین داخل نہین۔ بلکہ کتاب الحج جسکا ذکر اوپر ہوچکا وہ بھی اس سلسلہ سے خارج ہے۔

امام زفر

فقہ مین اگرچہ ان کا رتبہ امام محمد سے زیادہ مانا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ اُنکی کوئی تصنیف موجود نہین ہے اور اُنکے حالات بھی بہت کم معلوم ہین۔ اس لئے صاحبین سے انکو موخر رکھنا پڑا۔

یہ عربی النسل تھے۔ شروع زمانہ مین اُنکو حدیث کا شغل رہا اور اسی وجہ سے جیسا کہ علامہ نووی نے تہذیب اللغات مین تصریح کی ہے۔ صاحب الحدیث کہلاتے تھے پھر فقہ کی طرف توجہ کی اور اخیر عمر تک یہی مشغلہ رہا۔

یحیٰی بن معین جو فن جرح و تعدیل کے امام ہین اُنکا قول ہے کہ زفر صاحب الرائے ثقہ ماموں[1]۔ بعض لوگون نے انکی تضعیف بھی کی ہے۔ لیکن وہ مبہم ہے اور قابل اعتبار نہین ہے۔

اُنکو خاصکر قیاسی احکام مین نہایت کمال تھا۔ امام ابوحنیفہ ان کی نسبت فرمایا

---

[1] تہذیب اللغات والاسمار۔ علامہ نووی۔ ۱۲

کرتے تھے کہ اقیس صحابی وکیع بن الجراح جنکا ذکر اوپر گزر چکا ان سے استفادہ کرتے تھے قضا کا عہدہ بھی انکو ملا تھا سنہ ۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اور سنہ ۱۵۸ھ میں وفات کی۔

قاسم بن معن

بہت بڑے نامور شخص تھے۔ صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے روایت کی ہے اگرچہ انکو حدیث و فقہ میں بھی کمال تھا۔ لیکن عربیت و ادب میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے امام محمد انکی خدمت میں استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے تھے۔ خلیفہ نے انکو کوفہ کا قاضی مقرر کیا۔ مجبوراً قبول کرنا پڑا۔ لیکن تنخواہ کبھی نہیں لی +

امام ابوحنیفہ کو ان سے خاص محبت تھی۔ یہ بھی منجملہ اُن لوگوں کے ہیں جنکی نسبت امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ "تم لوگ میرے دل کی تسلی اور میرے غم کے مٹانے والے ہو" انکو بھی امام صاحب کے ساتھ نہایت خلوص تھا۔ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ فقہ و عربیت دونوں کے امام ہیں۔ ان دونوں علموں میں سے وسیع کون علم ہے؟ فرمایا کہ "واللہ امام ابوحنیفہ کی ایک تحریر کل فن عربیت پر بھاری ہے" سنہ ۱۷۵ھ میں وفات کی۔

اسد بن عمرو

یہ پہلے شخص ہیں جنکو امام ابوحنیفہ کی مجلس تصنیف میں۔ تحریر کا کام سپرد ہوا۔ بہت بڑے رتبہ کے شخص تھے۔ امام احمد بن حنبل نے ان سے روایت کی ہے اور یحییٰ بن معین نے انکو ثقہ کہا ہے۔ ہلال رازی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہرون الرشید مکہ معظمہ گیا۔ طواف سے فارغ ہوکر کعبہ میں داخل ہوا اور ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تمام اہل دربار اور اعیان ہاشم کھڑے تھے مگر

ایک شخص ہرون الرشید کے برابر بیٹھا۔ مجھکو نہایت تعجب ہوا۔ لوگون سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اسد بن عمرو ہین[1]۔

علی بن المسہر

فن حدیث امام اعمش وہشام بن عروہ سے حاصل کیا تھا۔ امام بخاری ومسلم نے انکی روایت سے حدیثین نقل کی ہین۔ امام احمد بن حنبل انکے فضل وکمال کا اعتراف کرتے تھے امام سفیان ثوری نے امام ابوحنیفہ کی تصنیفات پر جو اطلاع حاصل کی انہین کے ذریعہ سے کی۔ موصل کے قاضی تھے ۱۸۹ھ مین انتقال کیا[1]۔

عافیہ بن یزید

یہ وہی بزرگ ہین جنکی نسبت امام ابوحنیفہ مجلس تصنیف مین فرمایا کرتے تھے کہ "جبتک عافیہ نہ آچکین کسی مسئلہ کو قلمبند نہ کرو"۔ علامہ ذہبی نے انکی نسبت لکھا ہے کہ کان من خیار القضاۃ۔

حبان

کثیر الروایۃ تھے۔ ابن ماجہ مین انکی روایت سے متعدد حدیثین موجود ہین۔ امام ابوحنیفہ انکی قوت حفظ کے بہت مداح تھے ۱۷۲ھ مین وفات کی۔

سلہ الجواہر المضیئۃ ۱۲

سلہ یہ حالات مجھکو صرف الجواہر المضیئۃ سے معلوم ہوئے ۱۲۔

مندل

حبان کے بھائی تھے۔ امام اعمش و ہشام بن عروہ و عبدالملک بن عمیر و عاصم احول و امام ابو حنیفہ سے حدیثیں روایت کیں۔ نہایت متورع اور پرہیزگار تھے۔ ۱۶۸ھ میں انتقال کیا۔ انکے بھائی حبان نے نہایت با اثر مرثیہ لکھا ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسکے چند اشعار نقل کئے ہیں۔ دو شعر یہ ہیں۔

فَاِذَا ذَکَرْتُ فَقْدَ اَنَ اَخِی	انقلبتُ فی فراشِی ارقا
واخٍ ای اخٍ مثل اخِی	قد جری فِی کل خیرٍ سبقا

تمت بالخیر

افسانۂ یارانِ کہن خواندم و رفتم	دریاب کہ لعل و گہر افشاندم و رفتم

۱۵۔ دسمبر ۱۸۹۳ء

مقام علی گڈھ

شبلی نعمانی

تذکرہ خواتین تیموریہ

جن مین دنیا کے نامور و مشہور خاندان تیموریہ کی پاکدامن اور عفت مآب مشاہیر بیگمات کے علاوہ بہت سی آن عفت کی دیویون اور شریف خاتون کے نہایت دلچسپ ندرت مآب تاریخی واقعات اور حیرت انگیز حالات بسط و شرح کے ساتھ سلسلہ وار بترتیب حروف تہجی اردو کی مقبول طرز اور مرغوب پیرایہ مین لکھے گئے ہین جو اس عظیم الشان خاندان کے سلسلہ سے تعلق رکھتی ہین قیمت ہر دو جلد عا

دولت درانیہ جس مین احمد شاہ درانی والی افغانستان کے مفصل حالات زندگی۔ آغاز سلطنت ہندوستان پر متواتر حملے سکھون اور دکھنیون کی مشہور معرکہ آرائیان ہندوستان کے فتوحات وغیرہ وغیرہ کا بڑے بسط و توضیح کے ساتھ ذکر کرکے اسکے نامور فرزند تیمور شاہ اور بیدار بخت پوتے زمان شاہ کی عہد سلطنت کے تمام واقعات نہایت دلچسپی اور عمدگی کے ساتھ بیان کئے گئے ہین اور ساتھ ہی اُن پر زور انقلابون اور باہمی خانہ جنگیون کا بھی مذکور ہے جو اُن تینون نامور حکمرانون کے عہد حکومت مین پھیلین اور فرد ہوئین غرضکہ ۱۱۶۰ ہجری سے ۱۲۱۳ ہجری تک کے تمام واقعات درج ہین قیمت عمہ

حیات ولی - یہ ایک جدید اور قابل قدر کتاب ہے جسمین عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ اور آنکے محترم خاندان کی سوانح عمری کا دلچسپ اور مفصل حال اور بابرکت اور عالی خاندان کی سچی تاریخ ہے جو نہایت مستند تذکرون اور معتبر ذریعون سے منتخب کی گئی ہے شاہ ولی اللہ صاحب اور آنکے خاندان کے متعلق تقریباً دو سو حضرات کے واقعات اور آنکے سچے اور تاریخی مستند اور دلچسپ حالات اور آنکے چارون چمکتے ستارون یعنے مولانا شاہ عبد العزیز صاحب مولانا شاہ رفیع الدین صاحب مولانا شاہ عبد القادر صاحب مولانا شاہ عبد الغنی صاحب کے مفصل و مکمل سوانحات اس کتاب کا مطالعہ کچھ ایسا پردہ غفلت اوٹھاتا ہے گویا دیکھنے والا خود انکے حلقہ مین داخل ہے قیمت فی جلد عہ

مثنوی نشتر غم یعنی حسن شاہ اور خانم جان کا وہ دردناک اور سچا تاریخی قصہ جو نشتر ناول سے لیکر گلزار نسیم کی بحر مین نہایت ہی معنی خیز اختصار مین نظم کیا گیا قیمت ۸

اخبار قومی رفیق

ایک نہایت عجیب غریب اور بے انتہا دلچسپ قابل قدر پندرہ روزہ اخبار جسمین لائق فائق جادو نگارون اور معرکہ انشا پردازی کے شہسوارونکی پرجوش اور پُرلطف اور قیمتی مورخانہ واخلاقی مضامین ہمیشہ درج ہوا کرتے ہین ہر نمبر مین شاہان اسلام کے کارنامے اور پُرفخر واقعات با معزز طبقہ کے اکابر و اسلاف کے معنی خیز حالات کے علاوہ تذکرہ خواتین ہند کے ۲ جز ۲۰×۲۶/۱۶ کاغذ کے پیمانے پر ہر نمبر کے ساتھ سلسلہ وار شائع ہوا کرتے ہین جو بالکل ایک نئی اور تازہ ترین تصنیف کتاب ہی - اور جسمین اول تاجدار ہند بابر بادشاہ سے لیکر آخر فرمانروایان ہند تک تمام مشہور اور نامور بیگمات کے تفصیل وار حالات اردو انشاپردازی کی خاص شان اور نہایت دلگیر عبارت مین لکھے گئے ہین اور نیز اسمین پردہ کے مخالفون کو دندان شکن جواب دیے جاتے ہین ۱۲ پورے تین جز جنوری سنہ ۱۹۰۲ع سے جاری ہے - ہمارے قدیم وجدید معاونین اسکی سرپرستی فرماکر بہت جلد درخواستین بھیجین اور وی-پی کی اجازت دین قیمت سالانہ پیشگی مع محصول عہ

المشتہر

سید ظہور الحسن موسوی مالک قومی پریس - دہلی کٹرہ نظام الملک نیر جامع مسجد